تذکرۂ مخطوطات

جلد سوم

ڈاکٹر سید محیؑ الدین قادری زورؔ

تذکرہ مخطوطات

جلد سوم

یعنی

کتب خانۂ ادارۂ ادبیاتِ اردو کی دو سو قلمی کتابوں کا

تفصیلی جائزہ

مرتّبہ

ڈاکٹر سیّد محی الدّین قادری زورؔ

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

سنہ اشاعت : جنوری تا مارچ 1984 —— شک 1905

پہلا اڈیشن : 1000

قیمت : 3/-

سلسلۂ مطبوعات: ترقی اردو بیورو 446

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومتِ ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 66

طابع : سپر پرنٹرز نئی دہلی

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

فہرستِ مندرجات

دیباچہ

(طبع سوم)

ممکن حد تک حقائق کی تلاش ایک محقق کی عظیم ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے کئی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان دنوں نئی نئی یونیورسٹیوں کے قیام اور پہلے سے موجود یونیورسٹیوں کے مختلف علوم کے شعبوں میں توسیع کی وجہ سے تحقیق کا کام بہت پھیلتا جارہا ہے۔ قدیم اور جدید ہر نسل سے تعلق رکھنے والے تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ تحقیق کے عنوان سے مختلف علوم کے ساتھ ساتھ ایک ہی علم کی کئی شاخیں پھوٹتی جارہی ہیں اور محقق کے سامنے مواد کی فراہمی کا سنگین مسئلہ درپیش ہے جسے حل کرنے کے کئی ذرائع ہیں ان میں سے ایک مفید اور عمدہ ذریعہ مختلف علوم و فنون پر مشتمل مخطوطوں اور مطبوعہ کتابوں کی فہرستوں کی دستیابی بھی ہے خصوصاً اردو زبان کی ابتدائی نشو و نما کا زمانہ وہ رہا ہے جب ہندستان میں پرنٹنگ پریس ابھی استعمال میں نہ آیا تھا۔ مصنف جب اردو کی کتاب لکھ لیتا تو وہ بھی واحد مسودہ ہوتا یا اس کے شاگرد یا ہم پیشہ اپنی دلچسپی و ضرورت کی خاطر اس کتاب کی نقل کرتے یا کروا لیتے پھر اصل کی یا نقل کی نقل ہوا کرتی اس لحاظ سے ۱۸۰۰ء سے قبل کا اردو سرمایہ خواہ وہ کسی بھی دور اور علاقہ کا ہو اگر مخطوطوں کی شکل میں موجود ہے تو وہ بڑا انمول سرمایہ ہے جس کی نہ صرف حفاظت کرنا بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے والے تک اسے پہنچانا بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔ اس ضرورت کی طرف بیورو نے خاص توجہ کی ہے اسی سلسلہ میں اردو کی عام مطبوعہ کتابوں کی کتابیات Bibliography کا ایک اہم پروجکٹ گذشتہ سال بیورو میں شروع کیا گیا ہے۔ اس کتابیات میں اہم کتب خانوں میں موجود مختلف علوم کی تمام اردو کتابوں کے بارے میں مفید اور ضروری معلومات فراہم ہوں گی، جو تحقیق کے لیے بنیادی مواد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسی طرح اردو کے تمام مخطوطوں کی کتابیات کا بھی کام ہونا چاہیے۔ فی الحال بیورو نے فیصلہ کیا ہے کہ، جن کتب خانوں کے مخطوطات کی فہرستیں چھپ چکی ہیں مگر وہ عام طور پر دستیاب نہیں ان کے عکسی ایڈیشن شائع کیے جائیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اکثر فہرستوں کی طباعت کئی برس پہلے ہوئی ہے۔ ان کے مرتبین نے اس وقت کے دستیاب شدہ مواد کے مطابق انھیں مرتب کیا تھا۔ ممکن ہے اس دوران بہت سا نیا مواد کتب خانہ میں جمع ہوگیا ہو۔ جو فہرستوں پر نظر ثانی کرکے یا ضمیمہ کے طور پر بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح محققین کی بڑی تعداد صحیح مواد تک رسائی حاصل کرتے ہوئے اپنے تحقیقی نتائج زیادہ مستند طریقے سے پیش کر پائے گی۔

امید ہے کہ اس کام کو بھی جو وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے، اردو کے علمی وادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

دیباچہ

کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو کی قلمی کتابوں کی توضیحی فہرست کی یہ تیسری جلد ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۴۳ء میں شایع ہوئی تھی۔ اور دوسری ۱۹۵۱ء میں۔ پہلی جلد تو اب کمیاب بھی ہو چکی ہے۔ اس میں صرف ردو کے ۲۷۰۵ مخطوطات کا تذکرہ شریک کیا گیا تھا جن میں سے بعض میں کئی کئی رسالے اور کتابیں شامل تھیں۔ وسری جلد حیدر آباد کے سیاسی انقلاب کے بعد ایک بحرانی دور میں لکھی گئی تھی اور خیال تھا کہ ادارے کے زیادہ سے زیادہ مخطوطوں کا حال جلد از جلد محفوظ کر دیا جائے۔ اس لئے عربی، فارسی، ہندی اور اردو کی پانچ سو قلمی کتابوں کا ذکر اس میں زیادہ تر اجمال کے ساتھ درج کر دیا گیا۔

اس تیسری جلد میں اکثر و بیشتر اُردو مخطوطات ہی شامل ہیں۔ البتہ اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کی لکھی ہوئی یا ان کے بارے میں معلومات بہم پہنچانے والی چند فارسی قلمی کتابیں بھی اس میں شریک ہیں۔ دو چار اہم تاریخی مخطوطات کی تفصیلات بھی آ گئی ہیں۔ یوں تو نشان سلسلہ کے لحاظ سے اس میں صرف دو سو مخطوطوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر بعض جلدیں اور بیاضیں ایسی ہیں جن میں ایک سے زیادہ شاعروں اور ادیبوں کا کلام اور رسالے موجود ہیں۔ خاصکر آخری مخطوطہ (نمبر ۲۰۰) میں تو پچاس سے زیادہ شعراء کے کلام کا معتدبہ ذخیرہ محفوظ ہے۔

ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانہ کے تعارف کی اب ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی دو جلدوں میں اس کی مختصر سی تاریخ بیان کی جا چکی ہے۔ اور ادارہ کی کارکردگی کی سالانہ رودادوں کے ذریعے سے بھی اس کی خصوصیات منظر عام پر آ چکی ہیں اور ہندو پاکستان کے مصنفین و محققین سالہا سال سے اس کتب خانے سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ مخطوطات کے دو تذکروں کے علاوہ اس کتب خانے کی پانچ ہزار سے زیادہ مطبوعہ کتابوں کی توضیح سے متعلق بھی ایک ضخیم جلد شایع ہو چکی ہے۔ ان مطبوعات میں بھی سیکڑوں ایسی ہیں جو مخطوطات جیسی نادر اور بیش بہا ہیں۔ اور جن میں سے بعض کے نسخے کسی کتب خانہ میں بھی موجود نہیں ہیں۔

ادارے میں مخطوطات۔ مطبوعہ کتب اور رسائل کی جلدوں اور تاریخی کاغذات اور مشاہیر اُردو کے

مخطوط کا روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اس اضافہ کی مناسبت سے ادارے کے موازنہ میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ اس میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان سب کی تفصیلی فہرستیں مرتب کرا کے شایع کی جائیں

پانچ ہزار مخطوطات اور تیرہ ہزار مطبوعات کی فن وار تفصیلی فہرستیں مرتب کرنا اور اس کی کتابت و طباعت و اشاعت کا انتظام آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے اطمینان اور سرمایہ کی ضرورت ہے اور یہ دونوں فی الحال ادارے کو نصیب نہیں ہیں۔

یہ تیسری جلد بھی شاید منظر عام پر نہ آسکتی اگر ساہتیہ اکاڈیمی کی طرف سے اس کی کتابت وطباعت کے اخراجات کی تکمیل میں ادارہ کا ہاتھ نہ بٹایا جاتا۔ اس سلسلہ میں ادارہ ساہتیہ اکاڈیمی کا شکر گزار ہے اور یقین ہے کہ اُردو کے محققین اور اہل علم حضرات بھی اس کی اس اعانت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

ادارے کے قلمی نسخوں اور تاریخی کاغذات کی تفصیلات راقم الحروف بحیثیت معتمد اعزازی اپنی فرصت کے اوقات میں قلمبند کرتا ہی رہتا ہے۔ لیکن ان کو کتابی صورت میں شایع کرنے کے جملہ مصارف ادارہ کا موازنہ برداشت نہیں کر سکتا جس میں اُردو اور ادارے کے مختلف شعبوں کی گوناگوں ضروریات میں سے ہر ایک کے لئے کچھ نہ کچھ رقم شامل کرنی پڑتی ہے۔

اِس جلد کی اشاعت سے اُردو ادب اور شاعری کے بارے میں بعض نئی معلومات حاصل ہوں گی مثلاً

(۱) متعدد ایسے شاعروں کے مجموعوں کی اس میں تفصیلات درج ہیں جن کے کلام تو کجا خود ان کے ناموں اور تخلصوں سے اُردو دنیا اس سے پہلے واقف نہ تھی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

فدوی اورنگ آبادی	دیوان	واجد دہلوی	دیوان
بسمل مدراسی	بیاض	مفتون اورنگ آبادی	دیوان
سیف و انور	دیوان	ملک محمود جوہر	مثنوی جوہر عشق
شہوار	دیوان	اشفاق	دیوان
مظفر	دیوان	متین	بیاض
یعقوب	بیاض	مستعان علی	مثنوی
بہادر اولیا حسینی	مثنوی	خالق	مراثی

(۲) بعض شاعروں مثلاً محب، لکھمن، معزز، مفتون، عاصی دہلوی وغیرہ کے تخلص تذکروں میں ملتے تھے مگر ان کے کلام کے مجموعوں کے بارے میں اُردو دنیا ناواقف تھی۔ حسن اتفاق سے یہ ادارے میں محفوظ ہو گئے۔ اور ان کا ذکر اس جلد میں پہلی بار شایع کیا جا رہا ہے۔

(۳) بعض مشہور اساتذہ کی نئی کتابوں کے مخطوطوں کا حال اس جلد میں درج ہے مثلاً

ملک خوشنود — بازار حسن اور نور نامہ — شمس الدین محمد فیض — شرح الفیض
ملا وجہی — تاج الحقایق کا مرمہ نسخہ — ڈاکٹر احمد حسین مائل — قصاید
ضیاء الدین پروانہ — دیوان دوم

(۴) قدیم اردو نثر کی بعض ایسی کتابوں کا اس جلد میں تذکرہ شامل ہے جن کے باعث اردو نثر کی تاریخ میں اضافہ ہوگا۔ مثلاً

شرح ارشاد نامۂ جانم — تفسیر تنزیل سید بابا
معرفت السلوک شاہ ولی اللہ

(۵) بعض کتابوں کے نسخے ہندستان کے کسی اور کتب خانہ میں اب تک نہیں ملے ہیں اور صرف یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

طالب و موہنی سید محمد والہ موسوی — قطب مشتری ملا وجہی
اصول التواریخ غلام محمود

(۶) بعض نادر تذکرے بھی اس میں شامل ہیں۔ مثلاً

تذکرۂ شعرا شیخ علی حزین — یادگار ضیغم مرمہ نسخہ از ضیغم
تاریخ بزرگاں حسن صبغۃ اللہی — حالات امام المدرسین از رفیع الدین بیدری

(۷) مشاہیر اردو کی بعض ایسی کتابیں ہیں جن پر دوسرے شاعروں یا ادیبوں نے اپنے قلم سے تنقیدی وتحقیقی حاشیے لکھے ہیں مثلاً سراج اللغۃ معہ حاشیہ علی نقی انصاف۔

(۸) بعض ایسے مخطوطے ہیں جن کے ذکر میں حیدرآباد کی علمی اور کلچرل تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ماہ نامۂ جوہر۔ شماذ الآداب منور علی اور تفسیر تنزیل وغیرہ۔

(۹) چونکہ اس جلد میں قلمی کتب خانہ کی صرف ان دو سو کتابوں کی تفصیلات شامل ہیں جو کتب خانہ کے سلسلہ نمبر ۱۰۵ تا ۳۰۰ پر درج ہیں اور ان میں سے بعض کا ذکر اگرچہ جلد اول کے ۲۰۵ اردو مخطوطات کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ تاہم اس جلد کی کتابوں کے سلسلہ میں شامل ہونے کے باعث ان کا بھی مختصر تعارف لکھ دیا گیا ہے اور اس طرح ان کے بارے میں بعض نئی معلومات بھی قلمبند ہوگئی ہیں۔ یہ مختصر تعارف اس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ پہلی جلد اب کمیاب ہوگئی ہے اور نہ معلوم اس کا دوسرا ایڈیشن کب چھپے؟

میں اپنے عزیز شاگرد اور ادارے کے کتب خانہ کے معتمد اعزازی مولوی محمد اکبر الدین صدیقی صاحب ایم۔اے لیکچرار اردو سٹی کالج کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے ازراہ علم دوستی اس جلد کا اشاریہ مرتب

کردیا ہے۔ آخر میں ان اصحاب ذوق کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ادارے کو قلمی نسخے عطا فرمائے۔ چنانچہ ان کے معطیہ صرف ان مخطوطات کی فہرست آئندہ صفحات پر درج ہے جن کا تذکرہ اس جلد سوم میں شریک ہوسکا ہے۔

رفعت منزل ۔ خیرت آباد (حیدرآباد) } سید محی الدین قادری زور

معطیین مخطوطات

ذیل میں صرف ان اصحاب اور مخطوطات کے نام درج ہیں جن کا تذکرہ اس جلد میں کیا گیا ہے۔

۱۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔ اے بی۔ ایڈ

۵۰۳	شرح الفیض	شمس الدین فیض
۵۳۵	انتخابات کلام	سودا، واسطی، ماہر وغیرہ
۵۳۹	کلیات	میر جعفر علی زٹلی
۵۴۴	ذخیرۃ الدارین	محمد حسین لکھنوی
۵۴۵	مراۃ الحقایق	عبدالرحمٰن بن عبدالرسول
۵۴۶	مثنوی	شاہ شرف بو علی قلندر
۵۵۲	نالۂ درد	خواجہ میر درد
۵۵۳	دیوان مظہر	مرزا جان جاناں مظہر
۵۵۵	بیاض کلام	غلام علی بسمل
۵۸۱	جنگ نامہ محمد حنیف	حسن بیگ
۵۹۶	دیوان حفیظ	شیخ محمد حفیظ دہلوی
۵۹۷	دیوان شاداں	مہاراجہ چندو لال
۵۹۸	دیوان سودا	مرزا محمد رفیع
۵۹۹	قصائد سودا	"
۶۱۰	جوہر عشق	ملک محمود جوہر
۶۱۵	رسالۂ فقہ و عقاید	محمد اسمٰعیل عاصی
۶۱۶	عقاید اہل سنت	باقر
۶۲۲	گلشن عشق	ملا نصرتی
۶۲۴	پنچھی باچھا	حکیم ہدایت اللہ وجدی
۶۳۳	رسالۂ نماز	؟
۶۳۴	توشۂ عاقبت	منور بیگم
۶۳۵	مذہب عشق	نہال چند لاہوری

۲۔ مولوی قمر علی مرزا صاحب بارق

۶۹۸	بیاض یقین	غلام محی الدین خاں یقین
۶۹۹	بیاض یعقوب	یعقوب علی یعقوب

۳۔ ڈاکٹر ایم حفیظ سید صاحب الہ آباد

	گنج طلسم مع ترجمہ	شاہ نصرت اللہ دہلی و ڈاکٹر سید

۴۔ نواب میر سعادت علی رضوی صاحب ایم۔ اے

۵۱۶	سحر البیان	میر حسن
۵۱۷	نوبہار عشق	غلام اعز الدین خاں عاجز

۵۔ مولوی سید محمد صاحب ایم۔ اے

۵۲۶	پنچھی اچھا	وجیہہ الدین وجدی

۶۔ محترمہ صغریٰ بیگم صاحبہ ہمایون مرزا بیرسٹر

۵۴۴	مکتوبات و مسودات	شاد عظیم آبادی

تذکرۂ مخطوطات

ادارۂ ادبیات اردو

جلد سوم

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد سوم

فہرست مخطوطات بلحاظ موضوع

(۱) علوم قرآن و حدیث

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۶۳۱	تفسیر سورۂ فاتحہ	سید احمد و مولانا عبدالحی	۱۲۳۰ھ	۲۴۸
۵۲۹	تفسیر تنزیل	سید بابا قادری حیدرآبادی	۱۲۴۰ھ	۵۵
۶۳۱	تفسیر سورۂ یوسف	معین الدین	قبل ۱۲۵۲ھ	۲۵۶

(۲) فقہ و عقاید

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۵۰۵	مرآت المصلی	نامعلوم	قریب ۱۱۵۰ھ	۳۹
۵۱۵ ج	توشۂ عاقبت	منور بیگم	قریب ۱۲۱۴ھ	۴۰
۳۰۲	"	"	"	۲۵۰
۵۶۸	روضۃ الصالحین	غلام حسن مسرور لکھنوی	۱۲۵۰ھ	۴۲
۵۶۹	رسالہ اصول دین	فاضل خاں سرور فیض آبادی	قبل ۱۲۸۰ھ	۴۳
۵۸۱	صبح کا ستارہ	عباس بن ناصر علی جاجموی	۱۲۳۹ھ	۱۴۲
۶۱۵	رسالۂ فقہ و عقاید	محمد اسمٰعیل عاصی	۱۲۵۰ھ	۲۲۸
۶۱۶	عقاید اہل سنت	باقر	۱۲۵۰ھ	۲۲۹
۶۲۰	مفتاح الاحکام	سید محمد قادری	۱۲۲۹ھ	۲۳۵
۶۶۰	کفایت الاسلام	؟	۱۲۰۰ھ	۲۸۳
۶۳۲	رسالۂ رد شرک	سید عبداللہ	۱۲۵۰ھ	۲۴۹
۶۳۳	رسالۂ نماز	؟	"	۲۵۰
۶۳۴	لوح محفوظ	اثر	۱۲۸۲ھ	۲۵۴
۶۴۲	فواید صلوٰۃ تہجد	؟		۲۶۶
۶۴۵	فقہ اعظم	افضل	۱۲۷۳ھ	۲۷۰
۶۶۱	رسالۂ احوال میت	قاضی شمس الدین فیض اودگیری	۱۳۰۰ھ	۲۸۵
۶۶۲ الف	ترتیب النکاح	"	۱۲۵۰ھ	"
۶۶۲ ب	ترتیب نماز	"	"	"
۶۷۰	حقیقت الصلوٰۃ	سید احمد و عبدالحی	۱۲۳۰ھ	۲۸۹
۶۸۵	محرمات شرعی	محمدی	قریب ۱۲۹۰ھ	۳۱۰
۶۸۶	نکاح نامہ	؟	قبل ۱۲۸۰ھ	۳۱۰

(۳) تصوف و عرفاں

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۵۰۲	شرح ارشاد نامہ	میر شاہ برہان الدین جانم	قریب [illegible]	۳۲
۵۵۶	عروس عرفاں (ف)	قاضی محمود بحری	۱۱۱۶ھ	۱۱۱
۵۱۰	من لگن	"	۱۱۱۲ھ	۴۱
۵۵۶	"	"	"	۱۱۱
۵۱۱	پنچھی باچھا	شیخ وجیہ الدین وجدی	۱۱۳۶ھ	۴۲

۵۳۶	پنچھی باچھا	شیخ وجیہہ الدین وجہی	۱۰۴۶ھ	۴۹
۶۲۲	"	حکیم ہدایت اللہ وجہی	"	۳۳۷
۵۳۲	نکھو انجن	شاہ ابوالحسن بن شاہ حبیب اللہ	قبل ۱۰۴۵ھ	۶۲
۵۳۳	"	"	"	۶۵
۵۳۷	امواجِ خوبی	خوب محمد چشتی	۱۰۰۰ھ	۷۱
۵۳۱	مرغوب القلوب (ف)	شمس تبریزی	۷۵۷ھ	۷۸
۵۴۲	شکار نامہ	سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز	۸۲۵ھ	۷۹
۵۴۳	پنج گنج	شاہ برہان الدین جانم	۹۹۰ھ	۸۰
۵۴۵	مرآۃ الحقائق	عبدالرحمٰن بن حاجی		
	ترجمہ گیتا (ف)	عبدالرسول چشتی		۸۳
۵۴۶	مثنوی شاہ شرف (ف)	شاہ شرف بو علی قلندر		۸۵
۵۵۱	مثنویات	شاہ پیر محمد قادری		۹۸
۵۵۲	نالۂ درد (ف)	خواجہ میر درد	۱۱۹۰ھ	۱۰۰
۵۵۵	باغِ ارم	مستعان علی	۱۲۴۴ھ	۱۰۴
۵۶۲	گنجِ طلسم	شاہ نعمت اللہ ولی و ڈاکٹر حفیظ سید۔	قبل ۱۰۰۰ھ	۱۲۴
۵۶۳	ترجمہ معرفت السلوک	شاہ ولی اللہ قادری	۱۱۴۰ھ	۱۲۵
۵۶۶	جامع الاکساب	امین	قبل ۱۲۰۰ھ	۱۳۹
۵۷۰	اعتبارات خمسہ	عاشق دکنی	۱۰۱۲ھ	۱۴۶
۶۰۷	"	"		۲۱۶
۶۴۲	انتخاب منطق الطیر	عطار		۲۶۶
۶۴۳	ریاض العارفین	اسحٰق بیجاپوری	۱۳۰۶	۲۶۷
۶۴۷	رسالۂ وجودیہ (فارسی)	بدیع الدین شاہ مدار		۲۷۳
۶۴۸	ذکر نامہ	مرید شاہ برہان الدین جانم	قبل ۱۱۹۳	۲۷۶
۶۴۹	رسالۂ تصوف دکنی	؟		۲۷۶
۶۵۰۔ ۱	رسالہ درویشی (فارسی)	؟	قبل ۱۱۹۳ھ	۲۷۷
۶۵۰۔ ۲	رسالہ	اشرف جہانگیر		۲۷۸
۶۵۲	مدحِ شاہ میراں جی	کریم	قبل ۱۱۰۰ھ	۲۷۹
۶۵۴	فقر نامہ	کامل مرید رحمت اللہ	قبل ۱۱۹۵ھ	۲۸۱
۶۵۵	گنجِ مخفی	منظم بیجاپوری	قبل ۱۱۰۰ھ	۲۸۱
۶۵۷	چکی نامہ	فاروقی	قریب ۱۱۰۰ھ	۲۸۲
۶۸۰	مجذوب السالکین	سید امین	قریب ۱۲۰۰ھ	۳۰۶
۶۸۲	حبیب المریدین	محمد حبیب علی رضی	۱۳۰۹ھ	۳۰۸
۶۹۳	تاج الحقائق	ملا وجہی	قریب ۱۰۴۵ھ	۳۲۱
۶۹۵	دُرّ الاسرار	مرید سلطان	قریب ۱۱۰۰ھ	۳۲۵
۶۹۶	حق نما (ف)	دارا شکوہ	۱۰۵۵ھ	۳۲۵

(۴) پند و اصلاح و تبلیغ و مناظرہ

۵۰۶	تنبیہ النساء	خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ	قبل ۱۱۹۵ھ	۳۹
۶۶۳	"	"	"	۲۸۶
۶۶۴	"	"	"	۲۸۷
۵۰۷	نجات نامہ	محمد امین ایاغی بیجاپوری	قریب ۱۰۷۷ھ	۴۰
۵۰۸	نور نامہ	شاہ عنایت حیدرآبادی	۱۱۱۱ھ	۴۰
۵۰۹	پند دل بند	علی	قبل ۱۰۹۷ھ	۴۱
۵۱۴	اشارات الغافلین	عاشق اورنگ آبادی	قبل ۱۱۴۳ھ	۴۲
۵۱۵ ب	تحفۃ النصائح	قطب الدین رازی	۱۰۴۵ھ	۴۳
۵۳۸	مرغوبِ دل	سالک عزت نما	۱۲۸۲ھ	۷۳
۵۷۲	شمائل الآداب	مسعود علی	۱۲۸۳ھ	۱۴۸
۵۷۵	احوالِ دوزخ	فیاض الحق	۱۲۵۶ھ	۱۵۳
۶۰۳	پند نامۂ بی بی فاطمہ	؟	۱۲۰۰ھ	۲۱۳
۶۱۲	رسالۂ احوال قیامت	؟	قبل ۱۱۰۰ھ	۲۱۵
۶۱۹	تحفۃ النصائح فارسی و اردو	شاہ راجو و قطب رازی۔	۷۹۵ھ - ۳۵	

۶۲۰	تحفۃ النصائح فارسی و اردو۔	شاہ راجو و قطب رازی	۶۹۵ھ - ۱۰۴۵ھ	۲۲۴
۶۲۹	رسالۂ رد کفر	اسمٰعیل کوکنی	۱۲۶۱ھ	۲۲۶
۶۳۰	رسالۂ آدم فی الحدیث وظیفہ دکنی	؟	۱۲۵۰ھ	۲۲۷
۶۶۵	نصیحت المسلمین	خنعم علی	۱۲۳۸ھ	۲۸۷
۶۵۶	وصیت نامہ	شیخ مصطفیٰ	قریب ۱۲۰۲ھ	۲۸۲
۶۶۳	تنبیہ النساء	خواجہ رحمت اللہ	قبل ۱۱۹۵ھ	۲۸۶
۶۶۴	"	"	"	۲۸۷
۶۶۶	قیامت نامہ	محمد عبداللہ	۱۲۳۹ھ	۲۸۷
۶۶۷	ہدایت المومنین	حسن قنوجی	۱۲۴۳ھ	۲۸۸
۶۶۸	رسالۂ اعمال بد	؟	۱۲۵۰ھ	۲۸۸
۶۶۹	کتاب ہدیٰ	مشتاق	۱۲۵۰ھ	۲۸۹
۶۷۱	رسالۂ جہاد	سید احمد شہید	قریب ۱۲۴۳ھ	۲۹۰
۶۷۲	تقویۃ الایمان	محمد اسمٰعیل شہید	۱۲۳۵ھ	۲۹۰
۶۷۳	ہدایت المومنین (دکنی)	؟	قبل ۱۲۰۰ھ	۲۹۰
۶۷۴	رد وہابیہ	محمد ظہور علی	قبل ۱۲۵۰ھ	۲۹۱
۶۸۳	کشف الحاجۃ	محمد نورالدین چانگوی	۱۲۹۲ھ	۳۰۹
۶۸۴	مفصل المذاہب	؟	قبل ۱۲۷۸ھ	۳۰۹
۶۸۵	مثنوی تعزیہ	بحر	قریب ۱۲۵۰ھ	۳۱۰

(۵) تاریخ و سیر مناقب

(ا) حالات و مناقب نبیؐ عربی

۵۵۰	معارف محمدیہ	بہادر اولیا حسینی	قبل ۱۰۰۰ھ	۹۷
۵۶۷	نورنامہ	خوشی	قبل ۱۱۰۰ھ	۱۲
۵۴۸	بیان معراج	سید ضمیر لکھنوی	۱۲۴۷ھ	۸۸

(ب) حالات و مناقب آل و اصحاب نبیؐ

۵۸۰	جنگ نامہ محمد حنیف	حسن بیگ	۱۰۹۲ھ	۱۶۳
۵۸۱	"	"	"	۱۶۵
۵۰۱	گلشن عزا	یادگار علی خاں حیدرآبادی	قبل ۱۱۰۰ھ	۳۳
۶۱۷	روضۃ الشہدا	ولی ویلوری	۱۱۳۷ھ	۲۳۰
۶۱۸	"	"	"	۲۳۱
۵۱۲	روضۃ الاطہار	نوازش علی خاں شیدا	۱۱۰۳ھ	۴۲
۵۷۹	شاہ نامہ محمد حنیف	شیرن	۱۱۸۵ھ	۱۷۰
۷۰۰(۱)	سلام و مراثی	راجہ لچھمن لال لچھمن	قبل ۱۲۸۰ھ	۳۳۴
۷۰۰(۲)	"	میر محمد علی محب	"	۳۳۹
۷۰۰(۳)	"	رحم علی	"	۳۴۳
۷۰۰(۴)	"	ولی	"	۳۴۶
۷۰۰(۵)	"	معزز خاں معزز	"	۳۴۷
۷۰۰(۶)	"	غیاث الدین غیاث	"	۳۴۸
۷۰۰(۷)	"	بابا شاہ ابراہیم	"	۳۴۹
۷۰۰(۸)	سلام و نوحہ	میر غلام علی احسن	"	۳۵۰
۷۰۰(۱۴)	"	محمد واصل بیگ گشتہ	"	۳۵۱
۷۰۰(۱۵)	سلام و مراثی	میر محمد سعید اورنگ آبادی	"	۳۵۱
۵۷۲(۲)	قصہ حضرت بلال	دلدار علی	قبل ۱۲۸۱ھ	۱۵۳
۵۷۳(۳)	مثنوی فرزندان حضرت مسلم۔	میر احمد علی عصر	"	۱۵۳
۵۷۳(۴)	دائی حلیمہ	غلام امام شہید	"	۱۵۵

(ج) حالات و مناقب محبوب سبحانی

۶۵۳	توصیف نامہ میراں محی الدین	ملا فیروز بیدری	قبل ۹۵۲ھ	۲۸۰

٦٥٨	مدح میراں	شہ میر	قریب ۱۲۰۰ھ	۲۰۳
٥٨٣	کرامت غوث اعظم	فضل	قبل ۱۲۸۱ھ	۱۵۶
٥٨٣ (٥)	مثنوی کرامت محبوب سبحانی	اعظم علی شایق	قبل ۱۲۵۰ھ	۲۱۰

(د) دیگر بزرگان مذاہب کے حالات ومناقب

٦٠٦	تاریخ چار پیر و چہاردہ خانوادہ۔	عاشق دکنی	۱۰۱۲ھ	۲۱۳
٦١٠	مقبول جمہور یعنے تواریخ بزرگاں۔	حسن صبغۃ اللہی	۱۱۳۰ھ	۲۱۷
٦٥٠ (٣)	رسالۂ چہار پیر و چودہ خانوادہ۔	؟	قبل ۱۱۹۲	۲۷۸
٥٠٣	سلسلۂ خلفائے سید شاہ احمد مدار زندہ پوش۔	؟	قبل ۱۲۰۰ھ	۳۷

(۵) سلاطین و امرا علما و شعرا و مقامات کے حالات و واقعات

٤٣٥	تذکرۂ شعرا	شیخ محمد علی حزیں	۱۱۶۵ھ	۲۲۸
٦٩٢	سوانح دکن (ف)	خواجہ منعم خاں	۱۲۰۰ھ	۲۲۰
٥٦٠	ماہ نامہ (ف)	غلام حسین خاں جوہر	۱۲۳۳ھ	۱۱۷
٦٢٦	تواریخ سیر الہند	محمد قادر خاں منشی	۱۲۴۶ھ	۲۴۳
٦٢١	شجرۂ آصفیہ (ف)	بدرالدین خاں تمیز	۱۲۵۲ھ	۲۳۳
٥٢٣	ذخیرۃ الدارین	محمد حسین لکھنوی	۱۲۵۷ھ	۸۱
٥٦٣	یادگار ضیغم	محمد عبداللہ خاں	۱۳۳۳ھ	۱۲۸
٦٢٨	حالات امام المدرسین	محمد رفیع الدین وکیل۔	قریب ۱۳۳۵ھ	۲۵۷

(۶) نظم (دیوان۔ کلیات۔ بیاضیں۔ انتخابات)

٥١٣	دیوان درد	خواجہ میر درد	قبل ۱۱۹۹ھ	۳۷
٥٩١	دیوان درد	خواجہ میر درد	قبل ۱۱۹۹ھ	۱۹۷
٥٩٥	"	"	"	۲۰۲
٥٠٣	بیاض عجز	سید احمد علی خاں عجز شاگرد سوز۔	"	۳۸
٥١٥	دیوان داؤد	مرزا داؤد اورنگ آبادی۔	قبل ۱۱۶۸ھ	۴۳
٥١٩	دیوان یقین	انعام اللہ یقین	قبل ۱۱۶۱ھ	۴۵
٥٢١	"	"	"	۴۶
٥١٩۔ب۔	قصیدۂ فغاں	اشرف علی خاں	۱۱۶۰ھ	۴۵
٥٢٠	دیوان سودا	مرزا رفیع سودا	۱۱۹۳ھ	۴۶
٥٩٠	"	"	"	۲۵
٥٩١	قصاید سودا	"	"	۲۰۵
٥٢٢	انتخاب کلام منور	منور	؟	۴۷
٦٠٠	دیوان کمال	شاہ کمال الدین	۱۲۳۳ھ	۲۰۷
٥٢٤	کلیات انشاء	میر انشاء اللہ خاں	"	۴۷
٥٩٢	دیوان انشاء	"	"	۲۰۱
٥٢٥	بیاض دبیر	سید احمد علی سیف الدولہ دبیر		۴۸
٦٣٣	مراثی	ضمیر۔ دبیر۔ مشیر		۲۴۸
٥٣١	انتخاب غزلیات	میر شمس الدین محمد فیض۔	قریب ۱۲۳۵ھ	۶۱
٥٣٥	انتخاب کلام	سودا۔ واسطی مظہر	۱۱۹۴ھ	۶۹
٥٣٩	کلیات زٹلی	میر جعفر علی زٹلی		۷۴
٥٤٧	قصائد مائل	ڈاکٹر احمد حسین مائل		۸۵
٥٥٣	دیوان مظہر (ف)	مظہر جان جاناں	۱۱۷۱	۱۰۲
٥٥٥	بیاض بسمل	غلام علی بسمل	۱۲۹۲ھ	۱۰۶
٥٥٨	دیوان سراج	شاہ سراج الدین اورنگ آبادی۔	۱۱۵۲ھ	۱۱۳
٥٥٩	کلیات سراج	"	"	۱۱۴

۶۷۹	بازار حسن	ملک خوشنود	قبل ۱۰۳۵ھ	۳۰۲
۵۶۵	گلشن عشق	نصرتی بیجاپوری	۱۰۶۸ھ	۱۳۹
۶۰۹	"	"	"	۲۴۰
۶۲۳	"	"	"	۲۲۷
۵۰۴	رضوان شاہ و روح افزا۔	فائز	۱۰۹۴ھ	۱۰۷
۵۰۳	لال و گوہر	عارف الدین خاں عاجز	۱۱۵۰ھ	۱۰۶
۵۴۹	طالب و موہنی	سید محمد والہ موسوی	قریب "	۹۱
۵۱۴	سرو و شمشاد	سید غلام قادر سامی اورنگ آبادی۔	قبل ۱۱۷۵ھ	۴۳
۵۲۰ ب۔	سوز و گداز	شاہ سراج اورنگ آبادی	قبل ۱۱۷۷ھ	۴۶
۵۱۶	سحر البیان	میر حسن دہلوی	۱۱۹۹ھ	۴۴
۵۱۸	"	"	"	۴۵
۵۹۲	"	"	"	۱۹۷
۶۱۱	قصہ ابو شحمہ	؟	۱۲۰۰ھ	۲۲۵
۶۰۲	قصہ بجمہ	فیض محمد	"	۲۱۲
۶۰۴	چوہے بلی کا قصہ	غلام حسین	"	۲۱۲
۶۳۶	پدماوت (شمع و پروانہ)	عبرت و عشرت	۱۲۱۱ھ	۲۵۳
۵۱۷	نوبہار عشق	مستقیم جنگ ناجی	"	۴۴
۶۸۷	کہانی و قصہ	مودب	قبل ۱۲۳۶ھ	۳۶۱
۶۱۰	جوہر عشق	ملک محمود جوہر	۱۲۴۲ھ	۲۲۱

(۸) نثری قصے

۵۳۶	سب رس	ملا وجہی	۱۰۴۵ھ	۷۰
۶۹۴	"	"	"	۳۴۴
۵۶۱	باغ و بہار	میر امن دہلوی	۱۲۱۷ھ	۱۲۳
۶۳۵	مذہب عشق یا گل بکاؤلی۔	نہال چند لاہوری	"	۲۵۱
۶۸۸	عجائب و غرائب (فارسی)۔	دولت رام	قبل ۱۲۳۶ھ	۳۱۱
۵۴۰	فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور		۶۶

(۹) لغت و قواعد و عروض و انشاء

۶۱۳	اصول التواریخ	حافظ غلام محمود	۱۱۳۰ھ	۲۲۶
۶۱۴	رازق باری	سید محمد والہ موسوی	۱۱۵۰ھ	۲۲۷
۵۲۷	سراج اللغۃ	سراج الدین علی خاں آرزو۔	قبل ۱۱۶۹ھ	۵۰
۵۲۸	رسالہ در قواعد فارسی	عبد الواسع ہانسوی		۵۳
۶۰۱	غزالان الہند (ف)	غلام علی آزاد بلگرامی	۱۱۸۰ھ	۲۰۸
۵۳۰	شرح الفیض	حافظ میر شمس الدین محمد فیض۔	۱۲۲۵	۶۰
۶۰۵	شرح میر شمس الدین	"	۱۲۵۳ھ	۲۱۳
۵۳۳	مکتوبات و مسودات	سید علی محمد شاد عظیم آبادی۔	۱۸۹۶-۱۹۲۶ء	۶۵

(۱۰) علوم و فنون و سائنس

۶۸۱	تعبیر نامۂ خواب	؟	قبل ۱۲۱۱ھ	۳۰۷
۶۲۲	لذت النساء	کوکا پنڈت	۱۲۳۴ھ	۲۳۶
۵۷۸	خلاصۂ علم الارض		۱۲۵۰ھ	۱۴۹
۶۲۷	علم اصطرلاب کروی	رتن لال	۱۲۵۵ھ	۲۳۴

۱۰۵ - گلشنِ عزا از یادگار علی خاں حیدرآبادی

یادگار علی خاں حیدرآباد کے ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ لیکن اِس مرثیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پختہ مشق تھے۔ اگرچہ اِن کا کلام ابھی تک کسی کتاب خانے میں نہیں ملا اور نہ منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ مرثیہ مثنوی کی شکل میں ہے۔ مصنف اور مرثیہ کا نام آخری حصہ میں اس طرح آیا ہے۔

اتمام کر یو سر کی مصیبت کا ماجرا رکھ نام یادگار علی گلشنِ عزا

یادگار علی خاں کا تخلص ان کے نام ہی کا ایک جزو یادگار تھا۔ جیساکہ اس مثنوی کی آخری بیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اے یادگار یاد سوں کر ورد فاطمہ حق فضل سوں کرے گا تیرا خیر خاتمہ

گلشن عزا کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

اے دوستاں مصیبت آلِ عبا سنو خیر النساء کے درد کا یو (یہ) ماجرا سنو
جب سرو ناز پرورِ زہرا کوں کر شہید لے سر کوں قصد شام گیا لشکر یزید
اثنائے رہ میں آلِ نبی پر ہوا سو غم لکھنے کوں اس کی شرح نہیں طاقتِ قلم
کرتا ہوں لاعلاج ہو یو مختصر بیاں جو سر اتھا بدن سوں جدا اس کا داستاں
صحرا نشیں عرب سوں اتھا راہ میں خطر شب خوں کا قافلے کا پڑیا سخت ڈر دیگر

اس مثنوی میں ۱۵۴ ابیات ہیں۔ آخری ابیات یہ ہیں۔

دامن پو اہلِ بیت محمد کے رکھ کے ہات ادکشمکش سوں حشر کے پایا رہ نجات
روشن جبیں و صاحبِ اقبال و نیک بخت اس کو ابھو خدا سوں عطا مغفرت کا تخت
اتمام کر یو سر کی مصیبت کا ماجرا رکھ نام یادگار علی گلشنِ عزا
حسرت تے آہ سرد جو لی کس چمن کے تئیں داغاں دلاں کے پھول ہوئے پھول بن کے تئیں
اے یادگار یاد سوں کر ورد فاطمہ حق فضل سوں کریگا تیرا خیر خاتمہ

اس مخطوطے میں گلشن عزا کو ختم کرتے ہی کاتب نے ایک عربی منظوم دعا لکھنی شروع کی تھی جو ناقص الآخر رہ گئی ہے۔ یہ دعا ان اشعار سے شروع ہوتی ہے۔

بنبی عربی و رسول مدنی وباخیه اسد اللہ مسمیٰ بعلی
وبزهرا بتول وارتها وبامه وبسبطیه وشبلیه هما عین نکی

نہ مصنف کے عہد کی کوئی تاریخ معلوم ہو سکی اور نہ مخطوطہ کی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یادگار قطب شاہی عہد کے آخری شعرا میں سے تھے۔ غالباً عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہوں گے مخطوطہ خط ثلث میں لکھا گیا ہے۔ جو عام طور پر اس دور میں رائج تھا۔

اِس جلد کے آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی یہ تحریر درج ہے جو نواب مرزا سیف علی خاں بہادر ناظم کتب خانہ اِدارہ ادبیاتِ اردو کے نام آج سے ۱۴ سال قبل لکھی گئی ہے۔

"ایک قدیم کشکول سے یادگار علی خاں حیدرآبادی کا مرثیہ گلشن مرزا نکال کر مجلدا مرسل ہے۔ جلد کی ضرورت ہے۔ امید ہے ایماو فرمایئے۔ مخلص عنایت جنگ۔"

اِدارے کی طرف سے اس کی جلد بنوائی گئی ہے۔

تختی ۶×۳۔ اوراق ۸۔ سطور فی ورق۔

۵۰۲۔ شرح ارشاد نامہ جانم بیجاپوری (قبل سنہ ۱۰۵۰ھ)　　تصوف نثر اردو

شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری کی مشہور اردو مثنوی ارشاد نامہ (تصنیف ۹۹۰ھ) کا ذکر تذکرہ اُردو مخطوطات جلد اول کے صفحات ۱۹۔۲۰ پر درج ہو چکا ہے۔ یہ کتاب اِدارے میں نمبر ۲۴ پر موجود ہے۔ زیرِ نظر کتاب اِسی کی شرح معلوم ہوتی ہے جو قدیم اردو نثر میں لکھی گئی ہے۔ اور اِرشاد نامہ کے قریبی زمانہ ہی میں مرتب ہوئی ہے۔ اس کے مولف شاہ جانم ہی کے کوئی مرید یا خلیفہ یا ان کے فرزند شاہ امین الدین اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن کتاب میں کہیں اپنا نام نہیں لکھا۔

اس کتاب میں پانچ جدا جدا رسالے ہیں جن کے موضوع ہیں:۔

۱۔ شریعت۔ ۲۔ طریقت (ورق ۶) ۳۔ حقیقت (ورق ۱۰) ۴۔ معرفت (ورق ۱۱) ۵۔ وحدت (ورق ۱۴)

ہر رسالے میں پہلے ارشاد نامے کی یا اسی کی تقلید میں ابیات درج ہیں اور پھر اردو نثر میں اِس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن و احادیث کی مدد سے وضاحت بیان ہوئی ہے۔

۱۔ ذکرِ جلی۔ پہلا رسالہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"ارشاد نام شریعت کا　　اِس میں فیض ہے رحمت کا
جس کو دیوے پاوے راہ　　کہیا یہی من یشا
فاتحہ ہے فکر کا　　ختم ہے اِس ذکر کا
جن کرے گا سوئے خاص　　اپنے شاہ کا ہوئے داس
اے ذکر ہے جلی نام　　جس کوں کہتے کروں دلم

بسم اللہ ناؤں خدا کا۔ الرحمٰن مہرباں۔ الرحیم بخشنہار۔ او بخشانے ہارا اللہ محمد کے راز۔ ہور رموزکیاں باتاں۔ کسی نا محرم کے انگے نا بولنا۔ بولے تو کافر ہوئے گے سُنیں گے سو دیوانے ہوں گے۔ ان کوں بول کر دیوانے نہ کرنا۔ ہور اپے کافر نہ ہونا۔ جو شرط ہے اس زبان سوں ذکر کرنا۔ اللہ اللہ اتر تے دم میں بولنا۔"

یہ پہلا رسالۂ شریعت یا ذکر جلی اِس عبارت پر ختم ہوتا ہے:۔

"تمام شد ارشاد جلی۔ ظاہر دستا سو واجب الوجود۔ باطن میں سیر کرتا سو ممکن الوجود۔ دونوں کو بسرآتا سو ممتنع الوجود۔ تینوں کو سمجھا سو عارف الوجود۔ چاروں کو دیکھن ہارا سو روح۔ پانچوں کوں جان ہارا سو خدا۔ چھٹے کو ظاہر کرتا سو قدرت۔ ساتوں کو جیتا نہارا سو عشق۔ آٹھوں کوں لذت دینے ہارا سو اللہ ہے۔ یوں جان بوج کر دیکھتا ہے سو بندہ ہے۔ یو پچھانیا سو عارف ہے ہور واصل ہے۔ یوں بوج گیا سو نیک بخت ہے۔ اِس باج سب بدبخت ہے۔ تمام شد۔"

۲۔ذکر قلبی۔ دوسرا رسالۂ طریقت اِس طرح شروع ہوتا ہے۔

ارشاد نام طریقت کا اس میں گنج ہے نعمت کا
بعد از ذکر قلبی لیوے دل میں بوج جتا کوں نادار جگاویں تو منزل ملکوت بوج

قولہ تعالےٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ (الیٰ آخرہ) دوسرے تن کا مراقبہ ہور مشاہدہ ہور معائنہ ہور مکاشفہ ہور مغائبہ۔ دوسرے تن کا مراقبہ یو ہے۔ واجب تن کوں اللہ کے حوالے کر کر ممکن نقش پر نظر کیا سو مراقبہ ہور مشاہدہ یو ہے۔"

یہ رسالہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:۔

"بصیرت وبصارت کے معنا ہے دیکھنے میں دیکھنا۔ یعنے اِس تن میں نورانی تن کوں دیکھنا۔ قلبی ذکر کرے تو شگن گھڑی ملکوت کا رنگ چڑتے دانا ہورہے۔ طالب دانا ہو۔ نرگن ہو کر جنا ہو۔" (ورق ۹ ب)

۳۔ذکر روحانی۔ تیسرا رسالہ اِس طرح شروع ہوتا ہے۔

ارشاد نامہ حقیقت کا ؛؛ اس میں تن ہے ظلمت کا
کرے طالب عاشق ذات ؛؛ نہ پاوے پر ہووے مات
ظلم اندھارا کر دکھرا ؛؛ بحر بو حباب پڑیا
نہیں دستا کر کیتا کوں ؛؛ پیسنے لڑی موتی جوں
اے ذکر ہے روحانی نام ؛؛ جس کوں کہتے کر دوام
اے چینک تو مرشد ننگ ؛؛ میں توں لڑی ایکی رنگ

تیسرے تن کا مراقبہ یو ہے۔ ممکن کے نقش کوں خدا کے حوالے کر کے ممتنع پردے پر رخ کیا سو

مراقبہ ہور مشاہدہ یو ہے۔"

رسالہ حقیقت اس طرح ختم ہوتا ہے۔

"اِس سات شغل سوں متنع الوجود کوں خدا کے حوالے کردیں۔ تا کہ اس میں شیطان داخل نہ ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روحی ذکر تو سگن گھڑی جبروت کا رنگ چڑھے۔ نایب ہور ہے۔ عاشق نائب ہو نرگن ہو کر صاحب ہو۔ (ورق ۱۱ ب)

۴۔ ذکر ستری۔ چوتھا رسالہ معرفت کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

"ارشاد نامہ معرفت کا ٭ اس میں تن ہے وحدت کا
قرب مقام کا ہے ٹھاؤں ٭ اے نقش مالک خالق پایا
ختم ہوا بیان بنداں کا ٭ جنت فرشتے حوراں کا
اے ذکر ہے ستری نام ٭ محبت سیتے کرو مدام

عارف تن کا مراقبہ یو ہے۔ متنع کوں خدا کے حوالے کر۔ عارف کے نقش پر رخ کیا۔ سو مراقبہ ہور مشاہدہ یو ہے۔ عارف کا نقش کر دیکھیا سو مشاہدہ اور معائنہ یو ہے۔"

اس رسالہ ذکر ستری کی آخری عبارت یہ ہے۔

"اے عین یقین ہے۔ نور در نور۔ حضور در حضور۔ نور عین ذات عیاں نہ در زباں و نہ در علم گنجد نہ در بیاں۔ اے حدیث ہے نبی کا قول۔ من کا حرف نقد سوں کھول۔

اے ذکر ہے سری نام ٭ ظاہر باطن ایک کلام
اے ذکر رے تو سگن گھڑی ٭ لاہوت کا رنگ چڑے
بینا ہو رے طالب بینا ہو ٭ نرگن ہو کر جیو نا ہو"

(ورق ۱۳ ب)

۵۔ ذکر خفی۔ پانچواں رسالہ وحدت اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"ارشاد نامہ وحدت کا ٭ اِس میں نور ہے شاہد کا
شاہد ہے اوجا منظور ٭ جس کے نور سوں کل معمور"

یہ آخری رسالہ بہت مختصر ہے۔ اس کا خاتمہ یوں ہوتا ہے۔

ختم ہوا یاں وحدت کا ٭ واجب ممکن متنع عارف کا
عارف تو ہے نور جمال ٭ اس کے نور سوں قدس کمال

ہور گنہتا دونوں چھوڑ ٭٭ ہو کانکتہ ان توں جوڑ"

اس مخطوطہ کا کاتب کم سواد تھا۔ اکثر جگہ املا کی غلطیاں ہیں اور الفاظ چھوڑ دیئے ہیں۔ گیارہویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کتاب مکمل ہے اور چونکہ ۱۰۰۰ھ کے قریب زمانہ کی اُردو نثر ہے۔ اس لئے ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس کی بہت سی عبارتیں معراج العاشقین (منسوب بہ خواجہ بندہ نوازؒ) سے مشابہ ہیں اور اسلوب بیان تو تقریباً ویسا ہی ہے۔

تختی: ۱ × ۲ ۔ ۲۹ سطری ورق۔

یہ مخطوطہ ادارے نے محمد مسیح الدین ادریسی صاحب سے خریدا ہے۔ چنانچہ سرورق پر ان کے دستخط ہیں۔ اور اسی پر انہوں نے اس کا نام رسالہ ذکر جلی مصنفہ شاہ برہان الدین جانمؒ بھی اپنے قلم سے لکھا ہے۔

۵۰۳۔ سلسلہ خلفائے سید شاہ احمد مدار زندہ پوش تذکرہ نثر اردو

شرح ارشاد نامہ ہی کے کاتب نے اس کے ساتھ ہی اردو نثر میں سید شاہ احمد مدار زندہ پوش کے خلفاء کا سلسلہ بیان کیا ہے۔ اور اس میں جو نام لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ہندوستان کے مسلمان فقراء کے نام میں کتنی زیادہ ہندوستانیت سرایت کر گئی تھی۔

اس رسالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید شاہ احمد مدار زندہ پوش کے چار خلیفہ تھے:۔

۱۔ جمن جیتے ۲۔ قاضی مظہر ۳۔ قاضی کرگستانی ۴۔ خواجہ ارغوں

پہلے خلیفہ جمن جیتے کے چھ خلیفہ تھے:۔

۱۔ سدن سرمست ۲۔ حسین رہابلی ۳۔ سید الہداد عرب ۴۔ کنگال بال جیتے ۵۔ آدم دیوانگاں سلطان ۶۔ کرم شاہی۔

دوسرے خلیفہ قاضی مظہر کے خواجہ حمید خلیفہ تھے۔ اور ان کے تین خلفاء جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ سید شاہ راجے ۲۔ یاد گوپال ۳۔ سید کبیور۔

آخری خلیفہ سید کبیور کے آٹھ خلفاء حسب ذیل تھے:۔

۱۔ اللہ دادے ۲۔ مرتضیٰ دین پناہ ۳۔ شاہ جمال دیکھو چلو ۴۔ سید نوروز ۵۔ الٰہی گنیش ۶۔ خاکی بہ پالی ۷۔ ماد اللہ درویش ۸۔ سید عبدالوہاب دادہ۔

اس فہرست کے پہلے بزرگ اللہ دادے کے سلسلہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ سدن سرمست ۲۔ بارماں دریائی ۳۔ شاہ چیتن تونگر لنگھاتی ۴۔ شاہ سن منڈی دیوانگاں ۵۔ شاہ غلام علی برہنہ ۶۔ شاہ حیات علی برہنے وغیرہ۔

سید کبیور کے چوتھے خلیفہ سید نوروز کے خلفاء کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ میراں سید شاہ درویش گوالیاری ۲۔ سید محمد کالمی ترودی ۳۔ حاجی لاغر مست بھٹنڈہ
۴۔ حاجی رتن بھٹنڈہ

اسی طرح جملہ خلفائے سلسلوں کے پیر و درویشوں کے نام اور وطن درج ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور ہندستان کے پیروں پر تحقیق کرنے والوں کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔

طرز کتابت اور تختی وہی ہے جو مخطوط نمبر ۵۰۲ کی ہے۔

۵۰۴۔ بیاض عجز۔ نواب سید امجد علی خاں عجز — غزلیات اُردو

نواب سید امجد علی خاں عجز، غالباً لکھنو کے ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ جو سوز کے شاگرد تھے۔ اس بیاض میں ان کی متعدد غزلیں بلا ترتیب ردیف درج ہیں۔ ابتدائی اوراق میں سات غزلیں لکھنے کے بعد کاتب نے جگہ چھوڑ دی ہے۔ پھر نئے صفحہ پر عنوان "اشعار تازہ تصنیف نواب سید امجد علی خاں تخلص عجز" لکھ کر مزید غزلیں لکھی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بیاض خود عجز کی مکتوبہ ہو۔ ہر غزل کے بعد لفظ ایضاً اور غزل میں عجز کے اوپر علامت تخلص سرخ روشنائی میں لکھی گئی ہے۔ بیاض ناقص الطرفین ہے۔

کلام پختہ اور شگفتہ ہے۔ درمیان میں دو جگہ عجز نے اپنے استاد سوز کا ذکر غزلوں میں اس طرح کیا ہے

صحبت سے تجھے سوز کے یہ فیض ہوا عجز — جو تیری زبان میں یہ فصاحت ہوئی پیدا
الطاف و عنایات و کرم سوز کے ہیں عجز — ورنہ تجھے کہنا تو غزل کوہ کنی تھی

اس ایک شعر سے عجز کے عقائد پر روشنی پڑتی ہے

جس گھڑی ہو عجز تجھے فکر کچھ — کرنے زیارت شہ مردان جا

اس مخطوطے کی ابتداء اس غزل سے ہوتی ہے

یوں غیر ترا لوٹیں مزا اور نہیں تو — ایک بوسہ ہی دے ہم کو بھلا اور نہیں تو
دیکھو آکے بگڑ جاوے گی کہتا ہوں میں ناصح — بس جا بھی کہیں مغز نہ کھا اور نہیں تو

آخری اشعار یہ ہیں:۔

کل کا وعدہ نہ کرو جی میرا بیکل نہ کرو — کل پڑے گی نہ مجھے بھر سے یہ کل کل نہ کرو
زندگی جس سے عبادت ہے سو وہ چیز نہیں — یوں تو کہنے کے لئے کہئے کہ ہاں جیتے ہیں

اس بیاض میں تقریباً ۳۰ غزلیں اور آخر میں کچھ فردیں ہیں۔ اکثر غزلیں سنگل زمینوں میں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً:۔

دونوں عالم سے دل گیا ہے ٹوٹ
نے دن کو چین مجھ کو نہ ہے رات یار بن

مجھ کو اس طرح سے ہے اپنے طرحدار سے ربط
رہے تھا جس کے دہن کے سراغ میں غنچہ
سیر بہ ہے آپ جو ہے بال دگر داب ز شمع
غیروں سے وہاں تجھ کو تو خوش بخشی تھی
یک نقطہ ہم رہی نہ دلدار کے ڈھلتے ڈھلکے

تختی ۱/۴ ۷ × ۱/۴ ۴ - اوراق ٦ - فی ورق ۳٦ شعر۔

۵۰۵ - مرات المصلی - مصنف نامعلوم مسائل دین - مثنوی اردو

اسی کتاب کا ایک اور مخطوطہ ادارے کے قلمی کتب خانہ میں نمبر ۳٦۹ پر محفوظ ہے - اور اس کا تفصیلی ذکر تذکرۂ مخطوطات جلد اول میں صفحہ ۲٦۲ پر شایع ہو چکا ہے - یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے لیکن خط ثلث میں خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے - حاشیہ پر اور درمیان میں دوہری سرخ جدولیں کھینچی گئی ہیں اور عنوان بھی سرخ لکیروں کے درمیان سرخ روشنائی ہی میں لکھے گئے ہیں۔

اس میں ابتدائی چند ابیات غائب ہیں - یہ نسخہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے ؂

درود واں لکھو دم بدم نار دز
محمد پہ ہور آل و اصحاب پر

در بیان کتاب گوید

یو مسلیان کو دکھنی کیا اس سبب
فہم کر کے دل میں کریں یاد سب

فرض ہے نمازی نے پڑھنا اسے
جو تحقیق کر دل میں دھرنا اسے

اس مخطوطے کی آخری ابیات یہ ہیں جو عنوان "شکنندۂ نماز" سے متعلق ہیں:۔

ٹوٹے گا فرض ترک کرنے سے
نجس پر جو سجدہ کرے گا بنے

امام مقتدی غیر تے لیوے بول
ٹوٹے گا بھی اس تے کتا ہوں سچ کھول

تذکرہ جلد اول میں لکھا گیا تھا کہ اس کی زبان ۱۱۷۵ھ کے قریبی زمانے کی ہی ہے - لیکن اب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس سے بھی قدیم تر زمانے کی تصنیف ہوگی - کیونکہ سے کے لئے تے کا استعمال اردو میں بہت ہی قدیم ہے -

۱/۴ ۴ × ۶ - خط ثلث - ورق ۸ - فی ورق ۳٦ ابیات -

۵۰٦ - تنبیہ النساء - خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (قبل ۱۱۹۵ھ) مثنوی اردو

دکن کے مشہور صوفی خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے حالات تذکرہ جلد اول صفحہ ۱۴ پر درج

ہو چکے ہیں۔ ان کی اس کتاب کے مزید پانچ نسخے ادارے میں نمبر ۸۶ - ۱۴۰ - ۱۹۱ ب - ۶۶۳ - ۶۶۴ پر موجود ہیں اور ان کا ذکر جلد اول صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۳ پر لکھا جا چکا ہے۔ اس کتاب کا موضوع خواتین کی اصلاح ہے۔ اس میں معاشرتی اور مذہبی دونوں قسم کی برائیوں کو نہایت سخت اور تلخ الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔ نفس کی خباثتوں اور اخلاق و اعمال کی گندگیوں کو خواجہ رحمت اللہ نے نہایت عریاں اور واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی سختی سے مذمت کی اور مضحکہ اڑایا ہے۔ وہ طنز نگاری میں ماہر تھے۔

یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ خط نستعلیق میں نہایت صاف پاک لکھا گیا ہے۔ عنوانات فارسی ہیں۔ اور سرخ روشنائی میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ یہ ان ابیات پر ختم ہوتا ہے جو "در بیان افعال حرام کے متعلق ہیں" ۔

اوس کو فاتحہ میں ملا دینا ثواب   فاتحہ موقوف کر دینا عذاب

پاک شے دیں فاتحہ دینا نہ توں   بھنگ تماکو اور نجس دھرنا نہ توں

۸½ × ۶ ۔ ۲۰ ورق ۔ فی ورق ۲۶ سطر

۵۰۷۔ نجات نامہ۔ محمد امین ایاغی بیجاپوری (قریب ۱۰۶۷ھ)   مثنوی۔ اردو

محمد امین ایاغی علی عادل شاہ ثانی کے عہد کا ایک شاعر تھا جس نے ۱۰۶۷ھ کے قریب زمانہ میں یہ مثنوی لکھی ہے۔ جس میں عذاب الہی سے ڈرایا گیا ہے۔ اس مخطوطہ میں ۲۵۴ ابیات ہیں اور یہ ۱۲۴۱ھ میں لکھا گیا ہے۔ اس کی نسبت تفصیلات تذکرہ جلد اول صفحات ۴۱ و ۴۲ میں چھپ چکی ہیں۔

۶ × ۸ ۔ خط نستعلیق ۔ اوراق ۸ ۔ ۲۰ سطر فی ورق۔

۵۰۸۔ نور نامہ۔ شاہ عنایت حیدر آبادی (۱۱۱۱ھ)   مثنوی۔ اردو

حیدر آباد کے ایک صوفی شاہ عنایت نے جو حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے۔ ۱۱۱۱ھ میں یہ کتاب اپنی وفات (۱۱۵۵ھ) سے ۴۴ سال قبل لکھی تھی۔ یہ در اصل فارسی نثر کے ایک رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے کتاب زیادہ تر نعت سرور کائنات پر مشتمل ہے۔

اس مخطوطے میں جملہ ۵۲۰ ابیات ہیں۔ سید محمد تراب نے ۱۲۱۳ھ میں بمقام قلعہ مدگل کسی بی بی صاحبہ کی فرمائش پر نقل کیا تھا۔ تذکرہ جلد اول کے صفحات ۴۳ و ۴۴ پر اس کا تفصیل حال درج ہے۔

۸ × ۵ ۔ خط نستعلیق ۔ اوراق ۱۵ ۔ ۲۰ سطور فی ورق۔

۵۰۹ - پند دل بند از علی — مثنوی اُردو

کسی قدیم اُردو شاعر علیؔ کی یہ مثنوی ۱۹۵ ابیات پر مشتمل ہے جس میں بیان کیا ہے کہ خدا کو حاصل کرنے کے لیے تین باتوں کا خیال ضروری ہے۔ (۱) راستی (۲) علم (۳) عمل۔ موخرالذکر دو عنوانات پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے اور اس کا خلاصہ تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل کے صفحات ۴۵ تا ۴۷ پر شایع ہوچکا ہے۔

آخر میں ایک پُر اثر مناجات لکھی ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہوسکا البتہ ایک بیت میں اپنا تخلص اِس طرح استعمال کیا ہے ؎

اگر علم دھرتا ہے کچھ اے علیؔ توں اس پر عمل کر خفی ہور جلی

مثنوی کی سنہ تصنیف کا پتہ نہیں چلا۔ البتہ آخری ابیات میں سُلطان محمّد کا ذکر اِس طرح کیا ہے۔

بدوران سلطاں محمّد جہاں بعون الٰہی اتم البیان

معلوم نہیں کہ سلطان محمّد سے مراد محمّد قطب شاہ (۱۰۲۰ - ۱۰۳۵) ہے یا محمّد عادل شاہ (۱۰۲۵ - ۱۰۶۷)۔ بہرحال کتاب کی زبان بہت پرانی ہے۔ اس تخلص کے شاعر کی مناجات اِدارے میں نمبر ۱۲۶ پر موجود ہے۔ اور اس کا ذکر جلد اول ص۲۳ پر شایع ہوچکا ہے۔

اوراق ۶۔ سطور ۱۰ فی صفحہ۔ تختی ۲½ × ۴½ ۔ خط نستعلیق شکستہ

۵۱۰ - من لگن۔ قاضی محمود بحری (۱۱۱۲ھ) — مثنوی اُردو

قاضی محمود بحری گوگی کے مشہور صوفی قاضی دریا کے فرزند تھے۔ ۱۰۹۵ھ میں بیجاپور آئے اور وہاں کے آخری تاجدار سکندر عادل شاہ کو اپنے علم و اخلاق کا گرویدہ بنالیا۔ زوال بیجاپور کے بعد ۱۰۹۷ھ میں حیدرآباد آئے اور یہاں بھی دو سال رہ کر زوالِ سلطنت قطب شاہیہ کے بعد مدراس کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔

من لگن کے علاوہ اس کا فارسی ترجمہ عروس عرفاں (۱۱۱۶ھ) اور کلیات اُردو بھی اُن کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے حالات اور نمونہ کلام تذکرہ جلد اول صفحات ۵۵ و ۵۶ پر درج ہوچکے ہیں۔ اس مخطوطے میں تقریب ۱۰۰۰ ابیات ہیں۔ جن میں تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کاتب نے اپنا نام اور مقام و سنہ کتابت نہیں لکھا ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں قلمزد کیے ہیں۔

اوراق ۶۱۔ ۲۰ سطور فی ورق۔ ½ × ½

۵۱۱ - پنچھی باچھا - شیخ وجیہ الدین وجدی (۱۱۴۶ھ) مثنوی - دکنی

وجدی صوبۂ اورنگ آباد کے ایک صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے ۱۱۱۵ھ میں فارسی مثنوی گل و ہرمز کا تحفہ عاشقاں کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۱۴۵ھ میں مثنوی باغ جانفزا لکھی تھی۔ اردو غزلیات کا ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا ۱۱۴۶ھ میں شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر کا فارسی ترجمہ پنچھی باچھا کے نام سے کیا جو بہت مقبول ہوا اور جس کے کئی مخطوطے ادارے میں نمبر ۱۵۰/ ۱۵۸ وغیرہ پر محفوظ ہیں۔ اور ان کا ذکر تذکرہ جلد اول میں صفحات ۶۰ تا ۶۲ پر چھپ چکا ہے۔ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ ابتدا میں مالک کتاب شیخ حیدر (۱۱۰۶ھ) کے دستخط ثبت ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو تذکرہ جلد اول ص ۶۲۔

۶ × ۱۰½ ۔ ورق ۸ ۔ ۵۲ سطر فی ورق ۔

۵۱۲ - روضۃ الاطہار - نوازش علی خاں شیدا حیدر آبادی (۱۱۶۳ھ) مثنوی - اردو

شیدا میر نظام علی خاں آصفجاہ ثانی کے بیر بخشی سامان تھے۔ اعجاز احمدی اور روضۃ الاطہار ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ انہوں نے حیدر آباد کے بادشاہی عاشور خانہ کی ترمیم و آبادی میں بڑا حصہ لیا۔ روضۃ الاطہار دراصل بارہ مجلسوں پر مشتمل ہے جو ولی ویلوری کی روضۃ الشہداء کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔

روضۃ الاطہار کے کئی مخطوطے ادارے میں موجود ہیں۔ اس کا یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ اور نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ۔ شیدا اور روضۃ الاطہار اور اس نسخہ کی تفصیل کے لئے دیکھو تذکرہ جلد اول صفحات ۶۵ و ۶۶۔

½۸ × ۶ ۔ اوراق ۲۳۰ ۔ ۳۰ سطور فی ورق ۔

۵۱۳ - اشارات الغافلین - عاشق اورنگ آبادی قبل ۱۱۴۳ھ مثنوی اردو

شاہ نظام الدین ثانی اورنگ آبادی کے ایما پر ان کے مرید عاشق نے یہ مثنوی اصلاح اخلاق و دین کے موضوع پر لکھی ہے۔ اس میں تین ہزار سے زیادہ ابیات ہیں۔ مصنف کے پیش نظر مشہور فارسی کتب جواہر جلالی، زینت المریدین، تذکرۃ الاصفیا وغیرہ رہی ہیں۔ اس نے اپنے کلام میں رومی، جامی اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہ کے اشعار و اقوال توضیح کے لئے پیش کئے ہیں۔ عاشق کا ایک منتخب دیوان بھی ادارے میں نمبر ۲۱۰ پر موجود ہے۔ دیکھو تذکرہ جلد اول ص ۱۶۹

اس مخطوطے اور اس کے مصنف اور شاہ نظام الدین ثانی کے بارے میں تذکرہ جلد اول کے صفحات ۶۰ تا ۷۰ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ عاشق میر بھی عاشق علی خاں عاشق ہیں یا عشق اللہ عاشق۔ دونوں نظام الدین ثانی کے ہم عصر تھے۔

$1\frac{1}{4}$ × ۹ - خط نستعلیق - اوراق ۱۲۵ - ۲۶ سطور فی ورق -

۵۱۴ - سرو و شمشاد - سید غلام قادر سامی اورنگ آبادی (قبل ۱۱۶۵ھ) مثنوی - اردو

سامی اورنگ آباد کے مشہور شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے غالباً عینی کی فارسی مثنوی کو پیش نظر رکھ کر سرو و شمشاد کا یہ قصہ اردو میں منظوم کیا ہے۔ لیکن قصہ کے ضمن میں ۵۰۵ علوم و فنون کی معلومات بھی درج کردی ہیں۔ یہ نسخہ اگرچہ ناقص الطرفین ہے لیکن اس میں ۳۳۵۰ ابیات موجود ہیں معلوم نہیں پوری مثنوی کتنی بڑی تھی۔ اس کا کوئی اور نسخہ کسی اور کتب خانہ میں نہیں ملا۔ یہ مخطوطہ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب نے ۱۳۵۵ھ میں ادارہ کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔ اس مثنوی اور اس کے مصنف اور نمونہ کلام کی تفصیلات کے لئے دیکھو جلد اول صفحات ۷۲ و ۷۳ -

$4\frac{1}{4}$ × $6\frac{1}{2}$ - خط نستعلیق - عنوانات سرخ روشنائی میں - اوراق ۱۸۰ - ۲۲ سطور فی صفحہ -

۵۱۵ - دیوان داؤد - مرزا داؤد اورنگ آبادی (قبل ۱۱۶۰ھ) کلام - اردو

مرزا داؤد اورنگ آباد کے مشہور شاعر ولی کے جانشین تھے اور دکن کے مشاہیر شعراء میں شامل ہیں۔ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ یہ ان کا مکمل دیوان نہیں ہے۔ مولوی تمکین کاظمی صاحب نے اپنے خاندانی کتب خانہ کے دیوان کی نقل سے (جو مشہور شاعر صفی اورنگ آبادی متوفی ۱۹۵۴ء نے کی تھی) اس کو نقل کیا اور ۱۹۳۶ء میں مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو بطور تحفہ دیا۔ انہوں نے راقم الحروف کو ۱۳۵۶ھ میں عطا کیا۔ اور میں نے بعد کو ادارے کے کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے جلد اول صفحات ۳ تا ۷۔

6 × $\frac{3}{4}$ ۴ - خط نستعلیق - اوراق ۱۵ - ۲۶ سطور فی صفحہ -

۵۱۵ ب - تحفۃ النصائح - قطب الدین رازی (۱۰۴۵ھ) قصیدہ - اردو

سید یوسف راجو حسینی کی فارسی کتاب تحفۃ النصائح (۷۹۵ھ) کا اردو ترجمہ ہے۔ جو اسی بحر اور زمین میں کیا گیا ہے۔ اس میں اخلاق و تمدن و مذہب سے متعلق نصیحتیں درج ہیں۔ یہ کتاب

بہت مقبول ہوئی۔ ادارے میں اصل فارسی قصیدہ بھی موجود ہے۔ اور اس اردو کتاب کے بھی کئی نسخے ہیں۔ دیکھو تذکرہ جلد اول صفحات ۳۵ - ۳۶ - ۷۵، ۲۵ و ۲۹۲

یہ نسخہ بھی مولوی تمکین کاظمی صاحب کا نقل کردہ ہے اور دیوانِ داؤد کے ساتھ مجلد ہے۔

تقطیع ۶″ × ۳/۴ ۴″۔ اوراق ۲۰ - ۳۶ سطور فی ورق۔

۵۱۵ ج - توشۂ عاقبت - منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں (قبل ۱۱۱۷ھ) نثر - اردو

منور بیگم کے والد خلیل اللہ خاں ولد اللہ ویردی بیگ خاں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں رامیر اور ترناولی سے صوبۂ کرنول تک حکومت کرتے تھے۔ منور بیگم کو خیال ہوا کہ علم دین کے ضروری مسئلے اور احکام نماز و روزہ و حج و زکات کو قلمبند کرے تاکہ لوگ استفادہ کریں۔ اس لئے انہوں نے توشۂ عاقبت میں یہ مسائل بارہ ابواب کے تحت اردو نثر میں لکھے ہیں۔ ابتدا میں قدیم مثنویوں کی طرز پر مثنوی کی شکل میں حمد و نعت لکھی ہے۔

یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اور مولوی تمکین کاظمی صاحب کا نقل کردہ ہے اور مخطوطات ۵۱۵ و ۵۱۵ ب کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو جلد اول ص۳۔

۶″ × ۳/۴ ۴″۔ اوراق ۴ - فی ورق ۳۶ سطور۔

۵۱۶ - سحر البیان - میر حسن دہلوی ۱۱۹۹ھ مثنوی - اردو

میر غلام حسن حسن (۱۱۴۰ھ تا ۱۲۰۱ھ) اردو کے مشہور مثنوی گو شاعر ہیں۔ ان کا دیوان غزلیات بھی موجود ہے مگر وہ اپنی مثنویوں ہی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔

مثنوی سحر البیان کے کئی قلمی نسخے ادارے میں موجود ہیں اور ان میں سے دو کا ذکر جلد اول صفحات ۹۵ تا ۹۷ پر درج ہے۔

اس نسخے میں ۲۵۰۰ ابیات ہیں۔ اور نواب میر سعادت علی صاحب رضوی نے اس کو بطور عطیہ ادارے میں داخل کیا ہے۔ یہ ۱۲۷۷ھ میں لکھا گیا ہے۔

۱/۲ ۸″ × ۱/۲ ۵″۔ اوراق ۱۵۱ - ۲۰ سطور فی ورق۔

۵۱۷ - نوبہار عشق - غلام اعز الدین خاں مستقیم جنگ ناؔمی ارکاٹی ۱۲۱۱ھ مثنوی - اردو

نامی ۱۱۸۱ھ میں ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ مدراس کے مشہور شاعر اور عالم محمد باقر آگاہ سے تعلیم پائی۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نواب عمدۃ الامراء (۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) نے ملک الشعراء کا خطاب دیا۔

لیلیٰ مجنوں۔ شیریں خسرو۔ وفات نبی۔ قصہ بنارس اور سلیمان نامہ ان کی اُردو تصانیف ہیں۔ ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

زیر نظر مثنوی نامی کی پہلی تصنیف ہے۔ اس میں نظامی کی فارسی مثنوی شیریں خسرو کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ درمیان میں غزلیں بھی لکھی ہیں۔ اس کا تفصیلی ذکر جلد اول صفحات ۹۲ تا ۹۵ میں درج ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۷۰ھ میں لکھا گیا ہے۔ اور نواب سعادت علی صاحب رفعتی کا عطیہ ہے۔

۵½ × ۸½۔ اوراق ۱۷۹۔ ۲۰ سطور فی ورق۔

۵۱۸۔ سحر البیان۔ میر حسن دہلوی ۱۱۹۹ھ — مثنوی۔ اُردو

میر حسن کی مثنوی کا یہ اور ایک نسخہ ہے اور اس کی تفصیل جلد اول صفحہ ۹۰ پر درج ہو چکی ہے۔ اس کو غلام حسین صاحب نے بیدر میں ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا تھا۔ کاتب خود بھی اچھے شاعر تھے چنانچہ انہوں نے آخر میں پندرہ ابیات کا ایک ترقیمہ بھی لکھا ہے۔

۵½ × ۸½۔ اوراق ۸۰۔ ۲۶ سطور فی ورق۔

۵۱۹۔ دیوان۔ انعام اللہ خاں یقین دہلوی (قبل ۱۱۶۱ھ) — کلام۔ اُردو

یقین دہلی کے مشہور اُردو شاعر ہیں جنہوں نے ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۷۰ھ کے درمیان وفات پائی۔ ان کا یہ دیوان بہت قدیم ہے اور اس کی نسبت تفصیلی معلومات جلد اوّل صفحات ۹۷ و ۹۸ پر شایع ہو چکے ہیں۔

یہ نسخہ بھی غلام حسین بیدری نے ۱۲۲۳ھ میں مثنوی میر حسن کے ساتھ نقل کیا تھا۔

۵½ × ۸½۔ اوراق ۲۶۔ ۲۰ سطور فی ورق۔

۵۱۹۔ ب میر اشرف علی خاں فغاں دہلوی (قبل ۱۱۸۶ھ) — نظم اُردو

فغاں (متوفی ۱۱۸۶ھ) محمد شاہ کے کوکا اور آبرو، مضمون، ناجی اور مظہر وغیرہ کے ہمعصر مشہور شاعر تھے۔ یہ ۳۸ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں حضرت علی کی مدح لکھی گئی ہے۔ یہ قصیدہ دیوان یقین کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے۔ کاتب غلام حسین بمقام بیدر ۱۲۲۳ھ۔

۵½ × ۸½۔ اوراق ۲۔ ۲۰ سطور فی ورق۔

۵۲۰ - دیوان ۔ مرزا رفیع سودا (قبل ۱۱۹۴ھ) کلام ۔ اُردو

مرزا رفیع سودا (۱۱۲۵ھ ۔ ۱۱۹۴ھ) کی غزلوں کا یہ دیوان غلام حسین بیدری نے ۱۲۲۳ھ میں
نقل کیا ہے ۔ اس میں سودا کے سات سو اشعار غزل منتخب کیے گئے ہیں ۔ آخر میں دو تین مخمس
اور قصیدۂ مدح بسنت خاں بھی شامل ہیں ۔ سودا کے کلام کے اور مجموعے بھی ادارے میں نمبر ۱۱۶،
۱۲۰ پر محفوظ ہیں ۔

کلام سودا کے بعد کاتب نے اس کے ہمعصر شعرا مثلاً آرزو، فطرت، مظہر، اشتیاق، امید،
یکرنگ، ناجی، کلیم، سجاد، عزلت، حشمت، قایم، عارف، محسن، نیرنگ، میر، تاباں وغیرہ
کی غزلوں کا بھی انتخاب کیا ہے ۔

اس مخطوطے کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۹۹ پر درج ہیں ۔

۸½ × ۴¾ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ ۔ اوراق ۲۸ ۔ ۳۰ سطور فی ورق ۔

۵۲۰ ب ۔ سوز و گداز ۔ شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی (قبل ۱۱۷۷ھ) مثنوی ۔ اُردو

شاہ سراج اورنگ آبادی (۱۱۲۵ھ ۔ ۱۱۷۷ھ) ولی کے مشہور جانشینوں میں سے تھے اور اُردو
کے مشاہیر شعرا میں شامل ہیں ۔ شاہ سراج کی یہ مختصر مثنوی ۵۳ ابیات پر مشتمل ہے ۔
غلام حسین بیدری نے مخطوطہ ۵۲۰ کے ساتھ ہی یہ پوری مثنوی نقل کر دی ہے ۔ اس کی تفصیل
جلد اول صفحہ ۹۹ و صفحہ ۱۰۰ پر درج ہے ۔

۵½ × ۴¾ ۔ اوراق ۲ ۔ سطور ۳۰ فی ورق ۔

۵۲۱ ۔ دیوان ۔ انعام اللہ خاں یقین دہلوی (قبل ۱۱۶۱ھ) کلام ۔ اُردو

یقین اُردو کے مشہور شعرا سے ہیں ۔ ان کا دیوان بہت مقبول ہوا ۔ چنانچہ اس کے کئی قلمی
نسخے ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں اور بعض کا ذکر جلد اول کے صفحات ۹۰، ۱۰۰ پر
گذر چکا ہے ۔

زیر نظر مخطوطے میں یقین کی ۹۸ غزلیں ہیں جن میں سے بعض طویل اور مکمل ہیں ۔ یہ نسخہ
بھی غلام حسین بیدری نے ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا ہے ۔ خط نستعلیق اور پاکیزہ ہے اور اس کی تفصیل
جلد اول میں شایع ہو چکی ہے ۔

۸½ × ۴¾ ۔ اوراق ۲۱ ۔ سطور ۲۶ فی ورق ۔

۵۲۲۔ انتخاب کلام۔ منور (قریب ۱۳۰۰ھ) کلام اردو

یہ کسی شاعر منور کے کلام کا انتخاب ہے لیکن پتہ نہ چل سکا کہ کون تھے۔ ایک شاعر میر منور علی منور کا ذکر قاسم نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ذہین آدمی ہیں۔ منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں مصنف توشۂ عاقبت (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۵ ج) بھی شعر کہتی تھیں مگر یہ کلام ان کا نہیں معلوم ہوتا۔

یہ ناقص الاول اور کرم خوردہ نسخہ ہے۔ اس میں پہلے غزلیں ہیں اور آخر میں ایک مسدس حضرت علی علیہ السّلام کی مدح میں درج ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو تذکرۂ جلد اول صفحات ۱۰۰، ۱۰۱

۵ ½ × ۳ ¾۔ اوراق ۵۔ سطور ۲۴ فی ورق۔

۵۲۳۔ دیوان۔ خواجہ میر درد (قبل ۱۱۹۹ھ) کلام۔ اردو

خواجہ میر درد (۱۱۳۸ھ۔ ۱۱۹۹ھ) اردو کے مشاہیر شعراء اور صوفیا میں سے ہیں۔ یہ ان کے کلام کا ناقص الطرفین نسخہ ہے جو بہت کرم خوردہ ہے۔ اس کے پہلے ورق پر تفضل حسین ۱۳۰۰ھ کی مہر ہے۔ غالباً غلام حسین بیدری نے ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو جلد اول ص ۱۰۱۔

۵ ½ × ۳ ¾۔ خط نستعلیق۔ اوراق ۱۲۔ سطور ۳۰ فی صفحہ۔

۵۲۴۔ کلیات۔ میر انشاءاللہ خاں اِنشاء کلام۔ اردو

میر انشاء اللہ خاں انشاء اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کا یہ کلیات ناقص الاول ہے اور کرم خوردہ ہے۔ اس میں انشاء کی غزلیں، مثنویاں، رباعیاں، قطعے، ہجویں، ہزلیں اور مخمس درج ہیں بہت قدیم مخطوطہ ہے اور بطور بیاض کے تلبند کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو جلد اول صفحہ ۱۰۸۔

۵ ½ × ۵ ½۔ خط شکستہ۔ اوراق ۱۹۰۔ ۸۰ سطور فی ورق۔

۵۲۵۔ بیاض۔ سید احمد علی سیف الدولہ دبیر کلام۔ اردو

اس بیاض میں سید احمد علی دبیر اور مرزا رفیع سودا کی غزلیات اور منتخب قصائد درج ہیں۔ ممکن ہے کہ اس بیاض کا ابتدائی حصہ خود سید احمد علی صاحب کا مکتوبہ ہو اور ما بقی سودا کا۔

سید احمد علی خاں سیف الدولہ پسر سید صلابت خاں کی مدح میں سودا نے قصیدے لکھے تھے۔ چنانچہ کلیات سودا مطبوعہ نولکشور پریس کانپور میں ایسے تین قصیدے صفحات ۱۳۴ تا ۱۴۱ پر

درج ہیں۔ اس بیاض میں سید احمد علی خاں سیف الدولہ کی مدح میں صرف ایک ہی قصیدہ شامل ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

ہم غوش کا ہو دل تو رہے دہر سے تنگ ٭ باور نہیں تو دیکھ کہ نالاں سدا ہے زنگ

یہ بیاض بغیر کسی عنوان کے اس طرح شروع ہوتی ہے۔

"دیا علی مدد۔ لمصنفہ سید احمد علی دبیرؔ"

پہلی غزل کا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

شبنم سے کنی دبیرؔ کی نے کھا ہی نیا گل ٭ اے غنچہ دہن تیرے یہ ہنسنے سے کھلا گل

اب کیجئے بہ تبدیل قوافی غزل ایسی ٭ سب ہنس کے کہیں ہے یہ دبیرؔ (کم خوشتر) ... گل

اس غزل میں جملہ ۱۱ شعر ہیں۔ دوسری غزل نامکمل ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے۔

میں نے ہی نہیں کھائے فقط تیرے او رگل ٭ غنچہ کا بھی دل خوں ہوا اور چاک جگر گل

اس کے بعد سودا کے قصیدہ مدح وزیر الممالک کے آخری ۱۱ شعر ہیں (کلیات مطبوعہ ص۱۱۵)۔ اسی ورق کی پشت پر مدح مہربان خاں کے قصیدہ (کلیات ص۱۴۶) کے ۱۰ شعر لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد ورق ۴ پر وزیر الممالک شجاع الدولہ کی مدح کے قصیدہ (کلیات ص۱۲۰) کے آخری ۱۹ شعر درج ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی قصیدہ در مدح نواب سیف الدولہ کے عنوان سے وہی قصیدہ لکھا گیا ہے جس کا مطلع اوپر درج کیا جاچکا ہے۔

سید احمد علی سیف الدولہ کی مدح کا یہ قصیدہ مکمل ۲۴ شعر لکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی "قصیدہ در سوال و جواب شاہ و گدا" لکھا ہے جو مطبوعہ کلیات کے قصیدوں میں شامل نہیں ہے بلکہ قطعات کے سلسلہ میں ص۱۱۴ پر شروع ہوتا ہے۔

منتخب قصاید کے بعد رباعیات لکھی گئی ہیں جو جملہ ۲۴ ہیں اور ان کے خاتمہ پر ایک مستزاد ہے۔ آخری صفحات پر سات منتخب غزلیں ہیں جو سب ردیف الف کی ہیں اور جو مکمل نہیں بلکہ ان کے منتخب اشعار ہیں۔

اس بیاض کے آخری دو ورق معمولی خط میں کسی اور کاتب نے لکھے ہیں۔ پہلے ورق پر "دو نسخہ از میر بعفر زٹلی مرحوم" کے عنوان کے تحت ایک فارسی نظم ۱۴ شعر کی ہے جس میں قوت باہ کا نسخہ بیان کیا گیا ہے۔

آخری ورق پہ پانچ مہریں ہیں جو ایک ہی سنہ ۱۲۴۰ھ میں کھودی گئی ہیں۔ ان مہروں پر یہ نام کندہ ہیں۔ محمد حسین ولد شیخ لطیف۔ یلا ولد ٹیکو۔ یوشی ولد نرسو۔ نارائن ولد رامنا۔ تمنا ولد ٹیکنا۔ آخر میں "تحریر فی التاریخ پنجم شوال سنہ ۱۲۴۴ھ" ترقیمہ ہے۔ لیکن بیاض دراصل بہت پہلے کی ہے اور

خوشخط نستعلیق میں لکھی گئی ہے۔ تمام عنوان سرخ روشنائی میں اور سودا تخلص اس طرح لکھا گیا ہے جیسا کہ خود شاعر دستخط کرتا ہے۔

۹" × ۲/۱-۴" - ورق ۱۰ - فی ورق ۳۶ شعر۔

۵۲۶ - پنچھی باچھا - وجیہہ الدین وجدی دکنی — مثنوی - اُردو

وجیہہ الدین وجدی دکن کے مشہور صوفی اور شاعر ہیں جنہوں نے دکنی سلطنتوں کے زوال کے بعد بھی دکنی شعر و سخن اور خاص کر مثنوی نگاری کی روایات جاری رکھیں۔ اب تک ان کے دیوان کے علاوہ تین مثنویاں مشہور ہوئیں۔

۱۔ تحفۂ عاشقاں ۔ فارسی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ۱۱۱۵ھ
۲۔ باغ جاں فزا ۱۱۲۵ھ
۳۔ پنچھی باچھا۔ فریدالدین عطار کی منطق الطیر کا ترجمہ ۱۱۴۶ھ

ان کے حالات زندگی مولوی محمد بن عمر صاحب ایم۔ اے نے کتاب وجدی میں شایع کیے ہیں ادارے میں ان کی اس مثنوی پنچھی باچھا کے متعدد مخطوطے موجود ہیں جن میں سے پانچ کا تذکرہ حسب تفصیل ذیل شایع ہو چکا ہے۔

مخطوطہ نمبر ۵۸ - خواجہ امین الدین نے بمقام رسول آباد ۱۲۶۳ھ میں نقل کیا۔ جلد اول ص ۶۱

" " ۱۵۸ - محمد قمرالدین ابن شاہ رحمت اللہ قادری نے ۱۲۶۹ھ میں نقل کیا۔ جلد اول ص ۹۰

" " ۲۲۸ - بہادر بیگ نے ۱۱۶۵ھ میں نقل کیا۔ تذکرہ جلد دوم ص ۴۰۰ - یہ بہت ہی قدیم اور تصنیف سے صرف ۱۹ سال بعد لکھا گیا ہے۔

" " ۴۰۱ - کاتب نے اپنا نام اور سنہ نہیں لکھا۔ کتابت بہت قدیم ہے اور سنہ تصنیف صرف خامہ کتاب سے ۱۱۹۹ھ نکالا ہے۔ جلد اول ص ۱۱۳۔

" " ۵۱۱ - غالباً شیخ حیدر نے ۱۲۰۶ھ سے قبل نقل کیا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ چھٹا ہے اور یہ بھی بہت ہی قدیم ہے۔ خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ حاشیہ پر اور ہر بیت کے درمیان دوہری نیلی لکیروں کا جدول ہے۔ تمام عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ درمیان میں سے دو جگہ چند اوراق غایب ہیں۔ آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ صرف ۱۱۶۳ھ لکھ دیا ہے اور دوسرے نسخوں میں تاریخ کی جو بیت ہے اس میں موجود نہیں بلکہ اس سے قبل کی حسب ذیل بیت پر یہ مخطوطہ ختم کر دیا گیا ہے۔

اس سنے یارب میرا ہوتا ہے کام شکر ہے جے ہوئی پنچھی باچھا تمام

دوسرے مصرعہ کے نیچے ۱۱۶۲ھ لکھا ہے جو غالباً سنہ کتابت ہوگا۔

یہ مخطوطہ مولوی سید محمد صاحب ایم۔اے ریڈر اُردو عثمانیہ یونیورسٹی نے شوال ۱۳۶۳ھ میں ادارے کو بطور عطیہ عنایت فرمایا۔

$\frac{1}{2}6 \times \frac{1}{2}4$ ۔ اوراق ۱۳۱۔ سطور ۱۲ فی ورق۔

۵۲۷۔ سراج اللغۃ۔ سراج الدین علی خاں آرزو (قبل ۱۱۶۵ھ) لغت۔فارسی

سراج الدین علی خاں آرزو (۱۱۰۱ھ تا ۱۱۹۶ھ) آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اور نشو نما پائی۔ گوالیار میں بہ سلسلۂ ملازمت رہے۔ اور بعد میں ۱۱۳۶ھ شاہ جہاں آباد دہلی میں قیام پذیر ہوئے ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ وہ فارسی کے ایک بہت بڑے شاعر، محقق، عالم اور نقاد تھے۔ میر تقی میرؔ انہی کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ اردو میں بھی شعر کہے۔ اور دراصل دہلی میں اُردو شاعری کا آغاز کرنے اور اُس کا ذوق عام کرنے میں انہی نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اردو کے بڑے بڑے اساتذۂ سخن مثلاً میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، نجم الدین شاہ مبارک آبروؔ، شیخ شرف الدین مضمونؔ وغیرہ انہی کے فیض یافتہ تھے۔ اِن کے گھر پر باضابطہ مشاعرے منعقد ہوتے اور اِس عہد کے تمام اہلِ ذوق ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اس زمانے کے جملہ تذکرے خاص کر خزانہ عامرہ، مردم دیدہ، سفینہ خوشگو، گلِ رعنا، مخزن نکات، تذکرہ میر حسن، مجموعہ نغز وغیرہ میں ان کی شخصیت اور خدمات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کی ہمہ گیر شخصیت اس عہد میں بہت زیادہ محترم اور مستند سمجھی جاتی تھی۔

مجموعہ نغز میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا جو مقام علمائے اہل حق میں ہے شعرائے ہندی زبان میں خان آرزو کا وہی درجہ ہے۔ نکات الشعراء میں میر تقی میرؔ نے لکھا کہ:-

"ہمہ استادانِ مضبوطِ فنِ ریختہ ہم شاگردانِ آں بزرگوار اند۔"

محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں لکھا کہ:-

"خان آرزو کو زبان اُردو پر وہی دعویٰ پہنچتا ہے جو کہ ارسطو کو فلسفہ و منطق پر ہے۔"

آرزو نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:-

۱۔ مجمع النفائس۔ فارسی شاعروں کا تذکرہ۔

۲۔ مثمر۔ لسانیات اور قواعد زبان سے متعلق۔ بلند پایہ تصنیف اُردو کے متعلق پہلی لسانیاتی کتاب

۳۔ عطیہ کبریٰ۔ علم بیان پر رسالہ۔

۴۔ موہبت عظمیٰ۔ علم معانی پر رسالہ۔

۵۔ سراج اللغت۔ فارسی لغت جس کی تفصیلات ذیل میں درج ہیں۔
۶۔ چراغ ہدایت۔ فارسی لغت جس میں فارسی لغت نگاروں پر بھی تنقیدیں کی ہیں۔
۷۔ نوادر الالفاظ۔ اردو لغت جس میں عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات کی تصحیح و ترمیم کی گئی ہے۔
۸۔ داد سخن۔ نقد شعر سے متعلق رسالہ۔
۹۔ شرح سکندر نامہ۔
۱۰۔ شرح قصائد عرفی۔
۱۱۔ شرح گلستاں وغیرہ۔

خان آرزو کی سراج اللغت کا یہ مخطوطہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ حیدرآباد کے استاد الاساتذہ حافظ میر شمس الدین فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۰۳ھ) کی فرمائش پر ان کے ایک معتقد اور شاگرد سید احمد نے نقل کیا ہے اور اس کے حاشیہ پر فارسی کے اعلیٰ پایہ شاعر میر علی نقی خاں انصاف ولد نقد علی خاں ایجاد کی ویسی ہی تصحیح و تنقید درج ہے جیسی کہ خان آرزو نے عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات کی نوادر الالفاظ میں تصحیح کی تھی۔ یہ نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پروفیسر اردو لاہور کی تصحیح و تحشیہ و مقدمہ کے ساتھ ۱۹۵۱ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے شایع ہو چکی ہے۔

سراج اللغت میں دو قسم کی لغات سے بحث کی گئی ہے۔
۱۔ وہ الفاظ جن کے معنی مشکل ہیں اور اہل ہند اُن سے واقف نہیں۔
۲۔ وہ لغات جن کے معنی معروف و معلوم ہیں لیکن جو فصحا کا روزمرہ ہونے کی وجہ سے مبہم اور مشتبہ معلوم ہوتے ہیں اس لئے اساتذہ کے اشعار سے ان کی سندیں پیش کی گئی ہیں۔

اس طرح یہ کتاب صرف ہندوستان کے فارسی گویوں کے لئے مفید ہے۔ خود خان آرزو نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ :-

"این نسخہ مفید است مر فارسی گویانِ ہند را نہ زبان دانانِ ایران و توران را"

اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

"اما بعد حمد واضع جمیع لغات و صلوٰت بر افصح و افضل موجودات می گوید فقیر کثیر التقصیر سراج الدین علی آرزو تخلص کہ این ..... کتاب سراج اللغۃ در بیان الفاظ و اصطلاحات شعرائے متاخر کہ داخل ہیچ کتاب لغت مثل فرہنگ جہانگیری و سروری و برہان قاطع وغیرہ نیست و سبب تالیف است کہ چون اکثر ہم معروف مطالعہ کتب جدیدہ فارسی دیدم و معانی بعضے از الفاظ و اکثر اصطلاحات در کتب مذکورہ نیافتم بنا بر چہ اطلاع

دست بہم داد با استادان از اشعار استادان دریں نسخہ درج کردم۔

اس مخطوطہ کے حاشیہ پر جن علی نقی خاں انصاف نے بعض لغات کے معنی و مطلب پر تنقید کی ہے وہ
حیدرآباد دکن میں ١١٥٣ھ میں پیدا ہوئے تھے ۔ وہ اس شہر کے ایک بڑے علم دوست اور صاحب اقتدار
خاندان کے فرد تھے ۔ ان کے والد مرزا علی نقی نقد علی خاں بہادر ایجاد ہمدانی الاصل قوم قاچار سے تھے۔
ان کے والد نقد علی خاں شاہ سلیمان صفوی کے وزیر شیخ علی خاں کے رشتہ دار تھے اور آصفجاہ اول کے
عہد میں دکن آئے تھے اور حیدرآباد کی خدمت دیوانی اُن کے سپرد کی گئی تھی۔ ان کی وفات ١١٣٦ھ کے
بعد ایجاد نقد علی خاں کے خطاب اور حیدرآباد کی دیوانی پر مامور ہوئے ۔ اعلےٰ پایہ کے شاعر اور غلام علی
آزاد بلگرامی کے شفیق دوست تھے ۔ چونکہ فارسی مادری زبان تھی اس لئے زیادہ تر فارسی میں لکھتے
اردو میں بھی ہر صنف سخن میں شعر کہے ۔ ان کا کلیات نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور
ان کے حالات اور نمونۂ کلام ادارے نے مرقع سخن جلد دوم ص ٣٩ ۔ ٤٦ میں نواب میر سعادت علی
رضوی ایم اے سے لکھوا کر شایع کئے ہیں ۔ ایجاد کے تین فرزند تھے ۔ علی نقی خاں انصاف ، عبدی
علی خاں نیر اور باقر علی خاں اختر ۔ یہ تینوں صاحب دیوان اور اچھے شاعر تھے ۔ اور سرکاری عہدوں
اور مناصب پر مامور۔

علی نقی خاں انصاف کی لیاقت و ذکاوت پر خود ان کے والد ایجاد کو فخر تھا ۔ چنانچہ مرزا افضل
بیگ قاقشال نے اپنے تذکرۂ تحفۃ الشعراء میں لکھا ہے کہ ایجاد نے خود ان سے کہا تھا کہ میرا فرزند
فخر خاندان ہے ۔ قاقشال نے انصاف کو طبیعات و الٰہیات میں بے نظیر لکھا ہے ۔ ان سے بہت لوگوں
نے معقولات و الٰہیات میں استفادہ کیا تھا ۔ اکثر اپنے مکان پر مشاعرے منعقد کیا کرتے ۔ لچھمی
نارائن شفیق نے بھی ان میں شرکت کی اور اپنے تذکرۂ گل رعنا میں انصاف کے اوصاف اور لطف
صحبت کا ذکر کیا ہے ۔ وہ ١١٨٠ھ میں اورنگ آباد بھی گئے تھے اور شفیق سے وہاں بھی ملاقاتیں رہی
تھیں ۔ انصاف کی وفات ١١٩٥ھ میں بمقام حیدرآباد ہوئی ۔ ان کا فارسی اور اردو کلام موجود
ہے ۔ حالات اور نمونۂ کلام محبوب الزمن کے صفحات ٢٠١ تا ٢٠٤ پر شایع ہو چکے ہیں ۔
سراج اللغۃ پر انہوں نے جو حاشیہ لکھا ہے اس کی عرصہ تک حیدرآباد میں شہرت رہی ۔ اور
اسی وجہ سے ان کی وفات کے ٦٥ سال بعد حیدرآباد کے استاد الاساتذہ حضرت نیقش نے اس مخطوطہ
کی جس کے حاشیہ پر انصاف نے تنقید لکھی تھی اپنے ایک شاگرد سے نقل کرائی تھی جو اس وقت
پیش نظر ہے ۔

انصاف نے سراج اللغۃ پر کس طرح کے اعتراض کئے اُن کا ایک نمونہ

درجِ ذیل ہے۔

عبارتِ خان آرزو

وحید در تعریف حصار گوید۔ رباعی

چنیں آسیا چشم گندم ندید شدش گرچہ در آسیا مو سفید
بماند اگر زیر ایں آسیا شود شیرۂ روز از شب جدا

بمعنی جائے کہ آسیا در آں باشد چنانکہ مصرعِ دوم بیت اول۔ بمخفی نماند کہ دو لفظ است کہ بمعنی مکان و مکیں مستعمل است یکے قہوہ دوم آسیا یعنی قہوہ خانہ و جائے آسیا استعمال یابد چنانکہ از اہل محاورہ بتحقیق پیوستہ۔

متن ورق ۶ الف

اعتراض انصاف

(اس عبارت کے آخری حصہ میں لفظ جائے آسیا پر علامت کا نشان بنا کر حاشیہ پر لکھا ہے)

تعجب از خان آرزو کہ مابین تخفیف و مجاز فرق نکردہ واز حذف تا اضمار نفہمیدہ۔ چہ مراد از قہوہ قہوہ خانہ از قبل تخفیف است چنانچہ گویند با مام رضا رفتہ بودیم۔ بمعنی بشہید امام رضا۔ ۱۲ ۔ انصاف

حاشیہ ورق ۶ الف

سراج اللغتہ کے اس مخطوطہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے:۔

"یال و کوپال عبارت است از تن و توش و در اصل بمعنی گردن است و تحقیق کوپال در لغات قدیمہ گذشت و شانیاً در کنز و فرشاں مستعمل است ۔میر نجات گوید؎

چہرہ آں ترا ماہ ندارد بخدا
یال و کوپال ترا شاہ ندارد بخدا

ورق ۸۴ الف

یہ نسخہ نہایت عمدہ کاغذ پر بہت ہی خوشخط اور صاف و پاک لکھا گیا ہے۔ جملہ الفاظ لغت اور علامات شنگرف سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ کتابت کی غلطیاں شاذ و نادر ہی ہیں۔ افسوس ہے کہ ادارے کو کرم خوردہ حالت میں دستیاب ہوا۔

اس کتاب کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:۔

"الحمد للہ رب العالمین بحسب الحکم سیدی و مولائی و مرشدی و مکرمی حضرت حافظ سید شمس الدین محمد المتخلص بفیض صاحب مدظلہ العالی بتاریخ دوازدہم شہر جمید الاول سنہ ۱۲۶۰ ہجری بروز جمعہ بوقت چاشت بدست سید احمد در بلدہ حیدر آباد دکن در محلہ علی آباد بقلم آمدہ۔"

فیض گذشتہ صدی میں حیدر آباد کی بہت اہم شخصیت تھے۔ جیسا کہ اس ترقیمے کے الفاب سے ظاہر ہوگا وہ نہ صرف شاعر تھے بلکہ صوفی اور مرشد بھی تھے اور ان کے شاگردوں اور خلفاء کے سلسلے اب تک حیدر آباد میں موجود ہیں۔ ان کے حالات اور خصوصیات محبوب الزمن ' داستان

حیدرآباد اور مرقع سخن جلد اول صفحات ۱۳۴ تا ۱۴۶ میں شایع ہو چکے ہیں۔ اُن کے دیوان اور کتابیں بھی شایع ہو چکی ہیں۔ راقم الحروف نے ان کے اردو دواوین کا انتخاب بعنوان فیض سخن ۱۹۳۷ء میں شایع کیا تھا۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت حیدرآباد میں ویسی ہی باا ثر تھی جیسے ان سے قبل دہلی میں سراج الدین علی خاں آرزو کی تھی۔ ان کا ایک دیوان چشمۂ فیض (۱۲۳۰ھ) انہی کا مکتوبہ ادارے میں بنمبر ۱۳ پر موجود ہے۔ دیکھو جلد اول ص۲۳۳ تا ص۲۳۵۔

سراج اللغت کا یہ مخطوطہ حضرت فیض کی وفات کے بعد مختلف ہاتھوں میں گیا چنانچہ اس کے سرورق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۱۳۲۱ھ میں کسی شخص سلطان خاں کے قبضہ میں تھا اور اس سے محمد احمد اللہ صاحب نے جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ کو خرید لیا۔ محمد احمد اللہ نے جس پر تکلف طریقے سے اپنے دستخط کیے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی کوئی زیادہ لائق یا مشہور آدمی نہ تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

"از سلطان خاں ۵ جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ خرید نمود۔ محمد احمد اللہ"

۹½ × ۶½۔ اوراق ۱۸۴۔ سطور ۲۶ فی ورق۔

۵۲۸۔ رسالۂ در قواعد فارسی۔ عبد الواسع ہانسوی — قواعد۔ فارسی

میر عبد الواسع ہریانہ کے رہنے والے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد میں فارسی میں کئی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر درس و تدریس کی ضرورت کے پیش نظر قلمبند کی تھیں۔ ان کی یہ کتابیں عرصہ تک مکتبوں اور مدرسوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھیں اور بہت مقبول ثابت ہوئیں ان کی تصانیف میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ رسالہ در قواعد فارسی جس کی تفصیلات ذیل میں درج ہیں۔
۲۔ غرائب اللغات۔ اردو زبان کی پہلی لغت۔
۳۔ شرح یوسف زلیخا۔ اس شرح میں بہت زیادہ اور مفید معلومات درج کی ہیں۔
۴۔ حمد باری یا جان پہچان۔ کم عمر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔

ان میں غرائب اللغات اردو زبان کی تاریخ میں نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کے عہد میں شمالی ہندوستان میں اردو زبان کی کیا حالت تھی اور الفاظ کی شکلیں کیا تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شمالی ہند میں زبان اردو تصنیف و تالیف کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھی اور دکن کے اردو ذخیرۂ شعر و سخن سے وہاں کے ادیب اور شاعر نا واقف تھے۔

غرائب اللغات اتنی اہم سمجھی جاتی ہے کہ شمالی ہند کے ایک بڑے استاد سخن اور اردو کے تعمیر کار سراج الدین علی خاں آرزو نے اس کو قابل اعتنا سمجھ کر اس کو اپنی کتاب نوادر الالفاظ

(دیکھو مخطوطہ نمبر ۵۲۷) کی بنیاد اور اساس بنایا۔ یہ کتاب ڈاکٹر سید عبداللہ نے انجمن ترقی اُردو کراچی کی طرف سے نوادر الالفاظ کے ساتھ ۱۹۵۱ء میں شایع کر دی ہے۔

غرائب اللغات کے بعد میر عبدالواسع ہانسوی کی دوسری اہم کتاب رسالۂ در قواعد فارسی ہے جس کا زیر نظر مخطوطہ خاص اہتمام کے ساتھ صاف نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں لکھے ہیں اور جگہ جگہ مشکل الفاظ کے نیچے اُردو ترجمہ بھی درج ہے۔

اِس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

"امابعد کہ ایں رسالہ چند ورق است۔ معدود و مشتمل بر قواعد و ضوابط کلیۂ زبان فارسی کہ فقیر سراپا تقصیر عبدالواسع ہانسوی باستدعائے بعضے دوستاں واثق الاخلاص وصادق الاختصاص از کتب لغت و معانی وغیرہ انتخاب نمودہ۔"

آگے چل کر اس کی ترتیب کے متعلق تشریح کی ہے کہ اس کو ایک مقدمہ اور تیس ابواب اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ کے عنوان کے تحت آٹھ عنوانات ہیں اور ہر عنوان کو مقدمہ قرار دیا ہے۔ اس طرح آٹھ مقدمے ہیں۔

یہ مخطوطہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے :-

"مما کلامے است کہ تقصود متکلم از وے دلالت باشد بر ظروف مکتوبۂ لفظ"

کاتب نے یکایک کتابت روک دی ہے اور نسخہ ناقص الآخر رہ گیا ہے۔

یہ نسخہ مولانا سید علی اصغر بلگرامی مولف مآثر دکن و مرتب حدیقۃ السلاطین جلد اول و سابق صوبہ دار اورنگ آباد نے اِدارے میں ۱۹۵۴ء میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔ اس کے پہلے ورق پر انہوں نے بخط نسخ لکھا ہے "قدکان غیری وسیکون کما کان" اور اس کے نیچے دستخط کر دیئے ہیں۔ دوسرے ورق پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر "کتاب خانہ سید علی اصغر بلگرامی" کندہ ہے۔

۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۵ - اوراق ۱۱۶ - سطور ۲۲ فی ورق۔

۵۲۹ - تفسیر تنزیل - سید بابا القادری الحیدرآبادی ۱۲۴۰ھ　　تفسیر - اُردو

قرآن شریف کی اس اُردو تفسیر کے مصنف سید بابا قادری حقیقی چھوٹے بھائی تھے سید عبداللہ قادری المعروف بہ قطبی صاحب کے جن کے نام سے اب تک ایک محلہ قطبی گوڑہ حیدرآباد میں انگریز ریذیڈنٹ کی کوٹھی سے متصل مشہور و معروف ہے قطبی صاحب اور سید بابا قادری کے والد سید شاہ محمد یوسف قادری ولد سید شاہ محمد عبداللہ قادری نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں ایک صاحب اثر بزرگ تھے۔ چنانچہ سمجھا جاتا ہے کہ مرشد زادہ عالی جاہ نے جو بغاوت کی تھی اس میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔

غلام حسین خاں مصنف گلزار آصفیہ نے ان کو دیکھا تھا اور ان کا بیان ہے کہ :۔

"در عامی مولف بچشم خود دیدہ ۔ بسیار زبان آور و از ہمہ امرار و اہلکاران سرکار ربط تمام داشت۔" (ص ۳۹۸)

شاہ محمد یوسف نے مشرقی فصیل شہر حیدر آباد سے متصل بودلی شاہ (بہبود علی شاہ) کی کھڑکی کے باہر ایک قبرستان بنایا تھا جس میں عزت یار خاں محی الدولہ جیسے معروف اکابر بھی دفن ہوئے ہیں خود شاہ یوسف کا بھی مقبرہ ہے ۔ وہ ۱۲۳۰ھ کے قریب زمانے میں فوت ہوئے ۔

شاہ محمد یوسف مصنف بھی تھے جیسا کہ ان کے فرزند یعنے زیر نظر کتاب کے مصنف نے لکھا ہے لیکن نہ تو گلزار آصفیہ میں ان کی تصنیفات کے نام درج ہیں اور نہ خود سید بابا قادری نے ان کا ذکر کیا ہے ۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ :۔

"علامۃ العصر الجامع بین علوم الظاہر و الباطن وصاحب التصانیف فی المعقول و المنقول والتصوف۔" (ورق ۱ الف)

گویا مصنف مخطوطہ ہذا کے والد نہ صرف مرشد اور عالم بلکہ معقول و منقول و تصوف کی کتابوں کے مصنف بھی تھے ۔

سید شاہ یوسف کے دو فرزند تھے ۔ سید شاہ عبداللہ قادری المعروف قطبی صاحب اور سید بابا قادری ۔ قطبی صاحب بڑے فرزند تھے اور بابا قادری نے انہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا ۔ وہ اس تفسیر تنزیل کی تصنیف کے وقت یعنی ۱۲۴۰ھ میں زندہ تھے ۔

قطبی صاحب اپنے والد کے علاوہ ایک اور بزرگ شاہ خاموش کے بھی خلیفہ تھے ۔ یہ شاہ خاموش صاحب شاہ اسرار اللہ کے مرید تھے اور ہمیشہ خاموش رہا کرتے تھے ۔ درویش خانی و فقیر خانی تھے ۔ ان کا مکان دروازہ چادر گھاٹ کے اندر واقع تھا ۔ اس عہد کے مورخوں نے ان کو شاہ خاموش اول کے لقب سے یاد کیا ہے ۔ (دیکھو محبوب الزمن ص ۴۹۷ و گلزار آصفی ص ۳۸۷) ان کی وفات کے ایک عرصہ بعد حیدر آباد میں بیدر کے ایک اور بزرگ خواجہ سید شاہ معین الدین (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۳۸ھ) شاہ خاموش کے لقب سے مشہور ہوئے جو مکہ مسجد کے عقب میں والان موئے مبارک و قدم شریف میں قیام پذیر رہے اور بعد وفات ناپسلی میں دفن ہوئے ۔ ان کا عالی شان گنبد سر آسمان جاہ امیر پائیگاہ نے تعمیر کرایا جو اب تک موجود ہے ۔ یہ شاہ خاموش بیدری شاعر بھی تھے ۔ ان کا دیوان چھپ چکا ہے اور حالات ادارے کی کتاب مرقع سخن جلد دوم میں صفحات ۹۰ تا ۱۰۰ پر شایع ہو چکے ہیں ۔

قطبی صاحب کے مرشد یعنے شاہ خاموش اول کی نسبت معلوم نہ ہو سکا کہ شعر بھی کہتے تھے یا نہیں البتہ ان کے دونوں فرزند شاہ خاص اور شاہ طبہ شاعر تھے ۔ شاہ خاص کا ذکر گلزار آصفیہ (ص ۴۵۰) اور

محبوب الزمن (صفحہ ۳۹۶) پر موجود ہے۔ وہ اندرون شہر اپنے والد کے مکان کے متصل دروازہ چادر گھاٹ قیام پذیر تھے اور درویشانہ لباس جبہ و دستار و شملہ مشائخانہ استعمال کرتے تھے۔ محبوب الزمن میں لکھا ہے کہ :-

"قدیم بزرگانِ سلف کے طریقہ پر قائم تھے۔ والد ماجد کے مرید و خلیفہ۔ آپ کی شکل و صورت درویشانہ تھی...... خوش مزاج و پاکیزہ طینت تھے۔ شعر عمدہ کہتے تھے۔ نازک مزاج و عالی دماغ تھے"

یہ شاہ خاص سنہ ۱۲۴۰ھ میں یعنے اسی سال فوت ہوئے جس سال کہ سید بابا قادری نے زیر نظر تفسیر تنزیل لکھنی شروع کی تھی۔

شاہ خاص کے چھوٹے بھائی شاہ طٰہٰ کی گلزار آصفی میں بڑی مذمت لکھی ہے کہ آوارہ مزاج تھے اور ہمیشہ بھنگ خانہ میں گذارتے۔ ہر امیر کے یہاں جاتے اور فی البدیہ دو مدحیہ شعر پڑھتے۔ اگر انعام ملتا تو بہتر ورنہ فوراً دو ہجویہ شعر کہہ کر واپس ہوتے۔ اس ڈر سے اکثر امراء فوراً کچھ نہ کچھ دے دیتے۔ مہاراجہ چندو لال کی سرکار سے ان ہر دو بھائیوں کو دو روپیہ یومیہ مقرر تھا۔ ان کی اولاد میں ایک صاحب کشور علی سنہ ۱۲۶۰ھ میں صاحب فہم و قابل ذکر تھے (گلزار آصفی صہ ۲۰۸)

یہ تو قطبی صاحب کے مرشد زادوں کا ذکر تھا۔ خود قطبی صاحب کی اولاد بھی بڑی نااہل نکلی اپنی جائداد مسکش شہزادہ سلیمان جاہ کی سرکار میں رہن کر دی۔ اور آپس میں لڑائی جھگڑے کرتی رہی۔ چنانچہ مؤلف تاریخ گلزار آصفی نے کئی بار مہاراجہ چندولال کے پاس سفارش کرکے اُن کے جھگڑے چکائے مگر یہ لوگ سنہ ۱۲۶۰ھ یعنے تاریخ تصنیف گلزار آصفی کے وقت تک بھی اسی طرح جھگڑ رہے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۲۰۸) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف قطبی گوڑہ کی جائداد غیروں کے ہاتھ میں چلی گئی بلکہ خود قطبی صاحب اور ان کے مرشد شاہ خاموش کے گنبدوں میں سے قبروں کے تعویذ بھی غائب ہوگئے۔ اور ان میں سے ایک تو ولایت حسین نقوی صاحب کے والد بھکاری میاں صاحب کے بنائے ہوئے عالیشان بنگلہ کی دوسری منزل کے نیچے آگیا ہے۔ یہ بنگلہ اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے اور مشہور ہے کہ آسیب زدہ ہونے کی وجہ سے آباد نہیں رہتا۔ آجکل اس میں سرکاری مدرسہ ہے۔ ان گنبدوں کے پاس جو قبرستان ہے وہ اب اہل تشیع کا قبرستان سمجھا جاتا ہے اور اس میں بعد کو ایک عبادت خانہ بھی بنا دیا گیا ہے۔ اس کے وسط میں حضور شاہ سیف الحق اور ان کے فرزند شاہ صدر الدین کے دو علاحدہ گنبد ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر اچھی حالت میں موجود ہیں سیف الدین کا مزار سنگ موسیٰ کا سیاہ مصفے بنا ہوا ہے لیکن اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

۱۹۵۶ء

ا۔ تفسیر تنزیل کے مصنف کی نسبت معلومات کی چھان بین کے سلسلہ میں راقم الحروف نے ۳۰ جولائی

کو مولوی میر مظہر حسین صاحب لکچرار تاریخ چادر گھاٹ کالج کے ہمراہ جب قطبی صاحب اور ان کے مرشد کے گنبدوں کا پتہ چلانے کے لیے محلہ قطبی گوڑہ اور اس کے قبرستان کی چھان بین کی تو گلزار آصفی کے نشاندادہ ان دو گنبدوں کا پتہ چلا لیکن قطبی صاحب کی قبر سے اب اہل محلہ قطبی گوڑہ بھی صحیح طور پر واقف نہیں ہیں بلکہ ایک اور قبر کی نشاندہی کرتے ہیں جو حضرت شاہ سیف الحق اور ان کے فرزند کے گنبدوں کے درمیان ایک سادہ چبوترہ پر واقع ہے۔ حالانکہ آج سے ایک سو دس سال قبل غلام حسین خاں نے صاف لکھا ہے کہ دروازہ چادر گھاٹ کے باہر انگریزی کوٹھی کے متصل دو گنبد ہیں جن میں سے ایک میں قطبی صاحب اور دوسرے میں ان کے مرشد شاہ خاموش مدفون ہیں اور واقعی قطبی گوڑہ میں کوٹھی سے قریب ان دو گنبدوں کے صاف و صریح علامات اب بھی موجود ہیں جو مذکورہ بالا بنگلہ میں شامل ہیں۔ یہ گنبد جڑواں ہیں اور ایک ساتھ تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کا بیس منٹ یا چبوترہ تراشیدہ اور مصفےٰ سنگِ خارا سے بنایا گیا ہے۔ اوپر قطب شاہی وضع کی کمانیں ہیں جن پر گچی میں خوش وضع نقش و نگار خاص اہتمام سے بنائے گئے ہیں۔ چھت گنبد نما ہے اور اندر سے خوبصورت ہے مگر اوپر کے حصے متصلہ بنگلے کی تعمیر کے وقت غالباً مسطح کر دیئے گئے اور کمانوں میں کچی دیواریں اٹھا کر گنبدوں کو کمرے بنا لیا گیا ہے۔

قطبی صاحب کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ زیر نظر کتاب تفسیر تنزیل کی تصنیف ۱۲۴۰ھ کے وقت وہ زندہ تھے اور گلزار آصفی کی تصنیف ۱۲۶۰ھ تک نہ صرف وہ فوت ہو چکے تھے بلکہ ان کی اولاد باہم دگر لڑائی جھگڑوں میں مصروف تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۲۴۰ھ کے بعد ہی کی کسی قریبی تاریخ میں وفات پائی تھی۔

زیر نظر مخطوطے میں ان کا ذکر ان القاب کے ساتھ کیا گیا ہے:۔

"ای الیعنی حضرت سید شاہ عبد اللہ القادری المتعارف بہ قطبی صاحب نفعنا اللہ بہ وعمرہ ان کبیر الاکبر۔"

سید بابا قادری خود بھی ایک بڑے صوفی اور واعظ تھے۔ ان کی وعظ و تدریس کی محفلوں میں کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ ان کے دوستوں میں سے سید لعل شاہ اور سید قلندر بخش (جو سرہند کے متوطن اور حضرت بندگی اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے) اور مرزا مغل بیگ ابن مرزا حاجی محمد صالح بیگ خاں نے ان سے کہا کہ پہلے کے علما نے عربی اور فارسی میں قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندی میں بھی ایک تفسیر آپ لکھدیں۔ اس فرمائش کی بنا پر سید بابا قادری نے نواب سکندر جاہ آصفجاہ ثالث کے عہد میں ذیقعدہ ۱۲۴۰ھ میں اس کام کا آغاز کیا اور اس کا نام تفسیر تنزیل رکھا۔ جو غالباً تاریخی نام ہے اور اس سے تکمیل تفسیر کی تاریخ ۱۲۴۷ھ برآمد ہوئی ہے۔ گویا سات سال میں

انہوں نے پوری قرآن کی تفسیر لکھی اور شاید بعد کو اس کا دیباچہ لکھا جس میں ابتدائی ۱۰ سطریں عربی میں ہیں اور مابقی ۱۰ سطریں فارسی میں۔ انہی سطروں میں سبب تالیف بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ اصل تفسیر اردو میں لکھی گئی ہے جس کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے :-

"اعوذ باللہ پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ نام خدائے تعالے کے من الشیطان بدی اور وسوسے سے شیطان کے۔ الرجیم۔ ایسا شیطان کہ لعنت کیا گیا۔ سورت الفاتحہ۔ بسم اللہ۔ شروع کرتا ہوں میں اس کتاب کتیں ساتھ نام خدائے تعالے کے کہ سزاوار پرستش ہے۔ الرحمٰن۔ بخشنے ہارا۔ الرحیم۔ مہربان۔"

زیر نظر مخطوطے میں صرف پندرہ پاروں کی تفسیر ہے۔ اس کی آخری چند سطریں یہ ہیں :-

" فقتلہ۔ پس قتل کئے اس لڑکے کتیں خضر یعنے ذبح کئے چھری سے یا حلق میں پھانسی دیئے۔ یا دیوار سے اس کے سر کتیں مارے۔ قال۔ کہے موسیٰ۔ اقتلت۔ آیا قتل کئے تم اے خضر۔ نفسا ذکیۃً۔ ایک نفس پاک کتیں۔ بغیر نفس۔ بغیر نفس کے یعنے وہ لڑکا کسی کتیں قتل نہیں کیا تھا کہ اس کے بدلے مارا جاوے۔ بلکہ وہ لڑکا غیر کے قتل کرنے سے پاک تھا۔ بغیر قصاص کے اس کتیں تم مارے۔ لقد جئت۔ البتہ تحقیق لائے تم۔ شیئاً نکرا۔ شے ناپسند کتیں۔"

(ورق ۳۲۰) ——

پوری تفسیر اسی انداز میں لکھی گئی ہے۔ جگہ جگہ ان واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے جن سے متعلق آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ پارۂ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کی تفسیر شروع کرتے ہی معراج کا واقعہ پوری شرح وبسط کے ساتھ لکھدیا ہے جو ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ یہ کتاب بڑی تقطیع پر لکھی گئی ہے اور فی صفحہ ۲۱ سطریں ہیں اور خط باریک ہے۔ اس لئے یہ اردو نثر میں ایک مستقل معراج نامہ بن گیا ہے۔

اس معراج نامہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

"حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی ایک روز آیا تھا اور حضرت سے سوال کیا کہ یا علی میرے تئیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی خبر دیو کہ پروردگار سے ملاقات کیوں کر ہوئی۔" (ورق ۲۹۳ الف)

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام تفصیل سے واقعۂ معراج بیان کرتے ہیں جو ۱۰ صفحوں پر درج ہے۔ آخرکار یہ معراج نامہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے :-

"جس وقت رسول خدا صلعم صبح کو احوال معراج کا بیان کئے تو مومنین تصدیق کئے اور کفار جھوٹائے کہ محمد صلعم آسمانوں پر کیوں کر گئے اور کہتے ہیں کہ میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا اور اس سے

کلام کیا ہے واسطے دوسرے کے یہ بات خلاف عقل ہے۔ پس پروردگار یہ آیت نازل کیا کہ"
(ورق ۳۰۱)

اس کے بعد حسب سابق تفسیر لکھنی شروع کردی ہے۔
اس مخطوطے میں صرف پندرہ پاروں کی تفسیر ہے۔ معلوم نہیں کہ سید بابا قادری نے اس کو مکمل بھی کیا یا نہیں ممکن ہے کہ مابقی پندرہ پاروں کی تفسیر ایک دوسری جلد میں ہو۔
یہ مخطوطہ صاف خفی خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ آیات و الفاظ قرآنی سرخ روشنائی میں بخط نسخ لکھے گئے ہیں۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ ترقیمہ میں صرف یہ عبارت ہے:۔
"تفسیر یا زدہ جزو بتاریخ سیزدہم شہر صفر المظفر ۱۲۵۵ھ باتمام رسید۔"
اس عبارت کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی ایک مستطیل مہر ثبت ہے جس پر "عنایت جنگ ۱۲۴۳ھ" کندہ ہے۔ یہی مہر اس مخطوطے کے پہلے ورق کے حاشیہ پر بھی جانب راست ثبت ہے۔
یہ نسخہ نواب صاحب موصوف ہی کا عطیہ ہے۔
۷½ × ۱۲ – اوراق ۲۲۸ – سطور ۲۲ فی ورق۔

۵۳۰۔ شرح الفیض۔ حافظ میر شمس الدین محمد فیض (غالباً ۱۲۴۵ھ) تجوید۔ فارسی

استاد کل فیض (۱۱۹۵ھ – ۱۲۸۳ھ) کا ذکر ابھی مخطوطہ نمبر ۵۲۰ کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات زندگی راقم الحروف نے ان کے انتخاب کلام فیض سخن میں درج کردیے ہیں جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ ان کی حسب ذیل قلمی کتابیں بھی ادارے میں موجود ہیں جن کا ذکر اس تذکرے کی پہلی دو جلدوں میں آچکا ہے۔

۱۔ چشمۂ فیض۔ ۱۲۳۸ھ جلد اول ص ۲۲۳
۲۔ شرح میر شمس الدین ۱۲۵۳ھ جلد دوم ص ۱۵
۳۔ فیض جاری ۱۲۵۶ھ جلد اول ص ۲۳۴
۴۔ اعمال معما ۱۲۵۶ھ جلد دوم ص ۱۵

ان کی پہلی کتاب متن میر شمس الدین ۱۲۳۵ھ میں تالیف ہوئی تھی (فیض سخن ص ۳۶)۔ اس کا مسودہ غالباً تلف ہوچکا ہے۔ زیر نظر کتاب شرح الفیض ۱۲۳۹ھ میں تالیف ہوئی تھی۔
ان چھ کتابوں کے علاوہ فیض نے حسب ذیل کتابیں بھی لکھی ہیں۔
۷۔ خزانۃ الامثال ۸۔ شمس التعریف ۹۔ شمس النحو ۱۰۔ شرح منظومۂ صرف۔ ۱۱۔ رسالۂ بیان ناسخ و منسوخ۔ ۱۲۔ طریق الفیض ۱۳۔ شرح مأۃ عامل ۱۴۔ شرح کلمۃ الحق۔ ۱۵۔ رسالۂ

مفید در احکام علت و حرمت یہ کتاب قاضی سراج الدین کی فارسی نظم کی شرح ہے جس میں قرأت کے اصول و قواعد بیان کئے گئے ہیں ۔ یہ نسخہ ناقص الاول ہے ۔ ابتدا کا صرف ایک صفحہ غائب ہے اس عبارت سے یہ مخطوطہ شروع ہوتا ہے ۔

"اکثر احبا خصوصاً صاحب الاسرار ہمشیرزادہ سعادت مند ازلی میر دلاور علی حفظہ اللہ تعالیٰ من الہم والغم بشرح منظومہ قاضی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ پرداختم و بشرح الفیض موسوم ساختم۔"

اس کی آخری عبارت یہ ہے ۔

"ہر کلمہ از باب فاء افتعال کہ در موقع فا بودے یا عین وے یکی ازیں سیزدہ حروف واقع شود جائز است کہ تا افتعال را از جنس حروف مذکورہ بدل نمودہ قاعدۂ ادغام جاری نمایند۔"

یہ مخطوطہ خاص اہتمام سے خود مصنف کے لئے ان کے مسودے سے نقل کیا گیا ہے ۔ ہر صفحہ پر سنہری اور نیلی جدولیں ہیں ۔ اصل نظم سرخ روشنائی میں اور شرح سیاہی میں لکھی گئی ہے ۔ خط نہایت عمدہ نستعلیق ہے ۔ آخر میں اس کے کاتب امیر بیگ نے یہ ترقیمہ لکھا ہے :-

"بتاریخ یازدہم شہر ذیقعدہ ۱۲۴۹ ہجری نبوی صلعم شارح ایں کتاب فیض نصاب حضرت مولوی حافظ میر شمس الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ فیض، در اقم ایں احقر العباد امیر بیگ غفراللہ ولوالدیہ حسب فرمایش حضرت موصوف۔"

یہ نسخہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی ۔ اے ۔ بی ۔ ایڈ مدرس مدرسہ گولکنڈہ نے ادارے میں بطور تحفہ داخل کیا ہے ۔

اوراق ۵۳ ۔ ۹ سطور فی صفحہ ۔ ۴½ × ۵"

۵۳۱ ۔ انتخاب غزلیات فیض ۔ میر شمس الدین محمد فیض　　کلام ۔ اردو

حضرت فیض (دیکھو مخطوطہ نمبر ۵۲۰ و ۵۳۰) کے مختلف دواوین سے ان کے منتخب اشعار اس نسخے میں نقل کئے گئے ہیں ۔ یہ انتخاب راقم الحروف نے فیض سخن کے لئے دیکھا تھا جو ۱۹۳۰ء میں ایک طویل مقدمہ کے ساتھ شایع ہوئی ۔ جس میں ان کے حالات زندگی اور خصوصیات درج ہیں ۔ میرے ایک شاگرد اور دوست ڈاکٹر سید ابو الفضل مولف تاریخ ادبیات عربی و ریڈر ادب عربی جامعہ عثمانیہ نے آج سے ۲۰ سال قبل مختلف دیوانوں سے میرے نشان زدہ اشعار کو اس مخطوطہ میں ایک جگہ نقل کیا ہے ۔ اس کا آغاز اور اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے

آغاز : دیکھتے برق تجلی کی شرارت ہم بھی　　کیا کریں داغ جگر ایک بھی روشن نہ ہوا

[illegible]　　دل میں ہوں دیدۂ سوزاں کوئی روزن نہ ہوا

اختتامی شعر۔ مجھ کو آزاد نہ کر قید سے چندے صیاد　　بے پر و بال کہیں بھی کوئی رہا کرتا ہے

موجۂ بادِ بہار چمنستانِ بہشت　　مشہدِ فیض پہ جاروب دیا کرتا ہے

آخری صفحہ پر کاتب نے اس طرح دستخط کئے ہیں۔

"سید ابو الفضل۔ ۵ ؍ اسفندار ۱۳۳۵ف۔ باغ زمی۔ چھاؤنی نادعلی بیگ"

صفحات ۱۰۲۔ $7\frac{1}{2} \times 5$۔ خط نستعلیق۔ روشنائی نارنجی۔

۵۳۲۔ سُکھ انجن۔ از شاہ ابو الحسن بن شاہ حبیب اللہ قبل ۱۰۴۵ھ　　اُردو مثنوی تصوف

یہ تقریباً ۴۰۰ چارسو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں دکن کے ایک مشہور طفلانہ کھیل آنکھ مچولی کے ذریعہ سے تصوف کے اعلیٰ مسائل سمجھائے گئے ہیں۔ اس کے مصنف بیدر کے مشہور صوفی شاہ ابو الحسن بن شاہ بدر الدین حبیب اللہ تھے جو ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں اپنے وطن سے بیجاپور منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۱۰۴۵ھ میں فوت اور دفن ہوئے۔

یہ مثنوی اس لحاظ سے اہم ہے کہ دکن کی چند قدیم ترین مثنوی میں سے ہے۔ اور اس کا کوئی اور نسخہ اب تک کسی کتب خانہ میں نہیں ملا۔ اور نہ یہ معلوم تھا کہ شاہ ابو الحسن جو اپنے عہد میں صاحبِ تصرفات بزرگ اور مرشد کامل سمجھے جاتے تھے۔ اُردو کے شاعر بھی تھے۔

اس مثنوی کے آخری حصہ میں شاہ ابو الحسن نے اپنا اور ابتدائی حصہ میں اپنے والد کا نام درج کیا ہے اپنا نام بطور تخلص اس طرح لائے ہیں۔

بھومر کھیل جب کھلاؤ پیارے　　ابو الحسن کوں بلاؤ بارے

اس سلسلہ میں پانچ اور بیتیں لکھی ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں ؂

نام اس کا رکھ سکھ انجن　　نینوں میں رکھ ابو الحسن　　(ورق ۱۴ و)

ابو الحسن نام کے کئی اور بزرگ دکن میں گزرے ہیں لیکن یہ کون سے ابو الحسن تھے اس کا پتہ اس طرح چلا کہ اس مثنوی کے ابتدائی حصہ میں اپنے والد اور مرشد کا نام بھی دو جگہ لے آئے ہیں۔

پہلے ورق کے آخری حصہ میں لکھتے ہیں ؂

حبیب اللہ پیارے چپ ہپ آوے　　وائی اپنے کوں چھاپ چھاپ جاوے

اس کے بعد دسویں بیت میں پھر لکھتے ہیں ؂

دھوم اچاون ہارا یو　　شاہ حبیب اللہ پیارا ہو

ان شاہ ابو الحسن کے حالات تذکرۂ اولیائے دکن میں عبد الجبار خاں نے دو جگہ صفحات ۴۹ و ۴۰ میں درج کئے ہیں۔ انہوں نے ایک ہی بزرگ کو دو علیحدہ شخصیتیں سمجھ لیا اور ایک جگہ تذکرہ روضۃ الاولیائے

بیجاپور سے حالات اخذ کئے اور دوسری جگہ تذکرۂ مکاشفہ سے شاہ ابوالحسن کے حالات صحیفۃ الہدیٰ میں بھی درج ہیں۔ شاہ ابوالحسن حضرت محبوب سبحانی محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کی اولاد میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ ابوالحسن بن شاہ بدرالدین حبیب اللہ بن شاہ عبدالقادر یوسف بن شمس الدین عارف بن سید یونس ثانی بن سید عبدالرحمن بن حاجی سید یوسف بن سید حسین بن سید محمد المعز بن سید محی الدین نصر بن سید محی الدین ولی صالح بن سید تاج الدین عبدالرزاق۔

ان کے دادا سید عبدالقادر یوسف بغداد سے دکن آئے اور بیدر میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے فرزند بدرالدین حبیب اللہ قادری بیدر کے مشاہیر شیوخ سے تھے۔ شاہ ابوالحسن انہی کے فرزند تھے اور ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے عہد میں بیدر سے ہجرت کرکے بیجاپور چلے گئے۔ وہاں بادشاہ نے ان کی قدر ومنزلت کی اور متعدد آزمائشوں کے بعد ان کا معتقد ہوگیا۔ ایک آزمائش ایک جوگی کے مقابلہ میں کی جس کی تفصیل تذکرۂ اولیائے دکن کے صفحات ۹۴ و ۹۵ پر درج ہے اور دوسرا واقعہ ابراہیم عادل شاہ کے ایک بہادر درباری شیخ اسرائیل کے مقابلہ اور اس کے معتقد ہونے سے متعلق ہے۔ جس کی تفصیلات تذکرہ اولیائے دکن کے صفحات ۴۹ تا ۵۱ اور ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور مطبوعہ ۱۳۱۴ھ کے صفحات ۷۶ تا ۷۸ میں لکھی گئی ہیں۔

ابراہیم عادل شاہ کے تعلق سے شاہ ابوالحسن کا ایک اور واقعہ تذکروں اور تاریخوں میں درج ہے کہ بادشاہ کی ایک لڑکی فوت ہوگئی تھی اور وہ اس کے غم میں امور سلطنت سے بےزار اور متنفر ہوکر اپنی لڑکی کی قبر کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ ارکان دولت کی جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو وہ شاہ ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب اس قبر پر پہنچے اور اردو میں فرمایا کہ "اندر جھک جھک باہر جھک جھک"۔

بادشاہ نے مطلب دریافت کیا تو کہا کہ تو نے قبر کو باہر سے آراستہ کیا ہے مگر اندر جو آگ دہک رہی ہے اس کا کچھ انتظام نہیں کیا۔ یہاں بیٹھنا مفید نہیں ہے۔ اٹھ اور لڑکی کی مغفرت کیلئے خیرات و صدقات کا انتظام کر۔

یہ سن کر بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور محل میں پہنچ کر خیر خیرات کا انتظام کیا۔

شاہ ابوالحسن نے ۱۴ ربیع الثانی ۱۰۳۵ھ میں رحلت کی اور بیجاپور کے اللہ دروازہ کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر پر سایہ دار چوکھنڈی بنائی گئی اور یہ بیجاپور کی مشہور درگاہوں میں شامل ہے۔

شاہ ابوالحسن کی اولاد کی تفصیلات ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور میں درج ہیں۔ ان کے پانچ فرزند تھے۔ بڑے سید عبدالقادر ان کے جانشین ہوئے تھے۔ وہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۰۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند شاہ ابوالحسن ثانی سکندر عادل شاہ کے عہد میں موجود تھے۔ خازنِ سلاسل قادریہ ان ہی کی تالیف ہے۔

انہوں نے ۱۱۳۲ھ میں وفات پائی اور موضع گنگال میں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد موضع ہٹی تعلقہ سندھگی، موضع حسین پور تعلقہ مانوی، جیپر اور بیجاپور میں ۱۳۱۴ھ تک موجود تھی اور ان سب کی تفصیلات ترجمہ روضۃ الاولیاء میں موجود ہیں۔

شاہ ابوالحسن کی زیر نظر مثنوی کا انجن کا دوسرا نام "آنکھ مچانی" بھی ہے اور اس مخطوط کے پہلے ورق کی پیشانی پر دونوں نام لکھے ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

آؤ مرے پیارے کھیلیں آؤ ٭ کھیلوں میں کچھ کھیل بناؤ
کھیل میں ایسا کھیل ہووے ٭ پیہ من کا میل ہووے
جس کوں یوں کھیل ہوے گا ٭ پیو کی مارگ بوجے گا
یو کھیل ہمارا ہے لوگو ٭ آپ کو آپس میں دیکھو
وہ من ات شیا ہے ٭ اگر ذکر حضرت کے
من میں چھپنے سپنے میں ٭ دستار ہے اوچھپنے میں
جس چھپنے میں چھپنا ہوے ٭ چھپنا اس کا سپنا ہوے
سپنا اپنا تپنا جان ٭ تپنا جپنا چھپنا جان
جھوٹ موٹ کھیلیں یچ مچ ہوے ٭ سچ پچ کھیلیں برلا کوے
کھیلیں آؤ پیارے کھیل ایسا ٭ نام وو جگ میں رہے ویسا
چھپنے چھپنے کا سو کھیل ٭ آنکھ مچانی کرو ایسا کھیل

اسی طرح پوری مثنوی لکھی ہے۔ درمیان میں حکایتیں اور ایک پہیلی بھی لکھی ہے۔ حکایتوں میں بایزید بسطامی اور شاہ شرف یحییٰ منیری کا ذکر ہے۔

آخری ابیات یہ ہیں ؎

نکتہ بس ہے کامل کوں ٭ دفتر بس نیں جاہل کوں
اپنی حجت در کرتا ٭ ابلیس شیتی یاں دھرتا
جس کا ابلیس ہادی ہے ٭ اس کوں حجت شادی ہے
ہر ایک کا اوپکڑے عیب ٭ معیوب ہے اوسچ لاریب
جے کوئی عیب میں عیب کوں پائے ٭ عارف کامل او کہلائے
تمثیل اس کی کلام اللہ ٭ دیتا ہے او آپ گواہ
یسمعون القول کیتا ٭ فیتبعون احسنہ اپنا
یعنے سنول کوئی بات یک کرنا ٭ تبیعت کرنا بی کی سوں

اولٰئک الذین پڑا کا جواب ٭ واولٰئکہم اولوالالباب
وہ لوگ حق کی رہ کوں پائے ٭ گمراہوں کو رہ بتلائے
بس ہے یاد یہ اللہ نام ٭ بحق محمد علیہ السلام

یہ مخطوطہ ۱۱۹۱ھ میں لکھا گیا ہے۔ اور اہتمام کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ عنوانات اور عربی آیتیں سُرخ روشنائی میں لکھی گئی ہیں۔ حاشیہ پر بھی قرآن شریف کی آیتیں، حدیثیں، مثنوی مولانا روم کی ابیات وغیرہ کثرت سے لکھی گئی ہیں۔ یہ سب متن کی اردو ابیات کی تشریح اور توضیح کے لیے قلمبند ہوئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے اپنے بیانات کی وضاحت کے لیے حاشیہ لکھا تھا اور کاتب نے اسی کے نسخہ سے نقل کیا ہے۔

اس مخطوطہ کا ترقیمہ یہ ہے:۔

"میر محمد علی عرف پیر بادشاہ خادم خبات حضرات بتاریخ چہارم روز پنجشنبہ شہر ذیقعدہ ۱۱۹۱ھ ہجری تحریر یافت بموجب فرمایش اسد محمد خاں سلمہ اللہ تعالےٰ۔"

اوراق ۱۴۔ کہیں ۱۳ اور کہیں ۱۵ ابیات فی صفحہ۔ ۵ × ۹½۔

۵۳۳۔ شگُ انجن از شاہ ابوالحسن قبل ۱۰۴۵ھ — مثنوی تصوف

کتاب ۵۳۲ کا ایک اور نسخہ ہے۔ جو اس سے ۱۹ سال بعد ۱۲۱۰ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ زیادہ صاف ہے اور اس میں وہ تمام آیات واحادیث وغیرہ خود متن ہی میں لکھی گئی ہیں جو نسخہ ۵۳۲ میں حاشیہ پر درج ہیں۔ اس میں بھی عنوانات اور عربی وفارسی تحریریں سُرخ روشنائی میں لکھی گئی ہیں۔

اس مخطوطہ کے آخر میں یہ ترقیمہ درج ہے:۔

"تمام شد بتاریخ ششم ماہ ذیحجہ ۱۲۱۰ھ ہجری شریفہ معظم۔"

کاتب نے اپنا نام اور مقام کتابت وغیرہ کچھ نہیں لکھا۔

اوراق ۱۰۱۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۵ × ۹½

۵۳۴۔ مکتوبات ومسودات۔ سید علی محمد شاد عظیم آبادی — خطوط ومنظومات اردو

سید علی محمد شاد عظیم آبادی (۱۲۶۲ھ۔ ۱۹۲۷ء) ولد سید عباس مرزا اُردو کے ایک بہت بڑے شاعر مرثیہ گو اور محقق تھے۔ اُردو نثر میں بھی کئی کتابیں لکھیں جن میں سے حیات فریاد کے سوا دوسری غالباً شایع نہیں ہوئیں جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:۔

فکر بلیغ ۲۹۶ صفحات
تاریخ بہار ۸۰۰ صفحات
مصطلحات تازہ ۱۶۰ صفحات

معلوم نہیں کہ ان کے مسودات اب بھی محفوظ ہیں یا نہیں۔ ان کے کلام کا ایک مجموعہ ۱۳۴۱ھ میں سید سلیمان ندوی مرحوم کے مقدمہ کے ساتھ شایع ہوا جس میں انہوں نے شاد کو اپنے دور کا میر ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ :-

"اس لئے شاد کو اس دور سخن کا میر کہا جائے تو بالکل بجا ہے"

کلام شاد حصہ اول کی اشاعت کے تین سال بعد شاد کے ایک شاگرد سید معین الدین احمد قیس رضوی عظیم آبادی نے ان کے حالات زندگی پر ایک چھوٹی سی کتاب گلشن حیات (۱۳۴۴ھ میں) شایع کی۔ اس کے ۱۱ سال بعد راقم الحروف نے شاد کے ۶۰ خطوط جو حیدر آباد کے ایک بیرسٹر سید ہمایوں مرزا حقیر اور ان کی مشہور شاعرہ اور ادیب بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا کے نام موسوم ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں مرتب کر کے مکتوبات شاد عظیم آبادی کے نام سے ۳۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب میں شایع کئے اور اس کے مقدمہ میں شاد کے مختصر حالات اور خصوصیات درج کئے۔ اسی زمانہ میں رسالہ شاہکار لاہور بابت ستمبر ۱۹۳۰ء میں سید عابد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی کا ایک مضمون شاد پر شایع ہوا جو حیات شاد کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر راقم الحروف نے حیات شاد لکھنے کا جو ارادہ کیا تھا اس کو ترک کر دیا۔ لیکن پھر معلوم نہ ہو سکا کہ عابد علی صاحب کی حیات شاد چھپی یا نہ چھپی۔

شاد نے آخر عمر میں اپنے استاد سید الفت حسین فریاد کے حالات زندگی مرتب کئے لیکن اس کتاب کو چھپا ہوا دیکھ نہ سکے بلکہ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید حسین خاں صاحب نے سید سلیمان ندوی مرحوم کے اہتمام سے اس کو شایع کرایا۔

زیر نظر مخطوطے کی ابتدا میں شاد کے اصلی خطوط ہیں جو ۱۵ر اکتوبر ۱۸۹۶ء سے ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۶ء کے درمیانی تیس سالہ زمانے پر مشتمل ہیں۔ ان میں زیادہ تر خطوط حیات فریاد کی ترتیب کے سلسلہ ہی میں لکھے گئے ہیں اور بہت طویل اور دلچسپ ہیں۔ خطوط کیا ہیں معلومات کی ایک بحر بیکراں ہے۔ ادب اردو کی تاریخ لکھنے والے ان کے مطالعہ سے ایسی ایسی ضروری اور نایاب معلومات اور مواد حاصل کریں گے جو اردو کے کسی اور ادیب کے خطوط یا تذکرہ یا تاریخ میں نہیں مل سکتا۔ بعض خط تقریباً بیس بیس صفحات پر مشتمل ہیں لیکن ان میں بعض باتیں محض تعلی اور مطلب براری کی خاطر لکھی گئی ہیں اور ان کی صحت و صداقت میں شبہ ہے۔ البتہ ان کے مطالعہ سے عظیم آباد کے علمی و ادبی ماحول اور وہاں کے بعض شریف اور متمول خاندانوں کی نسبت تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ مرثیہ نگاری اور لکھنؤ کے مشہور مرثیہ

نگاروں کے بارے میں شاد نے جو پتہ پتہ کی باتیں لکھی ہیں وہ کہیں اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ ان میں بھی بہت زیادہ تعلّی سے کام لیا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ کے اکثر خطوط راقم الحروف کی مرتبہ کتاب مکتوبات شاد عظیم آبادی میں شایع ہو چکے ہیں۔ مکتوب نمبر ۶۰ سے قبل اس مخطوطے میں ایک طویل فارسی مثنوی درج ہے جو شایع نہیں ہوئی ہے۔ اس مثنوی کی لوح پیشانی پر شاد نے یہ عبارت لکھی ہے:-

"اشعار بطور مثنوی متعلق دیباچہ دیوان مشتمل بر مناجات و پند ہائے بیروانہ رہ نمائے دین و دنیائے فقیر شاد قبلہ و کعبۂ ہر دو جہاں عالی حضرت مولانا و سیدنا جناب سید شاہ الفت حسین جنت مکاں متخلص بہ فریاد عطر اللہ رمسہ رئیس۔ بلدہ پٹنہ عظیم آباد"

یہ مثنوی ۱۱۵ ابیات پر مشتمل ہے اور اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

گریبا بر درت سر بر نہادہ	نگاہے جانب عباس زادہ
بآمد منفعل بادست خالی	چہ سازد اندریں پیرانہ سالی
بذوق شاعری عمرے بسر کرد	ستم بر بینش اہل نظر کرد

اختتامی ابیات ؎

نہ عبرت نے حیا از حرف باطل	نہ شرمے از سخن سنجان کامل
نہ فہمید ند حد خویش با من	دریں وادی کجا ایشاں کجا من
دلم از دست ایشاں ریش ریش است	کہ ایں زخم نہاں از تیغ خویش است

خطوط کے بعد اس مخطوطے میں ورق نمبر ۶۵ پر ایک شجرۂ خاندان شاد درج ہے جو راقم الحروف نے مکتوبات شاد کی ترتیب کے وقت قلمبند کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سراج الدولہ کی دو پھوپیاں تھیں۔ ایک پھوپی کے پوتے نواب احمد علی خاں سے نواب سراج الدولہ کی دختر بیاہی گئی تھیں جن کی پوتی شاد کی والدہ تھیں۔ دوسری پھوپی کی نواسی یعنی دختر ثابت جنگ خود سراج الدولہ کی بیوی تھیں جن کی صاحبزادی شاد کی والدہ کی دادی تھیں۔ خود شاد کی پھوپی کاظم علی خاں فرزند نواب فخر الدولہ سے بیاہی گئی تھیں جو نواب اسمٰعیل قلی خاں صوبہ دار بھاگل پور کے داماد تھے۔ یہ اسمٰعیل قلی خاں خود بھی نواب سراج الدولہ کے پھوپیرے بھائی تھے۔

اس کے بعد شاد کی ایک یادداشت ہے جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے اس کا آغاز ایک اردو نثر سے ہوتا ہے جو یہ ہے:-

"راقم الحروف نے مدت دراز ہوئی کہ بعض قابل و لائق دوستوں کے خط کے جواب میں ایک

نظم قطعہ لکھ کر اس زمانہ میں جبکہ حضرت (فریاد) تپ لرزہ میں مبتلا اور نہایت ضعیف تھے بنظر اصلاح پیش کیا۔ میں پڑھتا گیا اور حضرت زبانی اصلاح سے مزین کرتے رہے۔ کئی شعر خود تصنیف کر کے قطعہ میں بڑھائیے۔ یہ وہی قطعہ ہے جو درج کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد ۶۲ اشعار کا ایک قطعہ لکھا ہے جس کے ہر شعر کے نیچے اُردو نثر میں ترجمہ بھی لکھا ہے اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے ؎

"چنیں داد پندم یکے از حکیماں　　جہاں دیدہ بخرد پختہ رائے

حکیموں میں سے ایک حکیم نے جو جہاں دیدہ ہوشیار پختہ رائے تھا۔

زوطن سفر باید تا توانی　　نہ وطن بود بلکہ وحشت سرائے

یوں نصیحت کی کہ اپنے وطن سے ممکن ہو تو سفر کر۔ یہ وطن نہیں ہے بلکہ وحشت سرا ہے"

اس قطعہ کے آخری دو شعر یہ ہیں ؎

"نہ مامم بتولیست سردار عالم　　نہ بابم امیرست خیبر کشائے

کیا میری ماں فاطمہ سردار عالم کی بیٹی نہیں ہے اور کیا میرا باپ امیر خیبر کشا نہیں ہے؟

نخواہم کہ گویند آخر برآمد　　یہ دریوزگی شاعر بے نوائے

میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ آخر وطن سے بھیک مانگنے ایک شاعر فلاکت زدہ نکلا۔"

اس پورے قطعہ میں اپنے وطن عظیم آباد کی تعریف لکھی ہے اور وہاں کے مشاہیر ادب میں ملا تحقیق، مرزا بیدلؔ، راسخؔ اور فریادؔ کی بطور خاص تعریف کی ہے۔

اس قطعہ کے بعد چار صفحات اُردو غزلوں کے مسودے پر مشتمل ہیں۔ ان غزلوں کے مقطع اور تعداد اشعار درج ذیل ہے ؎

۱۔ پر عنقا سے شیرازہ ملائے جلد پنہاں کا　م：　غنیمت ہے ملے گر اک ورق بھی میرے دیواں کا　۵ شعر

۲۔ کلید اشعار معنی خیز مخزن ذہن انساں کا　م：　انہیں شعروں سے کھل جاتا ہے ذوق ارباب عرفاں کا　۶ شعر

۳۔ غضب نگاہ نے ساقی کے بندوبست کیا　م：　شراب بعد کو دی پہلے سب کو مست کیا　۴ شعر

۴۔ اے ازلی الوجود اے ابدی البقا　م：　فیض تو از حد فزوں جود تو فوق العطا　۹ شعر

۵۔ یکہ میں تو ہے یکتا ساقیا　م：　انما اللہ انما واحد انما (؟)　۹ شعر

۶۔ جب کسی نے رنس کے چھیڑا رو دیا　م：　چشم بدخو تو نے سب پکھر کھو دیا　۵ شعر

۷۔ موج پیمانۂ تقدیر ہے گیسو تیرا　م：　طاق مینائے توحید ہے ابرو تیرا　۱۲ شعر

۸۔ خرام ناز میں کہتا ہے ڈورا اس کی گردن کا　م：　نہیں اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا　۶ شعر

۹۔ تہ شمشیر کیا مشکل ہے رکھنا اپنی گردن کا   مگر آساں نہیں پہچاننا قاتل کی چتون کا   ۴ شعر

غزلوں کے ان صفحات کو "لہ الحمد وہو الحق" لکھ کر شروع کیا ہے۔ حاشیوں پر عربی الفاظ اور اصطلاحات کی شرح لکھی ہے اور بعض اشعار میں رد و بدل بھی کیا ہے مثلاً ایک شعر پہلے یوں لکھا تھا۔

زمرۂ اہلِ تکلم میں لکھ کے شادؔ ؎ تونے مقبول ....

اس کو بعد میں قلمزد کر کے یوں بنا دیا ہے ؎

زمرۂ اہلِ تکلم میں لکھ کے نام ؎ خود کو مضمون شادؔ تونے لکھوا دیا

اوراق ۷۰۔ تقطیع ۶ × ½۱۰۔

۵۳۵۔ انتخاب کلام سوداؔ۔ واسطی ماہرؔ وغیرہ   کلام۔ اُردو

مرزا رفیع سوداؔ کے کلیات کے دو مخطوطے ادارے میں نمبر ۱۱۶ و ۱۴۸ پر موجود ہیں اور ان کی تفصیل تذکرہ جلد اول صفحات ۱۰۲ و ۱۰۳ پر گزر چکی ہے۔ مختلف بیاضوں میں بھی سودا کی غزلیات محفوظ ہیں دیکھو تفصیل مخطوطات نمبر ۲۸ و ۱۳۶ وغیرہ (تذکرہ جلد اول صفحات ۱۰۴ و ۲۱۰)

اس مخطوطے کا کاتب کم سواد ہے اور اس نے بلا ترتیب سوداؔ کی مختلف غزلیں درج کر دی ہیں۔ اکثر اشعار غلط نقل کیے ہیں۔ مخطوطہ ناقص الطرفین ہے۔ بحالت موجودہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری   شرم سے شمع تو ہو جائے نہ تھوڑی تھوڑی
نیشکر نے کہیں تجھ لب سے کیا تھا دوئی   آج تک اُس کی پڑی کٹتی ہے پوری پوری

اسی طرح ردیف ی کی غزلیں ۱۲ صفحات میں لکھی ہیں۔ اس کے بعد ایک ورق میں ردیف ف، ق، اور ک کا انتخاب ہے۔

آخری دو اوراق پر واسطیؔ، کوکبؔ، مونسؔ، ماہرؔ اور داغؔ کی ایک ایک اُردو اور حافظؔ اور بیقیعؔ کی ایک ایک فارسی غزل درج ہے۔ یہ آخری ورق بطور بیاض کے لکھا گیا ہے۔

واسطی کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے ؎

کسی سے دل کو لگا چکے ہیں ہم اپنی ہستی مٹا چکے ہیں
سزا محبت کی پا چکے ہیں غضب کے صدمے اٹھا چکے ہیں
نہیں ہے بے وجہ عشق بازی رسا ہے تقدیر واسطی کی
جو سب سے کہتے ہیں لن ترانی وہ اس کو صورت دکھا چکے ہیں   (۸ شعر)

داغؔ کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے ؎

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں   مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں
جلانا داغ کا اچھا نہیں یہ دم غنیمت ہے   کہ ایسا باوفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں   (۵ شعر)

ماہر کی غزل کا مقطع یہ ہے ؎

ماہر جو ٹہر ٹہر کے آتا ہے یاد وہ — روتا ہے بیٹھے بیٹھے مرا زار زار دل (۳ شعر)

رفیعؔ کی فارسی غزل کا مطلع ؎

کم گو سخن کہ خاطر دلدار نازک است — بارِ گراں می کشد این تار نازک است (۷ شعر)

حافظؔ کی وہ مشہور غزل لکھی ہے جس کا مطلع ہے ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را (۹ شعر)

کوکبؔ کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے ؎

وہ ادھر یہ وہ نشیمن باہر نکل کر رہ گیا — میں ادھر ہاتھوں سے اپنا دل مسل کر رہ گیا

آتشِ فرقت سے کوکب شعلہ رویوں کی بجے — شمع کے مانند دل پہلو میں جل کر رہ گیا (۶ شعر)

مونسؔ کی غزل کے مطلع و مقطع دونوں کے ابتدائی الفاظ ضائع ہو گئے ہیں اس لئے اس کی غزل کا دوسرا اور آخری شعر درج کیا جاتا ہے ؎

ہو جائے گا سودائیِ زلفِ سیہ زادو — ہشیار کو دیوانہ بنانا نہیں اچھا

لکھنا اسی مصرعہ کو مرے سنگِ لحد پر — موت اچھی ہے پر دل کا لگانا نہیں اچھا (۶ شعر)

اوراق ۹ - ۹ × ۶½ -

یہ کتاب مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی اے بی ایڈ مدرس مدرسۂ گولکنڈہ کی عطیہ ہے۔

۵۳۶ - سب رس - ملا وجہی ۱۰۴۵ھ — قصہ نثر

ملا وجہی کی سب رس چھپ چکی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۹۳۲ء میں پہلی بار اس کو مطبع انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے چھپوایا اور ۱۹۵۵ء میں شری رام شرما نے دکنی ساہتیہ سمیتی (یعنی ہندی پرچار سبھا اور ادارۂ ادبیات اردو کے مشترکہ بورڈ) سے اس کو ہندی رسم الخط میں بھی چھاپا۔ زیر نظر کتاب اسی کتاب کا ایک قدیم مخطوطہ ہے جو غالباً اوائل بارہویں صدی ہجری میں نقل کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے کاتب نے آخر میں سب رس لکھتے لکھتے شاہ راجو کی کسی مثنوی کو اس کے سلسلہ میں بطور نثر نقل کر دیا ہے جس سے پڑھنے والے کو بظاہر یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ پوری کتاب شاہ راجو کی لکھی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے عمداً اپنے آقا کو دھوکہ دیا ہے۔ اور اس طرح پوری کتاب سب رس کی نقل ہونے سے رہ گئی۔ اس دھوکہ نے راقم الحروف کو تفصیلی مطالعہ پر مجبور کیا اور اس پوری کتاب کا مطبوعہ سب رس سے مقابلہ کرنا پڑا اور آخر کار پتہ چلا کہ اورنگ آباد کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۲۱۷ کے آخر تک یہ مخطوطہ مکمل ہے۔ چنانچہ اس کی آخری عبارت یہ ہے:۔

"جہاں شفقت وہاں راحت ۔ جہاں رنج تہاں گنج ۔ فراق تو وصال کا ساز یراق ۔
کھارا ہے تو میٹھے کا پایا جانا سواد ۔" (ورق ۱۳۱ ب)

اس کے ساتھ ہی شاہ راجو کی مثنوی لکھنی شروع کر دی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

شالی بادشاہاں ہلانکو ۔۔ مسلم چھوڑ دین کفر نکو
جھونک سویا کی موتہ جا ۔۔ سو ہے کافر جن پاؤ نہ جا
نیت کر کچھ باند نکو ۔۔ مشرک کیرے شانہ نکو

لیکن یہ ابیات کچھ اس طرح مسلسل لکھی ہیں کہ نثر ہے یا نظم بظاہر پتہ نہیں چلتا۔ اس طرح پورے چار صفحے اسی نظم سے بھرے ہوئے ہیں جو بالکل غلط سلط اس طرح نقل کی ہے کہ نثر معلوم ہو۔ اس مثنوی کا نام اور حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ اس کی آخری ابیات یہ ہیں :-

جس میں ہوویں ایسے کام ۔۔ بدبخت بڑا او ہے بدنام
تب جیب انگے اڑکے گی ۔۔ پانواں لے تل سرکے گی
اے من سیدمی عبرت دھر ۔۔ یو پند کہتا مختصر
سید راجو پند یو عاید ہے ۔۔ اس کا معبود شاہد ہے

اس مثنوی میں شاہ راجو نے زمانہ کی قباحتیں پاک دامنی کی خوبیاں اور گنہگار عورتوں کے لئے عذاب حشر کا بیان درج کیا ہے۔

اس کتاب کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ ابتدائی حصہ خوشخط ہے اور خط ثلث میں لکھا گیا ہے۔ آخری حصہ معمولی نستعلیق میں کسی اور کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں اور مطبوعہ سب رس میں کچھ لفظی اختلافات بھی ہیں۔ بعض جگہ یہ نسخہ صحیح ہے اور بعض جگہ مطبوعہ کتاب۔

۱۳۳ اوراق ۔ ۱۱ سطور فی صفحہ خط ثلث میں اور ۱۹ سطور فی صفحہ خط نستعلیق میں ۔
تختی ۹ × ۱/۲ ۸ ۔

۳۷۵ - امواج خوبی ۔ خوب محمد چشتی احمد آبادی ۱۰۲۳ھ — شرح فارسی اردو

شیخ خوب محمد چشتی احمد آباد کے ایک مشہور صوفی اور شاعر تھے جنہوں نے ۹۸۶ھ میں ایک اردو مثنوی خوب ترنگ لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی اور جس کے مطالب اتنے دقیق ثابت ہوئے، کہ خود مصنف کو ۳۰ سال بعد فارسی نثر میں اس مثنوی کی شرح لکھنی پڑی جس کا نام انہوں نے امواج خوبی رکھا۔ زیر نظر نسخے میں اصل کتاب خوب ترنگ اردو میں اور اس کی شرح فارسی میں لکھی ہے۔

شیخ خوب محمد کی اور تین کتابیں ادارے میں موجود ہیں جن کا ذکر تذکرہ مخطوطات جلد دوم میں آیا

شایع ہو چکا ہے۔

۱۔ خط مراتب جو ۱۰۰۹ھ میں لکھی گئی۔ (دیکھو صفحہ ۱۳۲)

۲۔ مقدمہ شرح جام جہاں نما (دیکھو صفحہ ۱۴۸)

۳۔ شراب جام یا جام جہاں نما (دیکھو صفحہ ۱۴۰)

یہ کتاب امواج خوبی مدرسۂ کنز مرغوب پیران پٹن گجرات کے اہتمام سے ۱۳۲۷ھ میں مطبع نعمانی واقع پیران پٹن گجرات سے چھپ چکی ہے۔ اس کے کاتب ممتاز علی اختر دہلوی ہیں جنہوں نے قدیم گجراتی اردو کے اکثر لفظ (زبان کو سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے) غلط لکھے ہیں البتہ امواج خوبی کی فارسی عبارتیں اکثر و بیشتر صحیح ہیں۔ یہ مطبوعہ نسخہ بھی ادارے کے کتب خانۂ مطبوعات میں نمبر ۳۵۰ پر موجود ہے۔

امواج خوبی کا زیر نظر مخطوطہ بہت ہی صحیح اور خاص اہتمام سے خط ثلث میں غالباً ۱۱۰۰ھ سے قبل لکھا گیا ہے۔ اس میں خوب ترنگ بہت ہی صحیح لکھی ہے۔ مثال کے طور پر مطبوعہ کتاب کے بعض مصرعوں کے مقابلہ میں اس مخطوطے کے مصرعے لکھے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے۔

مطبوعہ نسخہ	زیر نظر مخطوطہ
خداج حافظ ہے ہر ٹھانہ۔	خداج حافظ ہے ہر ٹھانہ۔
تیوں ہمیں کہوں گا کریں نہ کھوڑ۔	تیوں ہمیں کہوں گا کریں نہ کھوڑ۔
اینہاں مراتب کہوں سو دیکھو۔	اینہا مراتب کہوں سو دیکھو۔
نعت ہمیں کرتا ہوں سیر۔	نعت ہمیں کرتا ہوں سیر۔
جو کہیں جانیان جائے رسول۔	جو کہیں جانیا جائے رسول۔
وہ اپہیں ذایج پھتاج۔	وہ آپہیں ذایج پھتاج۔
ذات نہ وہ چھت ماں محتاج۔	ذات نہ وے چھت ماں محتاج۔

اسی طرح مطبوعہ نسخے میں تقریباً ہر صفحہ پر غلطیاں ہیں۔ ضرورت ہے کہ خوب ترنگ کو دوبارہ صحیح نسخے کے مطابق چھاپا جائے۔ چنانچہ راقم الحروف مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کے لئے اس کا ایک صحیح نسخہ بغرض اشاعت مرتب کر رہا ہے۔ اس کتاب میں جو دلچسپ قصے ہیں ان کو ۱۹۲۹ء میں راقم الحروف نے مرتب کر کے فرانسیسی زبان میں ان کی شرح لکھی تھی اور ایک تعارفی نوٹ کے ساتھ پیرس کے مشہور فرانسیسی رسالے ژورنال دے ساواں (جریدۂ علماء) میں شایع کیا تھا۔

زیر نظر مخطوطہ بہت ہی قدیم ہے اعلا عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط لکھا گیا ہے اور اشعار پر سرخ روشنائی میں خط کھینچا گیا ہے اور جملہ عنوانات بھی سرخ روشنائی میں ہیں۔ اصل کتاب سے قبل ایک تفصیلی فہرست ڈھائی صفحات میں لکھی گئی ہے اور اس کے بعد ہی اصل کتاب کا قصیدہ شروع

کیا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

وجود مطلق از ہر قید بد پاک　　ایست اندراں چوں خمر در تاک

اس کی آخری عبارت یہ ہے :-

"وبے نشانی نشان اوست ۔ در حق ایشاں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمود کہ من عرف اللہ کل لسانہ"

اس کے بعد کاتب نے ایک ترقیمہ لکھا ہے جو یہ ہے :-

"تمت الکتاب بعون اللہ الملک الوہاب المسمی امواج خوبی بتاریخ دوازدہم ماہ محرم الحرام"

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ورق پر سنہ اور نام کاتب و مقام کتابت بھی درج تھا۔ لیکن وہ ورق اب موجود نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ معلومات ضایع ہوگئیں۔

۲۷۷ اوراق ۔ ۱۵ سطور فی صفحہ ۔ تختی ۵ × ۹ ۔

۵۳۸ ۔ مرغوب دل ۔ سالکؔ غوث نما ۱۲۸۲ھ　　مثنوی ۔ اُردو

سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری سالکؔ غوث نما ولد سید حسینی بادشاہ قادری اور ان کے خاندان کی متعدد اُردو کتابیں اِدارۂ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض خود ان کی مکتوبہ ہیں۔ سالکؔ کے بارے میں معلومات تذکرۂ مخطوطات جلد اول صفحات ۱۹۴ تا ۱۹۶ پر شایع ہو چکی ہیں اور ان کی حسب ذیل تصنیفات کا ذکر اس سے قبل کی جلدوں میں آچکا ہے۔

۱۔ نکات الواصلین ۔ ۱۲۷۹ھ ۔ مخطوطہ نمبر ۲۰۶ ۔ تذکرہ جلد اول ص ۱۹۴ ۔

۲۔ وجدان الحق توحید مطلق ۔ ۱۲۸۱ھ ۔ مخطوطہ نمبر ۲۰۶ ۔ تذکرہ جلد اول ص ۱۹۶ ۔

۳۔ حقیقت المحققین ۔ ۱۲۷۹ھ ۔ مخطوطہ نمبر ۱۸۶ ۔ تذکرہ جلد دوم ص ۳۴ ۔

۴۔ مستزاد سالکؔ ۔ ۱۲۸۰ھ ۔ مخطوطہ نمبر ۲۰۹ ۔ تذکرہ جلد دوم ص ۴۰ ۔

ان تصنیفات کے علاوہ سید سلطان محی الدین سالکؔ کی مکتوبہ کئی کتابیں بھی ادارہ میں موجود ہیں۔ وہ بڑے اچھے خطاط تھے۔ (دیکھو جلد دوم ص ۳۹)

زیر نظر مخطوطہ ایک اردو مثنوی ہے جس میں سرور کائنات کے نصائح بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح کیا ہے :-

حمد حق ابتدا ہوا اس کا　　نعت پر انتہا ہوا اس کا

اس کے درمیاں ہے پند خیرطا　　آیا خیر الامور اوسطہا

احمد مجتبیٰ شفیع امم ؎ یعنے جو انبیا کے ہیں خاتم
کی نصیحت سو اس کو میں دیکھا ؎ پر وہ سب فارسی میں تھا لکھا
چند احباب کی ہوئی خواہش ؎ لکھا ہندی میں اس کو کر کوشش
نفع لیویں عوام تا اس سے ؎ خاص مجھ کو دعائے خیر کریں
صاف اردو میں اس کو میں نے لکھا ؎ تا کہ دیوے خبر اے خیر خدا
نام مرغوب دل رکھا اس کا ؎ سن بھی بے شک تو اس میں دیکھو ذرا

۱۲۸۲ھ

یہ مثنوی ۱۲۵ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کی اختتامی ابیات یہ ہیں :-

مجھ کو اولاد کو مرے یارب ؎ اور مریدوں کو جو کہ میرے ہیں سب
دوست احباب اور مومن کو ؎ اس کا یارب عمل عطا کر تو
کر تو سالکؔ کی التجا کو قبول ؎ بہر اصحاب اور آلِ رسول
خیر کر خاتمہ تو سالکؔ کا ؎ واسطے سے ترے نبی کے خدا
طول گوئی کا میں نہ کرکے خیال ؎ مختصر میں دکھایا اپنا کمال
گر خطا ہو عطا سے کیجے بدل ؎ دیوے تم کو جزا وہ عز و جل
صاف موزوں میں کر دیا اس کو ؎ اے خداوند کر قبول یہ تو
ختم مصرعہ پہ یہ کلام ہوا ؎ جلد سالکؔ کو روضہ پر لے جا

ترقیمہ یہ ہے :-

"ایں رسالہ حسب خواہش عزیز جانی مریم ثانی بیگم جیلانی مد عمرہا از دست عاصیہ خواجہ فاطمہ چشتیہ نہم جمادی الاول روز جمعہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری نبوی تحریر یافت۔"

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ فاطمہ بیگم چشتیہ سالکؔ غوث نما کی مرید تھیں اور انہوں نے اپنے مرشد کی مثنوی کو تصنیف کے آٹھ سال بعد اپنی دختر یا بہو جیلانی بیگم صاحبہ کے لیے منتقل کیا تھا۔ یہ خوش فہمی مولوی غوث محی الدین صاحب وظیفہ یاب رکن مجلس مال حیدر آباد اور کرکٹ کے مشہور ہندوستانی کھلاڑی غلام احمد صاحب پرسنل مددگار وزیر طبابت و تعمیرات حیدر آباد کے اجداد میں تھیں۔ یہ نسخہ اول الذکر کا عطیہ ہے۔

۱۴ ورق - ۹ سطوری صفحہ - "۴ × "۷ -

- کلیات - جعفر زٹلی - کلام اردو و فارسی

میر جعفر علی نا نولی بیدگی کے ہم عصروں میں بہت بڑے ہزل گو شاعر تھے ۔ ان کا یہ کلیات

اگرچہ ہزل اور فحش آلود ہے مگر اس میں اس عہد کی بعض ایسی سماجی اور تاریخی باتیں بھی محفوظ ہو گئی ہیں جو تاریخوں اور عام شعر و سخن کے مجموعوں میں نہیں ملتیں۔ انہوں نے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی بھی ہجو آمیز مدح میں لکھی ہیں۔ اس کلیات کی نقلیں اور جگہ بھی ملتی ہیں اور یہ بہت مقبول رہا ہے۔ چنانچہ خود زٹلی نے اس کے خاتمہ پر اس کی نسبت لکھا ہے ؎

خوش آئندۂ طبع شاہ و گدا ٭ کشائندۂ قفلِ دل ہا سدا
اگرچہ سبھی کوڑہ و کرکٹ است ٭ بہ ہندی و رندی زباں لٹ پٹ است
ولیکن کسی نے پہیلی کہی ٭ جسے پیو چاہے سہاگن وہی
بیا جعفر ایں جا سخن کن تمام ٭ کہ ماقل و دل است خیر الانام

اس کے بعد غزل سنئی پسر میر جعفر زٹلی لکھی ہے۔ یہ کلیات بمبئی میں ۱۲۷۱ھ میں چھپا تھا اور اتنا مقبول ہوا کہ حیدر آباد میں چار سال بعد اس کے نسخے کم یاب ہو گئے تو ایک خوشخط کاتب احمد علی نے اس کو نہ صرف نقل کیا بلکہ اس کے سلسلہ میں خود بھی متعدد تاریخیں اور اشعار اسی ڈھب کے جمع کر دیے ہیں چنانچہ اس کی اہمیت محض ان ہی الحاقی اشعار و مضامین کی وجہ سے بہت زیادہ ہے ترقیمہ سے پہلے بمبئی کی طباعت کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے جو یہ ہے ؎

عجایب یہ نسخہ ہے محبوب جگ ٭ ہر ایک لفظ اس کا ہے مطلوب جگ
کیا ملہم غیب نے اس کا سال ٭ کہ جعفر زٹلی ہے مرغوب جگ

اس کے بعد حسب ذیل ترقیمہ لکھا ہے:۔

"دو بمنہ و کرمہ نسخۂ موسوم بکلیات من جعفر زٹلی رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ غرۂ مبارک ماہ صفر المظفر ۱۲۷۵ھ نبوی در کچہری عدالت پادشاہی بلدہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد در عہد ریاست نواب افضل الدولہ بہادر آصفجاہ خامس بروز شنبہ بعد دوپہر روز بر آمد تحریر یافت"

اس ترقیمہ کے بعد اسی کے سلسلہ میں بغیر کسی فصل کے حسب ذیل واقعات کے قطعات تاریخ یا اشعار لکھے ہیں:۔

۱۔ تاریخ مسند نشینی نواب افضل الدولہ
۲۔ سکۂ شاہ عالی گوہر
۳۔ سکۂ شاہ کام بخش
۴۔ سکۂ ٹیپو سلطان
۵۔ سکۂ شاہزادہ بہادر شاہ
۶۔ تاریخ رحلت ناصر الدولہ
۷۔ تاریخ انتقال سراج الملک دیوان دکن
۸۔ تاریخ بنگلہ باشی راجہ چندولال
۹۔ تاریخ حمایت مرحوم زٹلی
۱۰۔ سکۂ غازی الدین حیدر رئیس لکھنو

۱۱۔ سکۂ عادل شاہ بیجاپور
۱۲۔ سکۂ نورجہاں
۱۳۔ تاریخ انتقال اکبر جاہ
۱۴۔ تاریخ انتقال میاں بیپ
۱۵۔ تاریخ انتقال نظام علی خاں
۱۶۔ تاریخ انتقال سکندر جاہ
۱۷۔ تاریخ رحلت ناصر جنگ شہید
۱۸۔ تاریخ انتقال محمد شاہ بادشاہ و قمر الدین خان وزیر و نواب نظام الملک آصفجاہ۔
۱۹۔ تاریخ کشتہ شدن شاہزادہ محمد اعظم شاہ
۲۰۔ تاریخ انتقال سید پہاڑی
۲۱۔ شعر در شان امیر کبیر

امیر کبیر فخر الدین خاں شمس الامراء حیدرآباد کے ایک بڑے علم دوست امیر تھے جنہوں نے اپنی ڈیوڑھی میں ایک پریس قائم کیا تھا۔ اور سائنس کی متعدد کتابیں انگریزی اور فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ کرکے شایع کی تھیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھو داستان ادب حیدرآباد صفحات ۱۲۳-۱۲۴) و حیدرآباد میں بہت مقبول تھے۔ مگر اس منظومہ کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ تالاب جل پلی کو بند کرکے انہوں نے شہر میں پانی کی فراہمی کو درہم وبرہم کر دیا تھا۔ یہ تالاب عہد قطب شاہی میں بنایا گیا تھا اور اتنی بلندی پر واقع تھا کہ اس سے حیدرآباد کی مشہور عمارت چار منار کی اوپری منزل (کی مسجد کے صحن) میں جو حوض ہے وہ معمور رہتا تھا۔ چنانچہ قطب شاہی تاریخوں اور آصفجاہی عہد کی ابتدائی تاریخوں میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن گذشتہ سو سال سے یہ حوض سوکھا ہوا ہے اور اس کی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اب اس منظومہ کے اس شعر سے معلوم ہوا کہ چار منار کے حوض میں پانی نہ ہونے کا سبب کیا تھا۔

فرات اس نے کیا بند اس نے جل پلی　　امیر شام کی اولاد ہے امیر کبیر

معلوم ہوتا ہے کہ شمس الامراء نے اپنے فرزند عمدۃ الامراء رفیع الدین خاں کے نام پر جو تالاب عمدہ ساگر حیدرآباد کی مشہور عمارت فلک نما کے جانب جنوب مغرب بنوایا تھا اس کے سلسلہ میں جل پلی میں پانی کی آمد رک گئی اور شہر حیدرآباد کی قدیم ڈیوڑھیوں اور بازاروں کے حوض سوکھنے لگے اور اس طرح شاعر نے عوام وخواص کے جذبات کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

اس کے بعد کاتب نے سلیمان جاہ کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک شاعر غریب کی غزل بھی لکھدی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے :۔

مطلع :۔ کس طرح میں جو کروں یار بڑائی تیری　　عقل حیران مگر دیکھ صفائی تیری
مقطع :۔ اے محمد تیرا در چھوڑ کہاں جائے غریب　　بادشاہی سے بھی بہتر ہے گدائی تیری

غریب تخلص کے متعدد شاعر گذرے ہیں (دیکھو تذکرہ یادگار شعراء صفحات ۱۴۸-۱۴۹) معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کونسے غریب ہیں۔

غزل کے بعد متعدد شعر لکھے ہیں اور پھر آصف الدولہ کی ایک غزل بھی لکھی ہے جس کا

مطلع و مقطع یہ ہیں :-

مطلع :- یہ اشک چشموں میں اب نم رہے رہے نہ رہے ۔ حباب وار کوئی دم رہے رہے نہ رہے

مقطع :- بدائی اس کی اگر ہو تو کیا کرے آصف ۔ یہ اتفاق ہی باہم رہے رہے نہ رہے

اس کے بعد جواب آصف الدولہ کا عنوان قائم کرکے کسی اور شاعر کی غزل اسی زمین میں درج کی ہے۔

اس کے بعد آٹھ صفحات میں مختلف طبی نسخے اور اوراد و ظایف درج کئے ہیں۔ اس کے کاتب کا نام احمد علی ہے جو فسانۂ عجائب نمبر ۵۴۰ کے آخر میں لکھا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں اور ایک ہی خط میں لکھی گئی ہیں۔ کتابت بہت ہی خوشخط ہے اور عمدہ سیاہی سے خاص اہتمام کے ساتھ یہ نسخہ نقل کیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ کتاب بہت کرم خوردہ ہوگئی ہے۔

یہ کتاب مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی اے بی ایڈ مدرس ہائی اسکول قلعہ گولکنڈہ کا عطیہ ہے۔

اوراق ۔ ۱۵ سطور فی صفحہ ۔ $6'' \times 8\frac{1}{2}''$ ۔

۵۴۰ ۔ فسانۂ عجائب از رجب علی بیگ سرور قصہ اردو نثر

رجب علی بیگ سرور کی مشہور کتاب فسانۂ عجائب کئی بار چھپ چکی ہے اور یہ مخطوطہ بھی لکھنو کی ۱۲۶۸ھ کی ایک چھپی ہوئی کتاب کی نقل ہے جیسا کہ اس کے ترقیمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

کلیات جعفر زٹلی (مخطوطہ ۵۳۹) کے کاتب ہی نے اس کو خاص اہتمام سے حیدرآباد میں خوشخط نقل کیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے ہیں۔ نسخہ کرم خوردہ ہے۔ ترقیمہ یہ ہے :-

"نسخہ فسانۂ عجائب من تصنیف مرزا رجب علی بیگ المتخلص بہ سرور ساکن بلدۂ لکھنو بتاریخ بست و چہارم ماہ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۶ ہجری نبوی در بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد از کتاب چھاپہ مطبوعہ مولوی مسیح الزماں صاحب مرقومہ پانزدہم ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۸ ہجری تحریر نمودہ شد۔ طبعزاد اضعف العباد احمد علی ۱۲۷۶ھ"

اس ترقیمہ کے بعد ایک اور صاحب شرف الدین احمد کے دستخط ہیں جنہوں نے پندرہ روز کے اندر ہی یعنی دس ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۶ھ کو اس کتاب پر نظر ثانی کرکے اس کو صحیح کیا۔ ان کی عبارت یہ ہے :-

"صحیح گشت در آوان اسعد ۔ زدست خاص شرف الدین احمد

بتاریخ دہم ماہ ربیع الاول سنہ مذکور الصدر کتاب ہذا بنظر ثانی در آوردہ صحیح نمودہ شد"
اوراق – سطور ۱۵ فی صفحہ – ۹ × ۲ ۱/۴ –

۱۴۱ – مرغوب القلوب – شمس تبریزی ۶۷۵ھ مثنوی فارسی

شمس الدین تبریزی مشاہیر صوفیائے اسلام سے ہیں۔ فارسی کا ایک دیوان بھی ان سے منسوب ہے۔ زیر نظر مثنوی بھی انہی سے منسوب ہے۔ اس کی ابتدا میں ایک فارسی نثر ہے جس میں درج ہے کہ:–

"ایں کتاب مرغوب القلوب از گفتار شیخ الاسلام والمسلمین و اہلم السالکین قطب المحققین برہان راہ طریقت شاہ میدان حقیقت شمس الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز برائے ہمہ مریدان کتاب تصنیف کرد کہ بہ خدائے تعالیٰ برسند"

اس مثنوی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

بگویم حمد رب العالمیں را — عطا کرد بر ما عقل و دیں را
درود مصطفےٰ بعد از ثنایش — فرستم از دل و جاں با ثنایش
مقام چند از سالک بگویم — دراں گفتن ز حق توفیق جویم

یہ رسالہ تقریباً ۱۲۵ ابیات اور نو ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات یہ ہیں:–
۱– توبہ ۲– شناختن روح ۳– نماز و وضو ۴– ترک دنیا ۵– تجرید و تفرید ۶– نعمتِ معرفت ۷– عشق و محبت ۸– معشوق ۹– فنا و بقا۔

مثنوی میں تو صرف یہ نو فصلیں ہیں لیکن اس کے آخری حصہ میں خود مصنف نے دس فصلیں لکھنے کا ذکر کیا ہے ؎

دریں رہ کار ہر چہ بود بر وصل — بنظم آوردہ ام آزابہ دہ فصل

اس کا کاتب بہت کم سواد ہے۔ اکثر الفاظ غلط نقل کئے ہیں۔ خط بھی بہت معمولی ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں لکھا ہے۔ انداز خط اور کاغذ سے بارہویں صدی ہجری کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

اس مثنوی کی آخری ابیات یہ ہیں جن سے نام اور تصنیف بھی ظاہر ہوتا ہے ؎

بسے سیپارہ قرآں تا بہم است — ہمیں صد چہاردہ سورت بنظم است
تمامی مختصر منظوم و موزوں — کہ مرغوب القلوب است نام اکنوں
ز ہجرت ہفتصد و پنجاہ و ہفت است — حساب حاسباں تاریخ و وقت است

اسی جلد میں اسی کاتب نے اور دو دکنی رسالے بھی لکھے ہیں جن کا ذکر اس کے بعد ہی درج ہے۔
، ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - ۴" × ۲½"

۵۴۲ - شکارنامہ - خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی قبل ۸۲۵ھ — دکنی نثر

مخطوطہ نمبر ۵۴۱ مرغوب القلوب کے کاتب ہی نے یہ رسالہ بھی نقل کیا ہے جو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب ہے۔ ان سے منسوبہ ایک کتاب معراج العاشقین شایع ہو چکی ہے اور ان کے متعدد رسائل نظم و نثر ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں جن میں سے حسب ذیل کا ذکر اس سے قبل کی جلدوں میں شایع ہو چکا ہے۔

دُرر اسرار (۹۵) تذکرۂ مخطوطات جلد اول صہ ۲۰۱
چکی نامہ (۱۴۰) تذکرۂ مخطوطات جلد اول صہ ۹۸
نظم فارسی (۲۴۰ب) تذکرۂ مخطوطات جلد دوم صہ ۴۴
نسخہ گھوڑا چولی (۳۹۰) تذکرۂ مخطوطات جلد دوم صہ ۱۱۴
مکاتیب فارسی بنام ملک محمود (۴۷۵) تذکرۂ مخطوطات جلد دوم صہ ۱۴۴

یہ کتاب قدیم دکنی نثر میں ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

"نو باپاں کے ہور سات ماداں کے چار فرزند تھے۔ تین ننگے یکیس کوں کپڑے نہ تھے۔ جسے کپڑے نہ تھے اس کی آستین میں نیکی تھی۔ او چار مل کر بازار کوں گئے اور بازار پچیس بنیاں کا تھا۔ وہاں چار کماناں تھیاں۔ تین توٹیاں۔ یکیس کوں چلہ اور گوشہ نہ تھا۔ جس کی آستین میں نیکی تھی اونے چلہ ہور گوشہ نیں سو کمان لیا۔"

اس رسالہ کا موضوع تصوف ہے اور بہت عام فہم انداز میں قصہ کے طور پر قلمبند کیا گیا ہے۔ زبان بہت قدیم ہے مگر کاتب نے اکثر لفظ غلط لکھے ہیں۔ آخری عبارت یہ ہے جو بطور خلاصہ کتاب ہے اور اس لیے زیادہ نقل کی جارہی ہے کہ کتاب کے موضوع اور زبان دونوں کا اندازہ ہو سکے۔ یہ رسالہ قدیم ترین اردو نثر کا نمونہ ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہے:۔

"امر کے معرفت کے گھر میں گئے۔ وہاں دیکھتے ہیں تو یک محراب تھا۔ اوس قبولیت کا محراب بولتے ہیں۔ اس میں ایک ہانڈی تھی۔ اوسے عبدیت کی ہانڈی بولتے ہیں۔ اس ہانڈی کو اپنڑائے تو ہات اپنڑیا نہیں۔ سو یک بڑا پتھر رکھے اوسے میں پنے کا پتھر بولتے ہیں۔ اس پتھر کے اوپر سوار ہو کر ہات اپنڑاے تو اپنڑیا نہیں۔ بعد از چار گز زمین کھودے اول گز جلی دوم گز قلبی سوم گز روحی چہارم گز سری۔ اس میں اوتر کر عبدیت کی ہنڈی

کوں کاڑے۔ اوس میں ہرن پکائے۔ یعنے جلی احد ذات کوں۔ اوے کھاتے تھے یعنے لذتاں لیتے تھے۔ وہاں کِس نے بولیا کہ میرا تقسیم دیو۔ جو کوئی بولیا اوے شیطان ہوتے ہیں۔ اوے ایک ہڈی دئے۔ اے غیر ہوتے ہیں۔ اے زرد آلو کی بیل لگی۔ یعنے پیکا ملیا۔ اس بیل کو بجانے لگے۔ یعنے اے عورت ہور فرزند ہوئے۔ اے عالم کھائے سو یو دنیا کی گرفتاری میں پڑے یعنے پیٹ ہوگیا۔ حضرت بندگی مخدوم فرماتے ہیں۔ ایں انوتے خارج ہوئے یعنے حق سوں واصل ہوے۔ انوں تے خارج ہوے"

۵ ورق - ۱۲ سطری ورق - ۴" × ۶½" -

۵۴۳ - پنج گنج - شاہ برہان الدین جانمؔ - قریب سنہ ۹۹۰ھ مثنوی دکنی

شاہ برہان الدین جانمؔ بیجاپور کے مشہور صوفی اور شاعر وادیب تھے۔ شاہ میرانجی شمس العشاق (سنہ ۹۰۲ھ تا سنہ ۹۰۷ھ) کے فرزند تھے۔ سنہ ۹۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے تفصیلی حالات میں نے ارشاد نامہ کے مقدمہ میں قلمبند کر دیے ہیں جو مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے چھپا ہے۔ نیز ان کی حسب ذیل کتابوں کے سلسلہ میں بھی تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول میں ان کا ذکر چھپ چکا ہے۔

ارشاد نامہ ۹۹۰ھ تذکرہ جلد اول ص۱۹

کلمۃ الحقایق قریب ۹۹۰ھ تذکرہ جلد اول ص۵۳

مقصود ابتدائی تذکرہ جلد اول ص۵۴

ان کے علاوہ انہوں نے بیسیوں رسالے اردو نظم و نثر میں لکھے تھے جو ادارے میں اور کتب خانہ خانقاہ عنایت الٰہی حیدرآباد میں موجود ہیں۔ ان کی بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ سکھ سہیلا، منفعت الایمان، نکتۂ واحد، نسیم الکلام، رموز الواصلین، بشارت الذکر، جنت ابتقا، وصیت الہادی وغیرہ۔

یہ ۳۳۳ اشعار کی مثنوی ہے جس میں شاہ برہان نے اپنا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

دیکھیں گے جو ہے پیر شاہ برہان کئے ڈھو وضع سوں ہر ایک کوں بیان
سگن وجہ اول تو یوں جان لے دویم وجہ نرگن کیرا دھیان لے

یعنے شاہ برہان کے پیر (شاہ میراں جی) نے اس موضوع کو ڈھو وضع سے بیان کیا ہے۔

کتاب کا نام ان ابیات میں آیا ہے۔ ابتدائی حصۂ مثنوی میں ؎

یو پنج گنج عنایت کرے تجہ اللہ بفضل محمد رسالت پناہ (ورق ۱۴)

آخری بیت مثنوی میں ہے

بفضل نبی علیہ السلام ۔ یو پنج گنج کا یہاں ہوا اختتام (ورق ۲۰ ب)

یہ مثنوی حمد سے شروع کی ہے۔ اس کے بعد نعت ہے اور پھر "آغاز پنج گنج" کا عنوان بلکہ کر اصل کتاب شروع کی ہے۔ ہر گنج کا عنوان علیحدہ دیا ہے جو یہ ہے:۔

۱۔ گنج اول ذکر جلی ۲۔ گنج دویم ذکر القلب وسوسہ ۳۔ گنج سوم ذکر الروح مشاہدہ
۴۔ گنج چہارم ذکر السر معاینہ ۵۔ گنج پنجم ذکر الخفی معاینہ

اس مثنوی کی زبان نسبتاً صاف ہے اور ارشاد نامہ کی زبان کے مقابلہ میں بہت سہل اور بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کہ خود شاہ برہان نے یہ مثنوی لکھی ہے یا ان کے کسی مرید نے۔

مثنوی ان ابیات سے شروع ہوتی ہے:۔

بنام خداوند نام خدا ۔ سرا کہ کھوں میں دے دم سدا
عجب اسم فرخ وفرخندہ ہے ۔ جکوئی اس کا ذاکر سو وو زندہ ہے
جکوئی اس اسم سات ہمدم ہوا ۔ زمانے کے غم سے وو بے غم ہوا
دردمند لوگاں کا دارو وو ہے ۔ ڈہن ماریاں کا ترا دن وو ہے

آخری ابیات یہ ہیں ہے

تجلی یہاں ذاتی ہے سر بسر ۔ اسی کوں توں تفرید کا نام دھر
اگر ایک پل بھی کسی کوں ملے ۔ کہیں اوسکوں بے شک خدا کا ولی
بفضل نبی علیہ السلام ۔ یو پنج گنج کا یہاں ہوا اختتام

پنج گنج اسی کاتب نے لکھی ہے جس نے شکار نامہ (۵۴۳) اور مرغوب القلوب (۵۴۱) لکھی ہے۔ قدیم کتابت ۔ ... سنہ و مقام کتابت نہیں لکھا۔

اوراق ... ۔ ۱۲ ...

۵۴۴۔ ذخیرۃ الدارین۔ محمد حسین لکھنوی

یہ کتاب اردو نثر میں ہے اور اس میں محمد حسین لکھنوی نے خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کی تعمیر و پیمایش وغیرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ خانۂ کعبہ کے حالات کا ماخذ مولانا مخدوم ہاشم سندھی ٹھٹھوی کی کتاب حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب کا فارسی ترجمہ ہے اور حرم نبوی کے حالات مولانا عبدالحق دہلوی کی کتاب جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب سے حاصل کئے ہیں۔ یہ کتاب بمبئی

میں سنہ ۱۲۵۰ھ میں لکھی گئی تھی جبکہ غلام حسین لکھنوی تلاش روزگار کے لیے بمبئی گئے ہوئے تھے۔ اس کی زبان صاف اور سلیس ہے مگر جگہ جگہ قدیم طرز کی ترکیبیں اور الفاظ کی بندشیں نظر سے گذرتی ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح کیا ہے :-

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کو ہے جو پروردگار سارے جہان کا ہے اور درود اور سلامتی نازل ہوے جو اوپر رسول اس کے کے جن کا نام پاک محمدؐ ہے اور ان کی آل اطہار اور اصحاب کبار پر"

یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں چھ فصلیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا باب بیت اللہ شریف کی بناؤں کے بیان میں۔

پہلی فصل بنائے کعبۂ شریف۔ دوسری فصل ان ستونوں کا بیان جو کعبہ شریف کے بھیتر ہیں۔ تیسری فصل طول و عرض مسجد الحرام۔ چوتھی فصل مقدار مطاف۔ پانچویں فصل کعبۂ شریف اور حرم محترم کا ماپ۔ چھٹی فصل بیان صفا و مروا کا۔

دوسرا باب۔ بنائے مسجد نبوی کے بیان میں۔

پہلی فصل بنائے مسجد شریف۔ دوسری فصل مسجد شریف کے ستونوں کا بیان۔ تیسری فصل ازواج مطہرات کے حجرے۔ چوتھی فصل تغیر اور زیادتی کے بیان میں۔ پانچویں فصل حجرۂ شریف۔ چھٹی فصل دو قصے بطور معجزات کے۔

اس کتاب کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

"الٰہی ہم کو اور ہمارے سب بھائیوں مسلمانوں کو حج اور زیارت اور وہاں کی موت نصیب اور شفاعت رسول مقبول میں ہم سب کو داخل کر اور اس رسالے کے مترجم اور اوس کے سب خویش و اقربا کو اور اس رسالے پڑھنے والے کو اور سب مرد مسلمان اور عورتوں کو بحرمت مسجد الحرام اور سید الانام اور اصحاب کرام اور اہل بیت عظام کی اپنی رضامندی کے ساتھ خاتمہ بالخیر کر کے ہر ایک مصیبت دنیا اور حشر سے اپنی پناہ نصیب فرما"

یہ کتاب جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۱ھ میں مولوی ابراہیم صاحب کے چھاپے خانے واقع بمبئی سے مولانا عنایت اللہ کی تصحیح اور اہتمام سے خود مصنف نے چھپوائی تھی۔ اور بطور خاتمۃ الطبع کے جو عبارت لکھی ہے اس میں اپنے دوسرے ماخذوں جیسے علامہ ازرقی، قطب الدین مکی، عبداللہ ابن سالم بصری، حسن شرقی، محمد بن احمد بن مصطفیٰ زنجیلی، ابن حجر عسقلانی، علامہ قہستانی، ملا علی قاری، ملا رحمت اللہ سندھی، قاضی عزیز الدین ابن جماعہ وغیرہ کے نام بھی لکھے ہیں اور آخر میں حیدرآباد کے مشہور صوفی

مولانا حافظ شجاع الدین صاحب خلیفۂ مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری کی مشہور مثنوی کشف الخلاصہ (دیکھو تذکرۂ مخطوطات جلد اول صفحات ۴۱ و ۳۲۵) کی ۱۷ ابیات جو مصنف اور کتاب کے حسب حال تھیں تھوڑی سی تحریف کے ساتھ نقل کردی ہیں۔ اِن ابیات کا ابتدائی اور آخری حصہ یہ ہے سے

ابتدائی:- اِس رسالے کی زباں تھی فارسی ٭ صاف اور پاکیزہ مثل آرسی
اختصار اس کا بیاں کوئی کیا کرے ٭ جیسے کوئی دریا کو کوزے میں بھرے

آخری:- ہے شجاع الدین حافظ کا کلام ٭ تم سنو جب اس خلاصہ کو تمام

یہ کتاب ۱۵ ربجمادی الثانی ۱۲۶۴ھ کو حیدرآباد میں نقل کی گئی۔ اگرچہ طویل ترقیمہ لکھا ہے لیکن کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ کتاب صحیح اور خوشخط نقل کی ہے اور سُرخ روشنائی میں عنوانات لکھے ہیں اور اپنے لئے حج و زیارت کی دعا کی ہے۔ یہ کاتب حضرت خواجہ فخر صاحب دہلوی و حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب کے خلیفہ حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی کا مرید معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے بعد ہی اس نے ان کا سلسلۂ خلافت نقل کیا ہے جو چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مولوی احمد اللہ خاں صاحب مدرس ہائی اسکول گولکنڈہ کا عطیہ ہے۔

۴۷ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - $\frac{1}{2}$۵" × $\frac{1}{2}$۸" -

۵۴۵ - مراۃ الحقایق یعنے ترجمۂ گیتا از عبدالرحمٰن بن عبدالرسول چشتی عباسی العلوی گیتا فارسی

مخطوطہ نمبر ۴۴۵ کے کاتب نے عبدالرحمٰن بن عبدالرسول کے ترجمۂ گیتا کو اِسی کے بعد نقل کرنا شروع کیا ہے لیکن اِس جلد میں اس کے آخری اوراق غایب ہیں۔

عبدالرحمٰن چشتی نے ہندی اور سنسکرت کے متعدد رسائل نظم و نثر کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کی متعدد کتابیں ادارے میں موجود ہیں اور تذکرہ جلد دوم میں ان کا مختصر تعارف صفحات ۴۲ تا ۴۴ پر شایع ہو چکا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:-

۱- مراۃ الحقایق ترجمہ گیتا۔
۲- شری مہادیو کا ارشاد ماتا پاروتی کے نام۔
۳- مکتوب در اوصاف روح۔
۴- شری مہادیو کا ارشاد شری کرشن کو۔
۵- کشف الانوار ترجمہ انسان شتیا

۶۔ رسالۂ اطوار (گفتگوئے بشست وشری رام چندرجی)

یہ سب رسالے ایک ہی کاتب نے جو نواب شجاع الدولہ کے لشکر کے ساتھ تھا جیون پور علاقہ بنارس، اجودھیا اور بریلی کے فوجی پڑاووں میں عالمگیر ثانی کے جلوس کے پہلے سال نقل کئے ہیں۔

زیر نظر مخطوطہ انہی میں سے ایک مراۃ الحقایق کا دوسرا نسخہ ہے جو حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ حمد و نعت سے آغاز کیا ہے اور پھر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے کہ حضرت شیخ صوفی جھنجانی نے کشف الکنوز عرف جوگ بشست میں شرح کے ساتھ لکھا ہے اور میں نے بعض دوستوں کی خاطر اس کو فارسی میں منتقل کیا۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے :-

"پیش ازیں در زبان ہندی نام گیتا می گفتند کہ سری کشن جیو با ارجن اسرار توحید بالتمثیل بیان نمودند۔ بیان آں بجہت رہنمونی جمیع خلایق کردہ و جمیع علمائے ہنداں بریں متفق اند کہ اسرار معرفت توحید حق سبحانہ تعالے یعنے سری کشن جیو از چہار بید یعنے کتاب ہا انتخاب کردہ در گیتا بیان نمودہ است۔ چنانچہ حقایق آگاہ حضرت شیخ صوفی جھنجانی در کشف الکنوز عرف جوگ بشست مع شرح نوشتہ اند اینجانب بخاطر بعضے دوستان حقیقی شمس وار سوزاں صاحب مقصود بے رنگ ترجمہ آں بیان مذکور بزبان فارسی می آرد۔"

اس کتاب کا آغاز عربی زبان میں کیا ہے جس میں حمد لکھی ہے۔ فارسی عبارت ان جملوں سے شروع ہوتی ہے :-

"در ہر چہ بدیدیم ندیدیم بجز دوست معلوم چناں شد کہ کسے نیست مگر اوست پس ازیں جا معلوم شد کہ بقائے عالم و فنائے عالم و ظہور عالم و بطون عالم ہمہ یک نغمہ ہو۔ اہل تحقیق ہمہ نغمہ را صدائے کن قرار دادہ اند۔"

یہ کتاب ناقص الآخر ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس کو ختم کرتے ہی حضرت شیخ فریدالدین عطار کا رسالۂ تصوف لکھنا شروع کر دیا تھا چنانچہ اس کا آخری صفحہ اس کے ساتھ ہی منسلک ہے اس کا ترقیمہ اور آخری عبارت یہ ہے :-

"دل را اگر صیقل کنی عین را عیاں بینی و جان را اگر صاف کنی جان جہاں بینی۔ تمت تمام شد رسالہ من تصنیف حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ بتاریخ بیست و ششم ماہ ج الثانی ۱۲۶۲ ہجری از کتاب اعظم یار جنگ نقل نمودہ۔"

اعظم یار جنگ مشہور مصنف اور مفکر مولوی چراغ علی کا بھی خطاب تھا لیکن یہ اعظم یار جنگ ان سے پہلے کے کوئی حیدرآبادی امیر تھے جن کی کتاب سے یہ مخطوطہ نقل کیا گیا ہے۔ کتابت خوشخط

ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ نسخہ کرم خوردہ ہے۔ عطیہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب
۱۲ ورق۔ ۱۴ سطور فی صفحہ $\frac{1}{2}$۵ × $\frac{1}{2}$۸

۵۴۶۔ مثنوی۔ شاہ شرف بو علی قلندر — فارسی

شاہ شرف بو علی قلندر پانی پتی ہندوستان کے مشاہیر صوفیا سے ہیں۔ مخطوطات نمبر ۵۴۴ و ۵۴۵ کے ساتھ ایک ہی جلد میں یہ فارسی مثنوی بھی شریک ہے جس میں تقریباً ۲۰۵ ابیات ہیں لیکن اس کے اکثر صفحات اتنے کرم خوردہ ہیں کہ بالکل ناقص ہوگئی اور پڑھی نہیں جاتی۔ اس کا آغاز اِن ابیات سے ہوتا ہے ؎

مرحبا اے بلبل باغ کہن ؍ از گل رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال ؍ مرحبا اے طوطی شکر مقال
مرحبا اے قاصد طیار ما ؍ می دہی ہر دم خبر از یار ما

آخری ابیات یہ ہیں ؎

اے خدائے من بحق مصطفےٰ ؍ از طفیل حرمت آل عبا
روز محشر دار با آلِ رسول ؍ از طفیل مقبلاں گرداں قبول
اے خدائے من بحق دلدل سوا ؍ ہرچہ کردم عفو کن روزِ شمار

ترقیمے میں کاتب نے اپنا نام و مقام کتابت نہیں لکھا البتہ تاریخ لکھدی ہے جو یہ ہے ا۔
"تمت تمام شد مثنوی حضرت شاہ بو علی قلندر بتاریخ بست و ہفتم ماہ جمادی الاوّل ۱۲۶۷ ہجری"
۱۲ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$۵ × $\frac{1}{2}$۸۔ عطیہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب

۵۴۷۔ قصائدِ مائل۔ ڈاکٹر احمد حسین مائل (۱۲۴۳ھ۔ ۱۳۳۲ھ) — کلام اُردو

ڈاکٹر احمد حسین مائل خلف حاجی محمد رضا حسین رضا حیدر آباد کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ۱۲۶۳ھ میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی اور طب کو بحیثیت پیشہ اختیار کیا۔ طبابت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا فطری ذوق بھی کارفرما رہا۔ محمد سرفراز علی وصفی لکھنوی سے اصلاح لی اور آخر کار خود استادِ سخن مانے گئے اور مرزا داغ دہلوی کے مدمقابل ثابت ہوئے۔ ان کے حالات زندگی تزکِ محبوبیہ، تذکرہ شعرائے دکن اور مرقع سخن میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان کے کلام کا انتخاب راقم الحروف نے بادۂ سخن کے نام سے ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے ۱۹۳۵ء میں شایع کیا ہے۔ اس کے ساتھ بھی

ان کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر ایک مبسوط مقدمہ قلمبند کر کے درج کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ استاد الاساتذہ فیض کے بعد سے حیدرآباد میں ماہر جیسا قادر الکلام شاعر نہیں پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے پندرہ ہزار سے زیادہ شعر لکھے۔ سنہ ۱۹۰۳ء تک ان کے کلام کے تین مجموعے شایع ہو چکے تھے۔

۱۔ نور ظہور ۲۔ ظہور نور ۳۔ تحفۂ دکن۔ پہلے دو نعتیہ ہیں۔ تحفۂ دکن میں تقریباً سات ہزار اشعار شریک ہیں۔ اس کے بعد مزید چار ہزار اشعار کا ایک اور دیوان بھی مرتب کیا تھا اور آخر عمر میں نعتیہ کلام کا بھی تیسرا دیوان مدون کیا۔ جو اب تک طبع نہیں ہوا۔ ان کے ایک شاگرد اعظم نے سنہ ۱۹۲۰ء میں دو سو پچیس صفحات کی ایک ضخیم کتاب زمزمۂ ہند و دکن مرتب کر کے شایع کی تھی جس میں مائل کا کلام اردو کے مشہور شعراء کے کلام کے مقابلہ میں پیش کیا ہے۔ مائل کی خصوصیات کلام مادۂ سخن کے مقدمہ میں تفصیل سے درج ہیں۔

زیر نظر مخطوطہ جو ناقص الآخر ہے مائل کے ان قصاید پر مشتمل ہے جو غفران مکاں میر محبوب علی خاں آصف کی پیدایش اور تخت نشینی وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مجموعہ غالباً بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے خاص اہتمام سے مرتب کرایا جا رہا تھا۔ اس کے آخری صفحات خود مائل کے تحریر کردہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس کا آغاز ایک فارسی عبارت سے کیا گیا ہے اور لوح پر نقش و نگار کیے گئے ہیں۔ اس کے چند ابتدائی جملے یہ ہیں :-

> "این قصیدۂ ہمایوں و تواریخ ولادت سراپا سعادت و اجلاس میمنت اساس جناب مستطاب معلے القاب، شاہ سکندر بارگاہ خسرو عالم پناہ حضرت میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصفجاہ"

پہلا قصیدہ ۴۱ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کے ابتدائی و آخری اشعار ہیں سے

آج عالم میں ہے جوش آمد فصل بہار	لہلہاتے ہیں چمن کی طرح دشت و کوہسار
ساغر گل سے ہیں سبزانِ گلستاں بادہ نوش	جھومتے ہیں نشۂ فرحت سے سرو جوئے بار
عمر و اقبال و حشم تیرا ہو روز افزوں مدام	ملک و دولت ہے تری تا روز محشر پایدار
یا رسول اللہ یہ ساری دعائیں ہوں قبول	ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے مائل بار بار

دوسرا قصیدہ در اصل قطعہ تاریخ ولادت میر محبوب علی خاں ہے جس میں صرف ۱۰ شعر ہیں۔ اس کے ابتدائی اور آخری شعر یہ ہیں سے

جب ہوا رونق وہ بزم جہاں	نونہال بوستانِ نقشبند
خسرو والا گہر عالی وقار	افتخار خاندانِ نقشبند

دو لکھیں مائل نے تاریخیں عجیب ؛؛ شادماں ہے جس سے جانِ نقشبند
ماہ تاباں نوبہار بوستاں ؛؛ نور شمع دودماں نقشبند

۱۲۸۳ ۱۲۸۳

تیسرا عنوان ہے "تاریخ ولادت بر شبہ مادۂ عمدہ در شانِ حضرت بندگان عالی"۔ یہ بھی ۹ شعر کا ایک قطعۂ تاریخ ہے جس میں ۹ تاریخیں درج ہیں۔ ان کی تفصیل خود قطعہ میں اس طرح لکھی ہے۔

جب ہوا میلاد مسعود شہنشاہ رکن ؛؛ خسرو گردوں حشم اسکندر آصف لقا
آٹھ تاریخیں لکھیں مایل نے ہر مصرع میں دو ؛؛ مصرع سالم میں تاریخ نہم ہے پڑھیا

تاریخی مصرعے یہ ہیں ؎

مہر برج عہد و حشمت نور چرخ و صبح حسن آیت فہم و فراست خسرو یوسف سرا

۱۲۸۳ ۱۲۸۳ ۱۲۸۳ ۱۲۸۳

وارث اسباب حکمت زینت و مقصود شرع ماہتاب علم و رفعت نورِ فیضانِ عطا

۱۲۸۳ ۱۲۸۳ ۱۲۸۳ ۱۲۸۳

ذرہ ذروں میں ہے غل تا حشر یہ روشن ہے ؛؛ نجم دیں و خسروی طالع ہوا طالع ہوا

۱۲۸۳

اس کے بعد ایک اور قطعہ تاریخ ولادت بقاعدہ زبر و بینات لکھا ہے جو یہ ہے ؎

زبر اور بینہ دونوں کے اعداد ؛؛ جو لیں ہوتی ہے تاریخ عجب واہ
جو پوچھا کونسے مایل نے کی عرض ؛؛ وہ آصف جاہ محبوب علی شاہ

ورق ۵ ب سے قصیدۂ تاریخ جلوس شروع ہوتا ہے جو فارسی میں ہے اور اس کا مطلع یہ ہے ؎

چو بر تخت دکن شد جلوہ افروز ؛؛ جناب خسروِ ذی حشمت و جاہ

اس کے آخر میں دو اردو رباعیاں درج ہیں اور یہ بھی مدح میں ہیں۔

ورق ۷ ب پر وہی فارسی عبارت اور اردو قصیدے وغیرہ خود شاعر کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خوشخط لکھوانے کے لئے یہ مسودہ خود شاعر نے تیار کیا تھا۔ لیکن اس کے آخر میں نواب مختار الملک کی شان میں بھی ۲۱ اشعار کا ایک نامکمل قصیدہ ہے جس کے ابتدائی شعر یہ ہیں ؎

موج خیز نظم میری طبع گوہر بار ہے ؛؛ حرف جو منہ سے نکلتا ہے دُرِ شہوار ہے
حسن بندش سے ہر یک مصرع ہے موتی کی لڑی ؛؛ سطر کاغذ پہ حسن صف گلزار ہے

اس مخطوطے کے آخر میں محبوب علی خاں کے فرزند اول کی ولادت (۱۳۰۰ھ) کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے جس میں سات شعر ہیں یہ بھی مصنف ہی کا مسودہ ہے۔ اس کے ابتدائی اور آخری شعر

یہ ہیں ہے

اے نخل تر و تازۂ گلزار ریاست — نوبادۂ اقبال ترا بار ور آیا
گلزار جہاں میں رہیں یہ مالک و مسرور — نوبادۂ گلشن کو یہ اول ثمر آیا

اس کے آخر میں ۲۹ شہر شوال سنہ ۱۳۰۰ھ روز یکشنبہ درج ہے۔ جو یا تو شہزادہ کی ولادت کی تاریخ ہے یا اس مخطوطہ کی کتابت کی۔ اور کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ اس کے ورق ۱۰ پر ان کے دستخط عنایت اور ورق ۸ اوپر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس میں "مصدر الطاف و عنایت حسین" کندہ ہے۔

یہ مخطوطہ گلابی رنگ کے عمدہ کاغذ پر خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ ہر مصرع اور شعر کے اطراف جدولیں کھینچی گئی ہیں۔

اوراق ۱۵ - ۹ سطور فی صفحہ - تختی ۸" × ۵" -

۵۴۸ - ریحان معراج - سید ضمیر لکھنوی - ۱۲۴۷ھ — معراج نامہ

یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی فرمایش پر حضور سرور کائنات کا واقعۂ معراج بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف سید ضمیر ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ یہ مثنوی چھپی یا نہیں۔ یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔ حمد و نعت و مناقب کی ابیات تلف ہو گئی ہیں۔ صرف دو بیتیں محفوظ ہیں جن کے بعد سبب تالیف شروع کیا ہے۔

سبب تالیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نماز صبح پڑھکر وظیفہ میں مشغول تھا کہ وزیر مہدی علی خاں نے بلا بھیجا۔ اس وزیر کی بہت تعریف لکھی ہے اور جب یہ ان کی بزم میں پہنچے تو انہوں نے بادشاہ کا حکم سنایا کہ معراج نامہ لکھو۔ سید ضمیر نے گھر آ کر لکھنا شروع کیا اور حسب معمول پہلے بادشاہ کی مدح لکھی ہے لیکن اس میں اور کتاب میں کسی اور جگہ بھی بادشاہ کا نام صاف طور پر نہیں لیا ہے۔ چونکہ آخر میں ماہ و سنہ تالیف لکھا ہے جس سے ۱۲۴۷ نکلتا ہے اور یہ سنہ نصیر الدین حیدر (۱۲۴۳ - ۱۲۵۳ھ) کے عہد حکومت میں شامل ہے اس لئے ضمیر نے گویا انہی کی تعریف کی ہے۔ نصیر الدین حیدر کو انگریزوں نے ایک عیاش بادشاہ مشہور کر رکھا ہے۔ جیسا کہ انگریزی کتاب "ایک مشرقی بادشاہ اور ملکہ" An Eastern King & Queen by Knight سے ظاہر ہوتا ہے لیکن دراصل ان کے دور میں نہ صرف علم و فضل اور شعر و سخن کی کتابیں لکھی گئیں بلکہ سائنٹیفک موضوعوں پر فرنگی کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے اور شاہی مطبع سے شایع ہوئے۔

سید ضمیر نے بادشاہ کی مدح میں جو ابیات لکھی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :-

مدح شاہ نصیر الدین حیدر

کروں میں بھی مدح شہِ خوش خصال ؛ خداوند جاہ و خداوندِ مال
زہے بادشاہِ رعیت نواز ؛ زہے عادل و باذل و کارساز
سعید اُس کے طالع وہ بیدار بخت ؛ وہ زینت دہِ افسر و چتر و تخت
سخی اس طرح کا کہیں بھی سُنا ؛ کہ شاعر کو بخشش از سخن دے صلا
رفاہِ رعیت کا خواہاں ہے وہ ؛ کہ اِس عہد میں فخرِ شاہاں ہے وہ
محرم کے عشرہ میں کیا زار زار ؛ یہ روتا ہے مانند ابرِ بہار
غمِ آلِ احمد میں ہے دل حزیں ؛ سیہ پوش رہتا ہے تا اربعین
شب و روز ہے اس دعا میں ضمیر ؛ سلامت رہیں بس یہ شاہ و وزیر

وزیر کی تعریف اس سلسلہ میں نہیں کی ہے بلکہ سبب تالیف کتاب کے (ورق ۶ ب) عنوان کے بعد ایک اور عنوان "تعریف وزیر" کا قایم کیا ہے ۔ اس کی چند ابیات یہ ہیں :-

تعریف وزیر مہدی علی خاں

وزیرِ خردمند با عدل و داد ؛ وہ مہدی خانِ والا نژاد
ہوا اُس سے رونق فضا یہ دیا ؛ کیا حق نے آ کر یہ مرکز قرار
دیا انتظام امورات شاہ ؛ کہ ملک اور رعیت کا ہے خیرخواہ
حیا آنکھ میں اور مروت کمال ؛ ولیکن ہر اک سے علی قدرحال
وہ خورشیدِ تاباں یہ ماہِ منیر ؛ عجب شاہ ہے اور عجائب وزیر (ورق ۶ ب)

شاعر نے اپنی نسبت مزید معلومات اس سلسلہ کی ان ابیات میں قلمبند کر دیے ہیں :-

میں ہوں مرثیہ گوئے سبطِ رسول ؛ ادھر بھی اٹھا ایک نگاہ قبول
یہ معراج نامہ جو لایا ہوں میں ؛ نبی کے وسیلے سے آیا ہوں میں
یہ میرا وسیلہ نہ رد کیجیو ؛ میں سید ہوں میری مدد کیجیو

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سید تھے اور امام حسین کے مرثیہ گو ۔ اصل عنوان معراج نامہ شروع کرنے سے قبل ایک عنوان "عاجزی صاحب تصنیف کی" قایم کیا ہے اور اس میں لکھتے ہیں :-

بس از مدحِ سلطاں ہوا مجھکو فرض ؛ کروں خدمتِ اہلِ معنی میں عرض

بہ تعجیل لکھے یہ اوراقِ چند ٭ سخن ہو گر اس میں کوئی ناپسند
تو یہ کہو نہ بابِ تعرض کو وا ٭ تلے اپنے دامن کے اس کو چھپا

گویا یہ مثنوی عجلت میں لکھی تھی۔ اس میں معراج کے جو حالات لکھے ہیں وہ زیادہ تر کتاب "حیات القلوب" سے اخذ کیے ہیں اور دوسری کتابوں اور روایات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

کتاب کے خاتمہ میں شاہ نصیر الدین حیدر کے لیے اس طرح دعا کی ہے ؎

کہوں اب اٹھا کر دو دستِ نیاز ٭ عطا کر مرے شہ کو عمرِ دراز
کوئی لے اگر نام پاک جناب ٭ تو منہ پہلے دھولے بمشک و گلاب
ہمیشہ مطیعِ پیمبر ہے وہ ٭ سدا ناصرِ دین حیدر ہے وہ
خدایا ترقی دولت تریں ٭ ہر ایک ملک ہو اس کے زیرِ نگیں
وزیر اس کا دائم رہے کامراں ٭ الٰہی یہ نواب ہو اور جہاں
بیاں کس سے ہوں اس کی توصیف کے ٭ یہ باعث ہوئے ایسی تصنیف کے

اس مثنوی میں تقریباً انیس سو ابیات ہیں اور یہ صرف بیس دن میں مرتب ہوئی ہے چنانچہ لکھتے ہیں ؎

باعجازِ آلِ رسالت مآب ٭ کہی بیس دن میں یہ دس جز کتاب

آخر میں اپنی اور غلام نجف کی کہی ہوئی تاریخ ہائے کتاب بھی لکھدی ہیں۔ ایک عنوان "نام کتاب" کے تحت اپنی تاریخ اس طرح لکھی ہے ؎

یہ فرمایش صاحب تاج ہے ٭ مسمی بہ ریحان معراج ہے
ہوا ختم معراج نامہ جو ہیں ٭ ہوئی فکر تاریخ کی دل نشیں
ندا آئی ہاتف کی بے اشتباہ ٭ کہو اس کی تاریخ فیضان شاہ

۱۲۴۷ھ

اس کے بعد غلام نجف کا فارسی قطعۂ تاریخ درج ہے جو یہ ہے ؎

چو گردید معراج نامہ بتمام ٭ بفضل عنایات رب مجید
نجف بہر تاریخ می کرد فکر ٭ کہ ہاتف زغیبش ندائے دمید
رقم بر سرِ صفحہ ایں مصرع کن ٭ باتمام معراج نامہ رسید

آخری مصرعہ سے لفظ صفحہ کے تدخلہ سے ۱۲۴۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

یہ نسخہ ۱۳ر شعبان ۱۳۰۰ھ کو تصنیف کے صرف ۳۲ سال بعد بہادر علی نے نقل کیا ہے اور ترقیمہ

بہت سادہ الفاظ میں اس طرح لکھا ہے :

"۲۰ شعبان سنہ ۱۲۰۱ھ کو بہادر علی نے لکھا۔"

اوراق ۱۰۴ - فی صفحہ ۹ ابیات - ۴" × ۶"

یہ مخطوطہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی مولف مآثر دکن کا عطیہ ہے۔ چنانچہ اس کے سرورق پر انہوں نے کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے: "معراج نامہ موسوم بہ ریحان معراج مولفہ سید ضمیر" آخری ورق پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر "کتاب خانہ سید علی اصغر بلگرامی" کندہ ہے۔

۵۴۹ - قصہ طالب و موہنی - سید محمد والہ موسوی قریب سنہ ۱۱۵۰ھ مثنوی - اردو

سید محمد والہ سید محمد باقر موسوی خراسانی کے فرزند تھے۔ اور اپنے والد کی وفات کے بعد عالم شباب میں اپنے وطن شہر قم سے نکلے۔ چند روز لاہور میں قیام کیا پھر دلی چلے آئے۔ انہوں نے اپنے والد ہی سے تعلیم و تربیت پائی اور شعر و سخن میں اصلاح لی۔ دلی میں شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۹ھ-۱۱۲۴ھ) نے والہ کو شاہی منصبداروں میں شامل کر لیا۔ جب نواب نظام الملک آصف جاہ کو ان کے علم و فضل اور ذہن و ذکا سے واقفیت ہوئی تو انہوں نے والہ کو اپنا رفیق صحبت بنا لیا اور اپنے ساتھ دکن لے آئے۔ مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے آخر کار والہ آصف جاہ ہی کے ساتھ سنہ ۱۱۳۷ھ میں حیدر آباد آئے۔ آصف جاہ نے جب نواب انورالدین خاں شہامت جنگ کو حیدر آباد کا ناظم مقرر کیا تو والہ کو بھی ان کا رفیق مقرر کر کے حیدر آباد میں تعینات کر دیا اور اس شہر سے قریب سرکار گمن پورہ میں ایک جاگیر بھی عنایت کر دی۔

حیدر آباد میں والہ نے سید منصور ولد سید نظام الدین سید احمد داماد عبداللہ قطب شاہ کی لڑکی سے شادی کر کے قیام پذیر ہوئے اور اطمینان سے تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گئے۔ شاید انہی کی کوشش سے نواب انورالدین خاں کے فرزند سید محمد علی خاں سراج الدولہ والاجاہ سے سید منصور کی دوسری لڑکی نواب بیگم کا سنہ ۱۱۴۵ھ میں عقد ہوا۔ اس طرح والہ اور نواب انورالدین خاں میں قرابت بھی ہو گئی اور غالباً اسی رشتہ کے باعث جب آصفجاہ نے انورالدین خاں کو ارکاٹ کا صوبہ دار مقرر کر کے روانہ کیا تو والہ کو بھی ان کے ساتھ ارکاٹ میں متعین کر دیا۔ چنانچہ وہ بھی حیدر آباد چھوڑ کر ارکاٹ گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ جب محمد علی خاں والاجاہ کو ان کے والد نے ترچناپلی کی حکومت تفویض کی تو والہ کو ان کا نائب مقرر کیا۔ اس طرح والہ ترچناپلی چلے گئے اور وہیں کم و بیش ۲۴ سال قیام کر کے سنہ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی اور تالاب کے کنارے مدفون ہوئے۔ ان کا چھوٹا سا مقبرہ ترچناپلی میں شکستہ حالت میں اب تک موجود ہے۔ ترچناپلی

میں جب والا جاہ کی فوج کو انگریزوں نے تربیت دی اور انگریزی وردی پہنائی تو والہ اس فوج کے کمانڈر تھے اور پہلے ہندستانی تھے جس نے انگریزی وردی پہنی تھی۔

والہ کے ایک ہی فرزند سید محمد مہدی تھے جو والا جاہ کے بعد ان کے خاندانی جھگڑوں میں پھنس کر پریشان حال رہے اور ان کے لڑکے سید علی رضا اور نبیرے سید قنبر علی ترچناپلی چھوڑ کر مدراس چلے آئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ سید قنبر علی کے فرزند سید عباس علی نواب ناصر الدولہ (۱۲۴۴ - ۱۲۷۳ھ) کے عہد میں حیدرآباد آئے۔ نواب افضل الدولہ (۱۲۷۳ - ۱۲۸۵ھ) نے ان کو منصبدار بنا لیا۔ انہی کے فرزند نواب مہدی نواز جنگ سید محمد مہدی ہیں جو سالہا سال تک مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت کے دور میں معتمد باب حکومت حیدرآباد رہے اور آج کل حکومت آندھرا پردیش میں وزیر طبابت ہیں۔

والہ ایک مرنج و مرنجاں ادیب و شاعر تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں مقبول تھے۔ ان کے حالات متعدد تذکروں مثلاً تحفۃ الشعراء (۱۱۶۹ھ) گلدستہ کرناٹک، گلزار اعظم، مدراس میں اردو، یورپ میں دکنی مخطوطات، محبوب الزمن جلد دوم، اردوئے قدیم، عثمان نامہ وغیرہ میں شایع ہو چکے ہیں۔ حکیم شمس اللہ قادری نے ایک مختصر سا رسالہ ان کے حالات میں الگ بھی شایع کیا تھا۔

والہ کے ایک شاگرد شاہ محمد تقی ہمدم نے اپنی کتاب لمعات الشمس میں ان کے اور ان کے خاندانی حالات تفصیل سے لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ لطیف النساء بیگم ایم۔ اے نے احوال سید محمد والہ کے عنوان سے ایک کتابچہ کی شکل میں چھپوا دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والہ کے دادا سید نظام الدین ابو القاسم ابن میر باقر ابو احمد عدنان کی اولاد میں تھے جو فرزند تھے احمد رضی الدین ابن حسین ابن موسیٰ ابن ابراہیم ابن امام موسیٰ کاظم کے۔

والہ کے جد امجد احمد رضی الدین ۳۵۹ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے تھے اور وہ اور ان کے بھائی سید علی مرتضیٰ خلافت عباسیہ میں بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کے خطبات و مقالات انہی سید رضی نے کتاب نہج البلاغت میں جمع کئے تھے۔

والہ کی حسب ذیل تصنیفات کا اب تک پتہ چلا ہے۔

۱۔ دستور نظم۔ ۱۱۴۰ھ میں بمقام حیدرآباد علم عروض پر یہ کتاب لکھی تھی جس میں ایک مقدمہ اور چار ابواب ہیں۔ چنانچہ پہلے باب میں اوزان اور بحروں سے بحث کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ خود والہ کا مکتوبہ نواب مہدی نواز جنگ کے یہاں موجود ہے جس کے آخر میں لکھا ہے۔ "بتاریخ ۵ ربیع الثانی ۱۱۵۱ھ بدست مولف اتمام تحریر یافت۔" اس کتاب

کا ایک اور مخطوطہ بھی نواب صاحب موصوف کے یہاں ہے جو کرنول میں ۱۲۴۰ھ میں سید راز اللہ عرف صاحب پیراں نے نقل کیا تھا۔ ان نسخوں کے علاوہ اس کتاب کے مخطوطے برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بھی محفوظ ہیں۔

۲۔ اساس الایمان۔ ۱۲۴۶ھ میں یہ ضخیم کتاب بھی حیدرآباد میں تالیف کی گئی تھی۔ اس میں دوازدہ ائمہ کے حالات لکھے ہیں جو ۲۴ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔ اس کا مخطوطہ بھی خود والہ کا لکھا ہوا نواب مہدی نواز جنگ بہادر کے یہاں محفوظ ہے۔ اس کے ترقیمہ میں والہ نے لکھا ہے۔

"در کاتبہٗ و مولفہٗ عبدالاحقر سید محمد ابن محمد باقر الحسینی الموسوی عفی اللہ جرائمہٗ سلخ شعبان المعظم ۱۲۴۶ھ بہ دست مولف اتمام تحریر یافت"

اس کتاب کا سنہ تالیف والہ نے اس مصرعہ میں لکھا ہے ؎

گفت ہاتف گشت ایماں را اساس

والہ ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ ایک عمدہ خطاط اور اعلیٰ پایہ کے خوشنویس بھی بھی تھے جیسا کہ اُن کی لکھی ہوئی ان کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔

۳۔ قانون چہ انشاء۔ علم انشا کے اصول و قواعد پر ایک مختصر رسالہ ہے جس کے مخطوطے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد اور کتب خانہ خیرخواہ اسلام مدراس میں موجود ہیں۔

۴۔ کشف الرموز۔ تصوف کے موضوع پر یہ رسالہ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے کلام کی تشریح و توضیح میں لکھا تھا۔ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

۵۔ درمکتوم۔ نعمت خاں عالی نے کامگار خاں کی شادی سے متعلق جو زوال حیدرآباد کے بعد ۱۰۹۹ھ میں سید مظفر وزیر سلطان ابوالحسن تاناشاہ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اکیس شعر کا ایک ہزلیہ قطعہ لکھا تھا۔ والہ نے اس رسالہ میں اس قطعہ کی شرح لکھی ہے۔ واقعات شادی بیان کرنے کے علاوہ نعمت خاں عالی کے کلام کے حسن و قبح کو ظاہر کیا ہے۔ اس کا مخطوطہ بھی خود والہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔

۶۔ عین تماشا یعنے مرغ نامہ } مرغوں کے اقسام، پرورش و نگہداشت، طور و طریق، امراض کے اسباب و علامات اور علاج و ادویہ کے بارے میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ خود مصنف کا لکھا ہوا نواب مہدی نواز جنگ کے یہاں اور ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

میں موجود ہے۔

۷۔ کبوتر نامہ۔ اس میں بھی مرغ نامہ کی طرح کبوتروں کی نسبت معلومات قلمبند کردی ہیں۔ اس کا ایک نسخہ جو والہؔ کا قلمی ہے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

۸۔ نجم الہدیٰ۔ سلوک و ہدایت سے متعلق مثنوی مولانائے روم کی بحر میں ایک ضخیم کتاب ہے جس کا ایک مطبوعہ نسخہ نواب مہدی نواز جنگ کے یہاں محفوظ ہے۔

۹۔ گلستان جناں یعنے دیوانِ فارسی } یہ کتاب بڑی سائز کے ۲۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا مکمل مخطوطہ نہ معلوم کہیں محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ لیکن عبدالجبار خاں نے تذکرۂ محبوب الزمن میں والہؔ کے حالات کے بعد ان کے دیوانِ فارسی کا ایک اچھا خاصہ انتخاب شایع کیا ہے۔ اس کے علاوہ منشی سورج بھان شمس الحق میکش تھانوی نے ایک کتاب توحید الوجود کے سلسلہ میں والہؔ کی متعدد غزلیں منتخب کرکے درج کردی ہیں۔ یہ کتاب ادارے کے کتب خانۂ مخطوطات میں نمبر ۳۴۳ ب پر موجود ہے اور اس کی تفصیلات تذکرۂ مخطوطات جلد دوم میں صفحہ ۹۰ پر شایع ہوئی ہیں۔ والہؔ کے شاگرد محمد تقی ہمدم نے اپنی کتاب لمعات الشمس میں لکھا ہے کہ اس دیوان میں قصیدے، مخمس، رباعیاں غرض جملہ اصنافِ سخن میں کلام موجود ہے۔

۱۰۔ رازقِ باری۔ خالق باری کے طرز پر تعلیم اطفال کی غرض سے یہ رسالہ لکھا تھا جو ۱۲۹۰ھ میں مطبع مظہر العجائب مدراس سے شایع ہوچکا ہے۔

۱۱۔ طالب و موہنی۔ اس اردو مثنوی کے اب تک صرف دو مخطوطے ملے ہیں۔ ایک تو انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور دوسرا زیر نظر مخطوطہ ہے جو ادارے کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے۔ خود والہؔ کے نبیرے نواب مہدی نواز جنگ کے یہاں بھی اس کا کوئی نسخہ نہیں ہے۔ انڈیا آفس کے نسخہ کی نسبت مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب یورپ میں دکنی مخطوطات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

طالب و موہنی ۱۱۵۰ھ کے قریبی زمانہ میں غالباً حیدرآباد ہی میں لکھی گئی۔ اس کا خلاصہ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب مدراس میں اردو میں (صفحات ۲۵۔۲۶ پر) شایع کردیا ہے اور صفحہ ۲۹ پر یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ میر تقی میرؔ کی مشہور مثنوی دریائے عشق والہؔ ہی کی اس مثنوی پر مبنی ہے۔ حالانکہ میرؔ نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ میرؔ کی نظر سے والہؔ کی طالب و موہنی گذری ہو۔ میر عبدالولی عزلتؔ کی دکنی بیاض سے تو انہوں نے تذکرہ نکات الشعراء کی ترتیب میں استفادہ کیا ہی تھا۔ ممکن ہے کہ یہ مثنوی بھی عزلتؔ کی ان کتابوں میں شامل ہو جو

وہ دکھن سے اپنے ساتھ شمالی ہند کو لے گئے تھے۔

قصہ طالب و موہنی کا زیر نظر مخطوطہ صاف خط میں نقل کیا گیا ہے۔ کاتب نے مقام و سنہ کتابت نہیں لکھا لیکن کاغذ، روشنائی اور کتاب کی جلد سے سنہ ۱۲۰۰ھ سے قبل کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ۔

بچن کا انجمن جو دلکشا ہے ؎ چراغ اس بزم کا حمد خدا ہے
خدا ہے بندہ پرور جو زباں کو ؎ دیا قدرت مطالب کے بیاں کو
صدف کر بحر خلعت میں دہن کا ؎ نکالا ہے گہر موزوں بچن کا
عقل اس ذات کی طالب بنی ہے ؎ اور عشق اس کے ولاں کی موہنی ہے

اس مثنوی میں مصنف نے حسب ذیل ابیات میں اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔

ادبی کے عشق کا واآلہ ہے دن رات   کرے یوں اس کی درگہ میں مناجات   (ورق ۱ ب)
نہایت میں عشق کی داستاں کوں   پھرا مقصود پر واآلہ زباں کوں   (ورق ۲ ب)
اگر توں واآلہ اپس شیریں وذن کو   بندھے دیوے شرف دکنی بچن کو   (ورق ۳ ب)
اسے واآلہ کدھر جاتا ہے توں بھول   قصے کے باغ میں رنگیں کھلے پھول   (ورق ۵ ا)
یہ بزم عشق واآلہ نے سنوارا   ولے سوز کا ڈالا پکارا

مولوی عبدالحق صاحب نے رسالۂ کاروان بابت سنہ ۱۹۳۳ء میں واآلہ کو قطب شاہی شاعر تصور کیا تھا اس لئے کہ واآلہ نے اس مثنوی کے دیباچہ میں ایک مشہور قطب شاہی شاعر ابن نشاطی اور اس کی کتاب کا تین جگہ اس طرح ذکر کیا ہے۔

سنیا ہوں میں قصہ اور ایک وذن کا   بنیا ابن نشاطی پھول بن کا
نہ ہوتا طبع کا پھول اس سوں خنداں   ولے وو دل کو نیں لگتا ہے چنداں   (۳ ب)

نظارا پھول بن کی باس لایا ؎ فکر میرے کو خیالاں میں ڈبایا
قلم نے کچھ عجب نقشہ چتارا ؎ قصہ وو جا یہ رنگیں تر سنوارا   (۴ ا)

یہ یک قطعہ ہے جنت کے چمن کا ؎ نہ دستا رنگ اس آگے پھول بن کا

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ واآلہ کو ابن نشاطی کا قصہ پسند نہ آیا تھا اور اس کے جواب میں انہوں نے یہ قصہ لکھا جو اُن کی نظر میں "رنگین تر" تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ واآلہ کی مثنوی ابن نشاطی

کی مثنوی پھول بن کے معیار تک نہیں پہنچ سکی۔ ان کی زبان میں بھی وہ لوچ نہیں ہے جو ابن نشاطی کی خصوصیت ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ایرانی نو وارد تھے اور ہندی اور دکنی الفاظ پر اُن کو وہ قدرت نہ ہو سکتی تھی جو ابن نشاطی کو حاصل تھی۔ واآلہ کے یہاں فارسیت اور تکلف غالب ہے۔ انہوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ دکنی باتاں

واقعہ یہ ہے کہ واآلہ نے یہ مثنوی ٹھیٹ دکنی زبان میں نہیں کہی ہے بلکہ اردو، فارسی اور دکنی کو ملاکر ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں ؎

یہ بزم عشق واآلہ نے سنوارا ٭ نوائے سوز کا ڈالا پکارا
چمن کا یک نیا شیوہ دکھایا ٭ ہندی اور فارسی دکھنی ملایا
یہ مالا گردن دانش کا ہے ہار ٭ بجے ہے جیت اس فن میں نہیں ہار

حقیقت یہ ہے کہ واآلہ نے شمالی ہند کے دوران قیام میں اردو سیکھ لی تھی اور دکن میں آنے کے بعد دکنی سے واقف ہو گئے تھے۔ فارسی ان کی مادری زبان تھی۔ اس طرح تینوں زبانوں کو ملا کر یہ قصہ لکھا ہے لیکن یہ نہ تو ٹھیٹ اردو ہی ہے اور نہ ٹھیٹ دکنی۔ بلکہ ایک درمیانی زبان ہے اور اس عبوری دور میں ایسی ہی زبان ایک غیر ہندستانی شاعر لکھ سکتا تھا۔

مثنوی کے خلاصہ میں ہاشمی صاحب نے مقام واردات کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ صرف ایک گاؤں کا ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ واآلہ نے اپنی مثنوی میں جگہ جگہ پرینڈہ کا ذکر کیا ہے جو مرہٹواڑی کا ایک مشہور قلعہ اور قدیم آبادی ہے۔ چنانچہ واآلہ نے قصہ کے آغاز ہی میں یہ عنوان قائم کیا ہے:۔

"در بیان رسیدن طالب بہ پرینڈہ وصفتِ آبادی آں و تعریف چشم خوبرویان آنجا بہ طریق تفصیل"

اسی سلسلہ میں متعدد ابیات کے بعد لکھا ہے ؎

دکھن سب سیر کر وار د ہوا ہے ٭ پرینڈے میں کہ جس جاگہ مزا ہے
دیکھے کیا چوکدھن بستی رنگیں ہے ٭ پرینڈہ میں جنت کی گل زمیں ہے

پھر متعدد ابیات کے بعد یہ بیت ہے ؎

پرینڈہ میں اتھا یک خوب چشمہ ٭ دو چشمے پر تماشے کا کرشمہ

پرینڈے کے جس مہاجن کی لڑکی موہنی پر طالب ہندستان سے آکر عاشق ہوتا ہے۔ اس کی ایک بہن مہاراشٹر ہی کے ایک مشہور شہر احمد نگر میں رہتی تھی جس کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

مہاجن کی بہن احمد نگر میں ٭ اتھی اوس وقت یک ہندو کے گھر میں

والا اس مثنوی کو دکن کے مثنوی نگاروں کی طرح حمد و نعت سے شروع نہیں کرتے بلکہ قصہ ختم کرنے کے بعد عنوان "فی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" قائم کر کے نعت لکھی ہے جس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

محمد سب نبیاں کا تاج مرسل　　وہی مقصود ہے آخر اور اول
نہیں کوئی اس برابر حق کا پیارا　　وہ سرور ہے شرف میں جگ سوں نیارا

نعت کے بعد ایک عنوان "در وصف عشق" کے تحت ۴ بیتیں لکھی ہیں اور پھر خاتمہ لکھا ہے۔ اس مخطوطہ کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

الٰہی جب تلک گل باغ میانے　　کھلے لالہ بہار باغ میانے
یہ قصے کا سدا رنگیں اچھے باغ　　بچن کے حاسداں کا دل اچھے داغ
عشق کے طالباں مطلوب پاییں　　امیدواروں کی امیداں بر آویں

اس نسخہ کے ترقیمہ میں کاتب نے اپنا نام لکھا ہے نہ سنہ کتابت۔ صرف یہ عبارت ہے:-

"تمام شد قصۂ موہنی و طالب بعون اللہ تعالےٰ"

۳۹ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - ۶" x ۹" -

۵۵۰ - مثنوی معارف محمدیہ - بہادر اولیاء حسینی قبل سنہ ۱۰۰۰ھ　　مثنوی اردو

بہادر اولیا حسینی چشتی دکن کے ایک قدیم صوفی تھے جو خواجہ سید میراں حسینی چشتی کے خلیفہ تھے۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے ان میراں حسینی چشتی کی نسبت بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون سے میراں حسینی تھے۔ اس نام کے کئی بزرگ گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں مقامات پر گذرے ہیں۔

حیدرآباد کے مشہور بزرگ سید میراں حسینی حموی ابراہیم قطب شاہ کے داماد تھے اور ان کے تفصیلی حالات مولوی مراد علی صاحب طالع نے رسالہ سب رس بابت اکتوبر ۱۹۵۶ء میں بعنوان غوث الثانی میراں حسینی شایع کئے ہیں لیکن وہ قادری سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ممکن ہے کہ سلسلہ چشتیہ سے بھی تعلق رہا ہو۔ بہر حال بہادر اولیا حسینی ایک قدیم شاعر تھے۔ اور ان کی اس مثنوی کی زبان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری خلف شاہ میراں جی شمس العشاق کے ہم عصر ہوں گے۔ اور شاہ میراں حسینی حموی ہی کے خلیفہ۔

بہادر اولیا حسینی نے اس مخطوطہ کو عربی سے شروع کیا ہے۔ پھر فارسی عبارت لکھی ہے اور آخر میں ۳۳ ابیات کی اردو مثنوی لکھ کر ختم کیا ہے۔ عربی میں حمد و نعت ہے۔ اس کے

بعد فارسی اس عبارت سے شروع ہوتی ہے :۔

"بعد ہٰذا می گوید فقیر حقیر بہادر اولیاء حسینی چشتی انچہ از مرشدانِ قادریہ وچشتیہ فیض بیعت وطریق خلافت و وصول حق وارشاد ظاہر وباطن من نفس مرشدی وسیدی ومولائی وشفیع یوم الحشر سید السادات حضرت خواجہ سید میران حسینی چشتی قدس اللہ اسرارہم العزیز رسیدہ بود"

اِس کے بعد اجازتِ خلافت قادریہ وچشتیہ دینے کا ذکر کیا ہے اور پھر اُردو مثنوی شروع کی ہے جس کی ابتدار اِس طرح ہوتی ہے ؎

نحن اقرب سوں حق ہے ظاہر مری نظر کے تیر ... بولیا ہے آپ تے او کہتا ہے نین تیر
ہر چیز اسی نظر سوں دیکھتا ہے روز وشب تو ... اپنی پچھان آپے کرتا نہیں نظر توں
با خاک وآب وآتش یا باد خود ہوئے ... ہندو کیا اور مسلماں جیو کی خبر نہ پائے
آیا ہے توں کہاں سوں تیرا وطن کہاں ہے ... تن چھوڑ جب چلے گا جیو کا وطن کہاں ہے

معلوم ہوتا ہے کہ بہادر اولیا چشتی نے اپنا تخلص حسینی اختیار کیا تھا۔ چنانچہ اس مثنوی کے درمیان میں ایک بیت میں حسینی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ وہ بیت یہ ہے ؎

اٹکا ہے اب حسینی نیناں میں لے کھلا ... جھولا ہے معرفت کا پلکھاں میں لے جھلا

اِس مثنوی میں تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ آخری ابیات یہ ہیں ؎

سورج کوں دھوپ پر نثار جاگا نہ رہی ہے ... یوں حق کوں دیکھ ہر نثار میں سب پر رہی ہے
یوں تن تے کاڑنے کوں آپی اجل کھڑی ہے ... دنیا ہوا حرص کے جھگڑے میں جوں پڑی ہے

اس مثنوی کے بعد ہی پیر محمد قادری کی دوسری دو مثنویاں لکھی گئی ہیں جن کا ذکر اس کے بعد ہی نمبر ۱۵ کے تحت کیا جائے گا۔ اس کے کاتب پیر محمد قادری کے سلسلہ کے ایک مرید معلوم ہوتے ہیں جو مرتضیٰ شاہ قادری کے خلیفہ تھے۔ اور انھوں نے اپنا نام نہیں لکھا۔

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

۴ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - ۲½ × ۶½ -

مثنوی اُردو

۵۱ - مثنویات - شاہ پیر محمد قادری۔

شاہ پیر محمد قادری ولد مرتضیٰ شاہ قادری بیدر کے مشہور صوفی حضرت شاہ ابراہیم مخدوم جی قادری کی اولاد اور خلفار میں شامل تھے۔ مخدوم جی گولکنڈہ کے مشہور اردو شاعر فیروز کے مرشد تھے۔ اور ابراہیم قطب شاہ بھی ان کا معتقد تھا۔ ان کے حالات فیروز کی مثنوی "توصیف نامہ میراں محی الدین"

(مخطوطہ نمبر ۶۵۳) کے سلسلہ میں تذکرۂ مخطوطات جلد اول کے صفحات ۱۴۴ تا ۱۴۷ پر درج ہو چکے ہیں۔
زیر نظر مخطوطہ میں پیر محمد قادری کی دو مختصر مثنویاں ہیں جن کو ان کے سلسلۂ خلفا کے ایک بزرگ نے نقل کیا ہے جو شاہ مرتضیٰ قادری کے مرید تھے اور اپنا سلسلۂ خلافت ان مثنویوں کے آخر میں لکھیا ہے۔ یہ دونوں مثنویاں تصوف کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ پہلی مثنوی طویل بحر میں ہے اور غالباً بہادر اولیا حسینی کی مثنوی (۵۵۰) کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔

اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

منگتا ہے پیو کوں نکلے شب روز دھیان دھرتوں
دو نین کے بھنور کو پلکاں لے اوٹا لوں
تن میں توں ڈھونڈتا ہے جیو کے سنگات کیا ہے
شریعت میں دیکھ جیو کوں جیو کا مقام کیا ہے

اسی سلسلہ میں ساتویں بیت میں مصنف نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے ؎

پٹ کھول دو نین کے معراج بھیک لینا ۔۔۔ پیر محمدا ہے دیدار بھیک دینا

اس مثنوی کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

اپسے بجا ہے نوری مومن کا دل بھتراو ۔۔۔ معراج نت نبی کا درپن منے اندراو
یو لا مکاں وطن ہے اول سمجھ خدا کوں ۔۔۔ چپ دیکھ کر سمجھ یوں اسمان ہور زمیں کی

اس مثنوی میں ۱۹ ابیات ہیں اور معراج کے واقعہ پر تصوف کے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ پیر محمد صوفی زیادہ ہیں شاعر کم۔ اس لئے لوازمات شعری کی پوری پابندی نہیں کی ہے۔

دوسری مثنوی چھوٹی بحر میں ہے اور ان ابیات سے شروع ہوتی ہے ؎

خداوند تعالےٰ حکیم است ذات ۔۔۔ کہ کرد آب را صورتِ باصفات
دریا کوں دیا ہے توں گردش بہتر ۔۔۔ ترہتا زمیں کو سو دریا اپر
ابر کوٹ پھاندے دگر ڈونگراں ۔۔۔ دگر جھاڑ میوے ندیاں بادلاں

اس مثنوی میں بھی مصنف نے اپنا پورا نام بطور تخلص استعمال کیا ہے جو اس بیت میں درج ہے ؎

او نوں میں کے کہ بہتر ٹھاؤں ہے ۔۔۔ کہ پیر محمد مرا ناؤں ہے

یہ مثنوی نسبتاً طویل ہے اور ادبی لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ یہ ۷۰ ابیات پر مشتمل ہے پہلی ایک اور آخری ساٹھ ابیات فارسی میں لکھی ہیں۔ حصہ اردو کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

نکل شب تے باہر توں دیکھو سور کوں ۔۔۔ کیا سور کس نے او سی نور کوں
ہوا تیں دن رات پر نور کا ۔۔۔ بھریا گنج مخفی بہتر سور کا

یہ مثنوی ان فارسی ابیات پر ختم ہوتی ہے ؎

جہاں گر نبودی چشم ہر سوار　　رسیدن چو براق عرشی شمار

دو چشم باز آر غفلت کلاہی از تن　　تا شکارے لا مکاں پرواز کن

کاتب نے بہت بے پروائی سے غلط سلط نقل کیا ہے۔ اگرچہ خط پختہ ہے لیکن اکثر جگہ لفظ غلط لکھ دیئے ہیں۔ آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جگہ اپنے سلسلہ کے مشائخ کے نام لکھ دیئے ہیں جو حضرت شاہ ضیاء الدین سری سقطی تک پہنچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسلہ سرورِ کائنات تک ہو لیکن آخر کا ایک ورق شاید غائب ہے۔

کاتب نے اپنا سلسلۂ خلافت جس طرح لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سید مرتضیٰ شاہ قادری خلیفہ تھے۔ غریب شاہ قادری کے اور یہ سلسلہ اوپر تک اس طرح گیا ہے۔ غریب شاہ قادری عبداللہ شاہ قادری۔ شاہ علی گنج گوہر قادری۔ پیر محمد قادری۔ مرتضیٰ شاہ قادری۔ شاہ حسین قادری۔ محمد اکبر قادری۔ ابراہیم شاہ مخدوم جی قادری۔ شمس الحق محمد ملتانی قادری وغیرہ

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

۴ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ۔ ½۲" × ¼۶"۔

۵۵۲۔ نالۂ درد۔ خواجہ میر درد ۱۱۹۰ھ　　تصوف فارسی

خواجہ میر درد (۱۱۳۴ تا ۱۱۹۹ھ) اردو کے مشہور شاعر تھے اور اساتذۂ سخن میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ وہ خواجہ ناصر عندلیب کے بڑے فرزند تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب ۲۴ واسطوں سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک پہنچتا تھا۔ دلی کے مشاہیر صوفیا سے تھے۔ وہ فارسی کے بھی بڑے ادیب اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا گھر نہ صرف مسند رشد و ہدایت کے باعث بلکہ شعر و سخن اور مشاعروں کی وجہ سے بھی دلی کے ارباب کمال اور صاحبانِ ذوق کا مرکز تھا۔ سیاست کی تباہ کاریوں سے جب اہل دہلی اور خاص کر صاحبان کمال بہت پریشان اور منتشر ہوگئے، خواجہ میر درد اپنی مسند درویشی پر ہی جمے رہے۔ چنانچہ اسی لئے میں سودا، میر، انشا، سوز، مصحفی اور جرات جیسے اساتذۂ سخن بھی دلی چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ درد دہلی میں آخر تک رہے اور وہیں ۱۱۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ وہ جس جگہ دفن ہوئے اس قبرستان میں سے جو نئی سڑک نکالی گئی ہے اس کا نام ہی خواجہ میر درد روڈ رکھا گیا ہے لیکن خود ان کی قبر اس نواح میں کس جگہ واقع ہے، آج کسی کو پتہ نہیں۔

درد کی زیر نظر فارسی کتاب ان کی وفات کے صرف ۵۴ سال کے اندر حیدر آباد میں نقل کی گئی ہے۔ اور بہت اہتمام سے خوشخط لکھی گئی ہے۔ اس کے دیباچہ میں خواجہ میر درد نے حمد ونعت کے مضامین کے بعد لکھا ہے کہ اس سے قبل وہ کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ابتدائے طفولیت ہی سے وہ لکھنے لگے تھے۔ چنانچہ پندرہ سال کی عمر میں رمضان کے آخری عشرے میں جب کہ وہ معتکف تھے۔ ایک رسالہ اسرار الصلوٰۃ لکھا تھا۔ اور ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی کہ کتاب واردات لکھی۔ پھر تنبیہ واردات اور اس کے بعد شرح علم الکتاب لکھی جو بہت مبسوط ہے۔ اور جس میں ایکسو گیارہ رسالے ہیں۔ جب ان کی عمر ۵ برس کی تھی۔ اور وہ اس وقت تک ایک صوفی صافی اور مرشد کامل بن گئے تھے تو جو کلمات پریشاں ان کے دل سے نکلتے تھے اُن کو ان کے بھائی محمد میر اثر نے قطرہ قطرہ کرکے جمع کیا اور ایک رسالہ بنا دیا۔ اس میں جہاں اشعار کی ضرورت پڑی خود ان ہی کے اشعار درج کئے ہیں۔ دوسروں کے اشعار داخل نہ ہونے دیئے اور اس کتاب کا نام خواجہ میر درد نے اپنے والد کی کتاب نالۂ عندلیب (۱۱۵۳ھ) کی مناسبت سے نالۂ درد رکھا۔ اس کا قطعۂ تاریخ ان کے بھائی محمد میر اثر نے یہ لکھا ہے ؎

گرد الہام حق بگوش اثر　　این کلامست از حبیب منت

گوش کن از سر صفا وصدق　　نالۂ درد عندلیب منت

درد کی دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں۔ آہ سرد۔ سوز دل۔ شمع محفل۔ درد دل۔ حرمت غنا وغیرہ۔

محمد میر اثر بھی اُردو کے ایک اچھے اور مشہور شاعر ہیں اور اپنے بھائی درد ہی کے شاگرد و مرید اور جانشین۔ ان کی اردو مثنوی خواب وخیال بہت مشہور ہے۔ اردو کا دیوان بھی مرتب کیا جس میں زیادہ تر چھوٹی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں۔

زیر نظر مخطوطہ میں درد کے اخلاق، صوفیانہ اور قلندرانہ خیالات اور فرمودات بہت ہی دلچسپ رنگین اور عاشقانہ انداز میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ ہر خیال نالہ کے عنوان سے درج کیا گیا ہے اور وضاحت کے لیے جو اشعار اور رباعیاں وغیرہ لکھی گئی ہیں وہ سب فارسی میں ہیں۔ اس طرح جملہ ۳۴۱ نالے یا مضمون ہیں۔ کتاب بہت دلچسپ ہے اور تصوف کے مضامین سے مالا مال۔ زیادہ تر قناعت، توکل اور درویشی وقلندری پر زور دیا ہے اور یہی ان کا مسلک تھا۔

کتاب کی ابتدا اس عبارت سے ہوتی ہے :۔

"حمد الٰہی کجا از دست من بے دستگاہ کما حقہٗ سرانجام خواہد یافت تا زبانِ خامہ باین ترنمایم پس ہماں بہ کہ لب بہ کلمۂ مسنونہ لا احصی ثنا علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک بجنبانیم۔"

آخری عبارت یہ ہے:۔

"بارے ایں رسالہ نالۂ درد کہ نمونۂ کتابہا و زینۂ تمام آں تصنیف ہائے اعلیٰ است صد
و چہل و یک نالہ موافق اعداد اسم مبارک ناصر دارد حق تعالیٰ بہ برکت ایں اسم شریف
قبولیت دریں رسالہ دہد و مصنف ایں را بہ بخشد۔ بمنہ وکرمہ فرد
از بسکہ نالہا ہمہ دیاد ناصر است ٭ تعداد آں موافق اعداد ناصر است"

اس کے بعد عربی میں دعا لکھی ہے۔
اس کتاب کو خاص اہتمام سے بخط نستعلیق شکستہ سید غلام حسین بن محمد اکرم بن محمد اعظم نے ۹ رشوال ۱۲۳۴ھ کو حیدرآباد میں نقل کیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاغذ قدیم ہے۔ کتاب بہت کرم خوردہ ہے لیکن عبارتیں واضح اور مکمل ہیں۔
کاتب خود لائق آدمی تھے جیسا کہ اس ترقیمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"بفضل او خاتم الامور ایں کتاب نالۂ درد بشوق مطالعہ خود و دوستاں در بلدہ فرخندہ بنیاد
حیدرآباد بتاریخ نہم شوال المکرم ۱۲۳۴ھ بخط شکستہ غلام حسین باتمام رسید۔"

اس ترقیمہ کے نیچے کاتب کے فرزند محمد حامد حسین نے خود بھی ایک عبارت لکھی ہے جس سے کاتب کے والد اور دادا کا نام محفوظ ہو گیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

"ہذا کتاب دستی والدم غلام حسین صاحب بن محمد اکرم بن محمد اعظم است۔ نمقہ الراقم
محمد حامد حسین عفی اللہ عنہ۔"

۵۰ ورق۔ ۱۴ ورق۔ ۶ × ۹۔

کلام فارسی

۵۵۳۔ دیوان مظہر۔ مظہر جان جاناں ۱۱۷۱ھ

مرزا جان جاناں (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۱ھ) ابن مرزا جان دہلی کے شریف زادے تھے جو کالا باغ مالوہ میں ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے ان کے والد کے نام کی مناسبت سے ان کا نام رکھا۔ ان کی والدہ بیجاپور کے ایک اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ باپ کی وفات کے بعد تقریباً پندرہ سال تک مدرسوں اور خانقاہوں میں خدمت کی اور نقشبندیہ سلسلہ کے بڑے صوفی اور مرشد مانے گئے۔ ہندو اور مسلمان سب ہی ان کے مرید اور معتقد تھے۔ حسن صورت و سیرت کا خاص فطری ذوق تھا۔ شیر خوارگی کے عالم میں بھی بدصورت کی گود میں نہ جاتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں اور مریدوں میں خوش رو اور پاکیزہ خو لوگوں کو پسند کرتے تھے۔ اوضاع و اطوار میں لطافت اور نفاست پیش نظر رہتی تھی۔ کلام بھی انہی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ اسی اتفاق

کے باعث زبان کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور دکنی زبان و محاورہ کو متروک کرکے دہلی کی زبان اور محاورے میں شعر و شاعری کرنے کی طرف اہل دلی کو متوجہ کیا۔ اُردو کے بہت بڑے شاعر اور استاد تھے۔ ان کے شاگرد بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر ہوئے جن میں انعام اللہ خاں یقین، عبدالحی تاباں، احسن اللہ خاں بیاں، اور میر محمد باقر حزیں مشہور ہیں۔ ادارے میں ان کے سلسلہ کے صوفیوں اور شاعروں کے متعدد مخطوطات موجود ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پہلی دو جلدوں میں گذر چکا ہے۔

اُردو شاعر ہونے کے علاوہ فارسی کے بھی ادیب اور شاعر تھے۔ چنانچہ ساٹھ برس کی عمر میں اپنے بیس ہزار فارسی اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا انتخاب کرکے دیوان مرتب کیا تھا۔ اساتذۂ فارسی کے اشعار کا ایک عمدہ انتخاب "خریطۂ جواہر" بھی جمع کیا تھا۔

زیر نظر مخطوطہ ان کے اسی منتخب فارسی دیوان کی نقل ہے جو نہایت خوشخط نقل کیا گیا ہے۔ اور نقل کرنے کے بعد کسی شخص نے اصل دیوان سے مقابلہ کرکے اس کی دوبارہ صحت بھی کی ہے چنانچہ اس کے حاشیہ پر جگہ جگہ تصحیح شدہ الفاظ اور مصرعے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے کاتب بھی غلام حسین ہی ہیں جنہوں نے ۱۲۳۴ھ میں خواجہ میر درد کا نالۂ درد (نمبر ۵۵۲) نقل کیا ہے۔ چنانچہ یہ دیوان اس مخطوطہ کے بعد ہی شروع کیا گیا ہے۔

ابتدا اس غزل سے ہوتی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے ؎

مطلع:- آبے نزد بروے گراں خواب بخت ما ✽ با آنکہ گریہ داد بہ سیلاب رخت ما
مقطع:- مظہر نما بریدو دگر یاد ما نکرد ✽ دیوانہ خوش نبود زو ضع کرخت ما

آخری اشعار یہ ہیں ؎

اکنوں چو خار بخت ز گلشن بروں کشد ✽ چوں رتبہ ام بایں ہمہ بے رتبہ کے بید
کے می رسد بسرو دمائے نظارہ ام ✽ یادیست آں کہ بودمین در اجارہ ام

کاتب نے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں لکھا ہے بلکہ صرف تمت تمام شد لکھا ہے۔ اس کے نیچے کاتب کے فرزند نے اپنی ایک مستطیل مہر ثبت کردی ہے جس پر نہایت خوشخط طغرئی میں حامد حسین کندہ ہے۔ یہ مخطوطہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ مدرس ہائی اسکول گولکنڈہ کا عطیہ ہے۔

۳۱ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ۔ ۶" x ۹"۔

۵۵۴۔ باغ ارم۔ مستعان علی نبیرہ شاہ علاء الدین صدیقی ۱۲۴۴ھ　　مثنوی اردو

یہ چار ہزار چار سو ابیات کی ایک طویل عمدہ مثنوی ہے جس میں مولانا روم کی "مثنوی معنوی" کی منتخب ابیات کا ترجمہ اور تشریح سادہ اور سلیس اردو میں کی گئی ہے۔ مصنف کی نسبت تفصیلی معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس پوری ضخیم مثنوی میں صرف دو جگہ مصنف نے اپنا تخلص اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

بہر نام مصطفیٰ و آل پاک　　مستعان کو بخش دے مت کر ہلاک　　(ورق ۲ ب)
ختم تیرے نام پر ہے یہ کتاب　　اے خدائے مستعان و مستطاب　　(ورق ۲۰۱۳ب)

شاعر کے نسب اور خاندان کے سلسلہ میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں تھا۔ اور اس کے جد امجد شاہ علاء الدین صدیقی تھے۔ اس کے والدین تصنیف کتاب کے وقت زندہ تھے اور اس کا خاندان وسیع تھا جس میں بھائی بہن عزیز اقربا اور اولاد شامل تھی۔ یہ معلومات ان ابیات سے حاصل ہوتی ہیں

تو مجھے انسان کی خلعت دیا　　نسل میں صدیق کے پیدا کیا
شاہ علاء الدین میرا جد جو　　ہے فقیری میں اُسے تیری مدد
رکھ مجھے ان کے قدم پر استوار　　واسطے صدیق کے اے کردگار
(ورق ۱۳۰ ا)

مجکو، بھایاں کو، میرے ماں باپ کو　　سب میری اولاد اور احباب کو
دیکھنا یک چشم رحمت کی نظر　　تا دو عالم میں نہ ہو ہم کو ضرر
(ورق ۳ ب)

شاہ علاء الدین صدیقی کی نسبت بھی صحیح طور پر معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ قاضی علاء الدین صدیقی اودگیر (قریب بیدر) کے بڑے مشہور بزرگ تھے۔ جن کے ایک نبیرے شمس الدین کی متعدد مصنفہ اور مکتوبہ کتابیں ادارے میں موجود ہیں جن میں سے بعض کا حال تذکرۂ جلد اول ص۱۵۹ و ص۱۶۸ میں شایع ہوچکا ہے۔

ممکن ہے یہ شاعر بھی انہی علاء الدین صدیقی کی اولاد ہو۔ اس لئے کہ وہ اودگیر کے قریب شہر بیدر کے ایک مشہور بزرگ ملتانی بادشاہ قادری کے سلسلہ میں مرید تھا اور اپنے مرشد کا نام اور خصوصیات اس طرح لکھی ہیں ؎

ہے مرا مرشد امام العارفین　　شاہ اسمٰعیل ملتانی یقیں

عرف ان کا نام حضرت بادشاہ — پیر ہیں پیروں کے اور شاہوں کے شاہ
خاندان ان کا ہے روشن آفتاب — ہیں مرے اجداد جس کے فیضیاب
پر طفیل اس شاہ دیں کے دل مرا — دین کے رستے طرف مائل ہوا

(ورق ۴ الف)

غرض شاہ اسمٰعیل ملتانی حضرت بادشاہ کی ہدایت پر ملتان نے تصوف کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اس سلسلہ میں مثنوی مولانا روم اس کو بہت پسند آئی اور اس کا ایک انتخاب کرکے روز و شب اس کو پڑھنے لگا۔ اور آخرکار اردو مثنوی کی شکل میں اس کا ترجمہ کرنے کی طرف مائل ہوا۔ وہ لکھتا ہے ؎

مثنوی تفسیر ہے قرآن کی — مثنوی کیسی ہے کل عرفان کی
جو کہے حضرت جلال الدین روم — ذات پاک ان کی تھی یک بحر علوم
اول اس سے کرکے تھوڑا انتخاب — روز و شب ہونے لگا میں بہرہ یاب
دل میں یوں آیا کہ گر یہ فارسی — ترجمہ ہو بازبان ہندوی
سہل تر مقصد کو پاویں دوستاں — پر دماغ اس کے سمجھنے کا کہاں

(ورق ۴ الف)

سبب تالیف کتاب کے آخری حصہ میں مصنف نے کتاب کا نام اور سنہ تصنیف بھی اس طرح لکھا ہے ؎

پس اسے فردوس عالی ہو مقام — اس لیے باغ ارم ہے اس کا نام
نام اس کا میں رکھا باغ ارم — رکھ مدام اس کوں خدایا محترم
سال بھی اس نام سے ہے آشکار — یک ہزار و دو صد و چہل و چہار

(ورق ۵ ب)

باغ ارم کا یہ نسخہ خاص اہتمام سے بڑی تختی پر پاکیزہ خط ثلث میں دیسی دبیز کاغذ پر بتعلم سات گرہ تصنیف کے صرف گیارہویں سال ۱۲۵۵ھ میں لکھا گیا ہے۔ ہر صفحہ کے اطراف اور دونوں مصرعوں کے درمیان سرخ روشنائی میں جدولیں کھینچی گئی ہیں اور تمام عنوانات بھی سرخ روشنائی میں صاف پاک اور نمایاں انداز میں لکھے گئے ہیں۔ خط بہت کھلا اور بین السطور بھی زیادہ رکھا ہے تاکہ پڑھنے میں سہولت ہو۔ پہلے صفحہ کی لوح پر رنگین نقش و نگار ہیں اور ابتدائی دو صفحات کی سرخ جدولوں کے درمیان زرد روشنائی سے حاشیے بنائے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب ارکاٹ کے شاہی کتب خانے کے لیے لکھی گئی ہو۔

اس کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:-

"الحمد للہ رب العالمین تمت الکتاب بعون الملک الوہاب بتاریخ بست و یکم شہر ذیقعد بروز شنبہ بوقتِ ظہر ۱۲۵۵ھ ہجری بحسب فرمایش مشفق مکرمی حضرت شیخ محمد علم خاں قبلہ کاتب الحروف محمد بہاء الدین ولد عبدالغفور مرحوم و مغفور ساکن سات گڈہ۔ جملہ ابیات چہار ہزار چہار صد معہ سیاہی و سرخی"

اس کتاب کا ایک اور ناقص اور غلط نسخہ کتب خانہ جامعۂ عثمانیہ میں نمبر ۶ ب ۱ پر موجود ہے۔ اور پروفیسر عبدالقادر سروری نے "تفصیلی فہرست اردو مخطوطات" میں صفحات ۶۶ و ۶۷ پر اس کی تفصیل قلمبند کی ہے اور لکھا ہے کہ

"۱۲۴۴ھ میں شروع ہو کر ۱۲۶۰ھ میں اختتام کو پہنچا"

جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ ۱۲۶۰ھ کتابت کی تاریخ ہے۔ سروری صاحب نے اس شکستہ آمیز غلط نسخے کو خود مصنف ہی کی تحریر قرار دے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ نہ وہ نسخہ مصنف کا مکتوبہ ہے اور نہ اس کتاب کی تکمیل ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ یہ ۱۲۴۴ھ میں مکمل ہو چکی تھی اور ۱۲۶۰ھ سے پانچ سال قبل اس کی کمس اور صحیح نقلیں بھی کی جا چکی تھیں۔ انہوں نے نمونے کے طور پر جو شعر نقل کئے ہیں ان کا مقابلہ زیر نظر نسخے کے اشعار سے کرنے پر پتہ چلا کہ وہ یا تو غلط پڑھے گئے ہیں یا کاتب ہی نے غلط لکھے ہیں۔

۱۳۸ ورق۔ ۱۹ سطور فی صفحہ۔ تختی ½۸ × ۱۳"۔

۵۵۵۔ بیاضِ بسمل۔ غلام علی بسمل و آجی ۱۲۹۲ھ — کلام اردو

اردو میں بسمل تخلص کے کئی شاعروں (امیر حسن خاں، پنڈت سندر لال، سید بہار علی، محمد عبدالحکیم، حافظ سید محمد حسین، محمدی بیگ، میاں محمدی دہلوی) کا ذکر تذکرۂ مخطوطات جلد دوم صفحات ۲۶ و ۲۷ پر گزر چکا ہے۔ ان چھ شعراء کے علاوہ بسمل تخلص کے اور شاعر بھی گزرے ہیں جن میں سے حسب ذیل نو کا ذکر تذکرۂ یادگار ضیغم (مخطوط ادارہ) میں موجود ہے۔

میر محمد عسکری لکھنوی۔ نواب حسین علی خاں۔ شیخ محمود علی۔ افضال احمد۔ میرزا احمد علی۔ شیخ محمد زماں عبدالرحمن۔ حاجی غلام بسم اللہ۔ مرزا عنایت علی۔ سید جبار علی۔ لیکن یہ مدراس کا رہنے والا کوئی اور ہی بسمل ہے جو ریختی میں بھی شاعری کرتا تھا۔ اور اس صنف کی حد تک اس نے ایک علٰحدہ تخلص آجی اختیار کیا تھا۔ چونکہ اکثر بیویاں اپنے شوہروں کو اجی کہہ کر مخاطب کرتی ہیں اس لئے بسمل نے یہی تخلص پسند کیا ہے۔

یہ مخطوط ناقص الاول ہے اور بلا کسی ترتیب کے بطور بیاض لکھا گیا ہے۔ اُردو غزلوں کے درمیان فارسی غزلیں اور ریختی اور رباعیاں، قطعات اور نظمیں سب ہی لکھدی ہیں۔ شاعر کی نسبت خارجی طور پر کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ صرف اس مخطوط میں سے جو کچھ معلوم ہو سکا اسی پر اکتفا کرنا پڑا۔ حسن اتفاق سے یہ مصنف ہی کا مکتوبہ ہے اور اس نے اکثر غزلوں کو بندہ بسمل لکھ کر شروع کیا ہے۔ اور اپنی نسبت کئی معلومات خود ہی محفوظ کر دی ہیں۔

ایک غزل کے آخری شعر میں اپنا نام غلام علی بطور معما لکھا ہے ؎

آب کوثر کیوں نہ ملے ہم کو ۔۔۔ حلقہ در گوش مرتضیٰ ہیں ہم (ورق ۸و)

دوسرے مصرعہ پر سرخ روشنائی میں صاد لکھ کر اس کے برابر سرخ روشنائی ہی میں لکھا ہے کہ "معما باسم غلام علی" ایک اور شعر میں اپنا نام صاف لکھا ہے (ورق ۲۶) ؎

یا پیر دستگیر غلام علی ہوں میں ۔۔۔ صاحب بھی مجھ کو حضرت مشکل کشا ملے

ورق ۳ ب پر ایک شعر ہے ؎

میں پکاروں گا تجھے لے مری پیاری پاچھی ۔۔۔ تو پکارے گی کہ اے میرے پیارے آرے

مصرع اول کے برابر پاچھی سے متصل سرخ روشنائی میں لکھا ہے کہ "نام معشوق بسمل"

یہ غزل در اصل بسمل کا فراق نامہ ہے۔ اس کے معشوق پاچھی کو اس کے دشمن بہکا کر بنگلور لے گئے تھے اور یہ مدراس میں اس کو یاد کر رہا تھا۔ لکھتا ہے ؎

جان جاتی ہے ترے ہجر کے مارے آرے ۔۔۔ مرے جانی مرے دلبر مرے پیارے آرے

دشمنوں نے تجھے بھڑکا کے بھگایا بنگلور ۔۔۔ ابھی آنا ہے تو اے دوست ہمارے آرے (ورق ۳ب)

اسی سلسلہ میں ایک اور شعر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھگا لے جانے والا کوئی سیاہ فام بنگلوری تھا۔

بسمل نے اپنے وطن کا ذکر اس رباعی میں کیا ہے، جو ورق ۱۱ ب پر درج ہے ؎

مدراس ہے گرچہ مولد اور وطن ۔۔۔ لیکن بتصدق حسین اور حسن

بسمل کی یہ التجا ہے اے شاہ زمن ۔۔۔ مکہ مرا مسکن ہو مدینہ مدفن

اسی کے نیچے ایک اور رباعی لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے صاحب ثروت تھا۔ بعد کو غریب اور مفلس ہو گیا ؎

زر رکھتے تھے پر ہو گئے بے زر بسمل ۔۔۔ گھر رکھتے تھے پر ہو گئے بے گھر بسمل

صیاد ازل نے دونوں بازو توڑے ۔۔۔ پر رکھتے تھے پر ہو گئے بے پر بسمل

مرزا غالب کے مشہور دوست اور شاگرد میاں داد خاں سیاح بطور سیاحت ۱۲۹۲ھ میں مدراس

پہنچے تو حسب عادت وہاں مشاعرہ منعقد کرایا جو ۱۹ محرم روز سہ شنبہ ۱۲۹۲ھ کو فیروز حسین خاں بہادر کے مکان پر منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ کے لئے سیاح نے مصرعہ طرح دیا تھا ع

آرزوئے دل ناشاد نکل جانے دو

اس مشاعرے کے لئے بسمل نے بھی غزل لکھی تھی اور اس میں ایک شعر خود سیاح سے مخاطب ہو کر پڑھا تھا جو یہ ہے ؎

میں ہوں مدراس میں سیاح کوئی صورت ہے | دلی کو لکھنؤ کو میری غزل جانے دو (۲۵ ل)

سیاح کے حالاتِ زندگی اور دیوان مرتبہ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی ادارے کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ جن صاحب (فیروز حسین) کے مکان پر مشاعرہ ہوا تھا ان کی تعریف میں بھی قطعات لکھے ہیں (دیکھو ورق ۴۷ ب) ایک غزل کے نیچے لکھا ہے کہ "بتاریخ ۱۹ ماہ صفر ۱۲۹۲ ہجری در ونکٹ گری نوشتہ شد"

اس کا مقطع یہ ہے ؎

خون سے بسمل کے او قاتل بھرے | کھل گئے جوہر تری صمصام کے (۲۵ ب)

ورق ۳۳ پر ایک نظم لکھی ہے جس میں نواب صاحب ارکاٹ کے محل میں انگریز گورنر کی دعوت کا سماں بیان کیا ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں ؎

آمد گورنر ہے عمدہ باغ میں | دعوتِ افسر ہے عمدہ باغ میں
حضرت نواب بیگم صاحبہ | آج کیا خوشتر ہے عمدہ باغ میں
جمع ہے وہ وہ پری رشک پری | محفل اندر ہے عمدہ باغ میں
یہ چمن اور یہ روش اور روشنی | کیا خوشی دل کے ہے عمدہ باغ میں
اہتمام بیس صاحب دیکھئے | خوش بخوش ہر پہر ہے عمدہ باغ میں
حضرت فیروز خاں کے حکم سے | ریگ سب گوہر ہے عمدہ باغ میں
دعوت گورنر کہ جشن جنوری | ایسے تو اکثر ہے عمدہ باغ میں
آجکا دن آجکی شب واہ واہ | اک سے اک بہتر ہے عمدہ باغ میں
گھر میں کیا بیٹھے ہو بسمل اٹھ چلو | دوست خود افسر ہے عمدہ باغ میں

اسی طرح ۱۸۸۵ء کی پہلی جنوری کی مبارکباد لاٹ صاحب کو اس طرح بھی ہے ؎

اک ہزار اور آٹھ سو اسی پانچ | ہے سنہ عیسیٰ مسیحا عیسوی
از طفیل مریم و فضل خدا | لاٹ صاحب کو مبارک جنوری

(۴۲ ب)

متعدد عیدیاں بھی لکھی ہیں جن میں سے بعض دوسروں کے لئے بھی لکھدی ہیں مثلاً ؎

عید قرباں خوشی سے آئی ہے ۔۔۔ گائے بجری کی بھی کٹائی ہے
چلو جائیں گے ہم بڑی مسجد ۔۔۔ خطبۂ عید کی پڑھائی ہے

ایک عیدی محمد انصر الدین کے لئے لکھی ہے ؎

بنواب زماں ناظر علی خاں ۔۔۔ طفل سورۂ یٰسین تبارک
چہ خوش گفتہ محمد انصر الدین ۔۔۔ مبارک عید رمضان ایں مبارک

ایک شعر میں اپنے نام کے تعلق کے لحاظ سے غلام علی آزاد بلگرامی کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

فارسی کا تھا وہ استاد میں ہندی شاعر ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں غلام علی آزاد مجھے (۳۷)

ایک نظم میں سرسید احمد خاں کی ہجو لکھی ہے جس میں دو تین شعر بہت فحش ہیں۔ اس نظم کے چند شعر یہ ہیں۔ (ورق ۴۸ ب) ؎

ہاں نہ مانوں گا خدا کو بھی کہ نیچر ہوں میں ۔۔۔ نہ مسلماں ہوں نہ ہندو ہوں نہ کافر ہوں میں
نام بتلاؤں مرا مولوی سید احمد ۔۔۔ نیچری قوم میں اک آل پیمبر ہوں میں
منہ میں چٹا رکھوں اور پاؤں میں موزہ پہنوں ۔۔۔ ترکی ٹوپی جو رکھوں سر پہ تو مسٹر ہوں میں

اسی طرح سے متعدد نظموں اور قطعات میں اپنے عہد کے واقعات محفوظ کر دیئے ہیں۔ اس عہد میں کوئی بزرگ حضرت بادشاہ تھے جن کی وفات ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ ان کی یہ تاریخ ایک قطعہ میں محفوظ کر دی ہے۔ اس کے بعد کی تاریخ کا کوئی قطعہ اس مخطوطہ میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے چند سال کے اندر ہی بسمل کی وفات ہو گئی ہو۔

قطعۂ تاریخ وفات حضرت بادشاہ صاحب (ورق ۴۹)

حضرت بادشاہ صاحب ما ۔۔۔ کہ ہمہ صوفیاں بہ برد سبق
در سن یکہزار و سہ صد و یک ۔۔۔ شب معراج گشتہ واصل حق

۱۳۰۱

خطاب بہ سالار جنگ (۵۰ ب)

اے جناب حضرت سالار جنگ ۔۔۔ گر کسے از فن بہ پیر سد بے درنگ
راست گویم ہمچو طفل مکتبند ۔۔۔ پیش عقل و دانشت اہل فرنگ

معلوم ہوتا ہے کہ بسمل سالار جنگ مختار الملک کی قدردانی اہل کمال سن کر حیدر آباد آیا تھا۔ چنانچہ سالار جنگ کی مدحیہ رباعی کے بعد لکھتا ہے ؎

صد حیف کہ ہم اپنے وطن سے چھوٹے ۔۔۔ افسوس ہے یاران کہن سے چھوٹے
بسمل تو لے روزگار روزی کے لئے ۔۔۔ جوں تمۂ غیر اپنے دہن سے چھوٹے

اس کے بعد کے ورق پر کسی خوشی کے واقعہ کا قطعہ تاریخ لکھا ہے جس سے ۱۲۹۵ھ نکلتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کو سالار جنگ نے ملازمت سے شاد کام کیا ہو یا خود اس کی شادی خانہ آبادی ہوئی ہو ؎

زشادیٔ بسملؔ نسیمے وزید　　　چمنہا چمنہا چو گلہا دمید
سنش گفت ہاتف زجوش بہار　　　بحقدار حق بے توقف رسید

۱۲۹۵

معلوم نہیں کہ بسمل نے بعد کو اپنا کوئی ردیف وار دیوان بھی مرتب کیا یا نہیں۔ اس بیاض پر وہ نظر ثانی کرتا رہا ہے اور اپنے اشعار کی خود ہی اصلاح بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر ایسے چند مصرعے یہاں درج کئے جاتے ہیں جن میں خود ہی بسملؔ نے اصلاح کی ہے مثلاً

آتشِ عشق سے تیرے لے گل　　　شعلۂ عشق سے تیرے لے گل
ہجر ساقی میں او میاں بسمل　　　ہجر ساقی میں دیکھ اے بسمل　　(ورق ۱۴ب)
مثل خضر نہ خواہش آب بقا کے ہیں　　　مثل خضر نہ چاہ میں آب بقا کے ہیں　　(ورق ۱۳ب)
چوں مہ و خورشید اے پیر فلک　　　صورت خورشید و مہ پیر فلک　　(ورق ۱۵ب)
کعبہ ملے مدینہ ملے کربلا ملے　　　مکہ ملے مدینہ ملے کربلا ملے　　(ورق ۲۵ب)
زاہد کبھی میخانے کے در پہ نہیں آتا　　　زاہد کبھی میخانے کے اندر نہیں آتا　　(ورق ۲۰ب)

بسمل ایک پختہ مشق شاعر تھا اور ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ سلام اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔ حضرت علی کی منقبت بھی کی ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کی مدح و منقبت میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ ریختی کی غزلوں میں بعض شعر نہایت فحش لکھے ہیں۔ زبان پر قدرت ہے اور شعر و سخن کی نزاکتوں اور خوبیوں سے واقف ہے۔

یہ مخطوطہ ناقص الاول ہے لیکن آخری حصہ بھی بغیر کسی ترقیمے کے بلا ترتیب ختم ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیاض کے صفحات ختم ہوجانے کے بعد دوسری بیاض میں اپنا کلام لکھنا شروع کیا تھا۔

یہ مخطوطہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

انصاف تیرا میرا اوست بروز حشر　　　اللہ کے روبرو ہے اللہ کے روبرو ہے
اے انقلاب گردوں دشمن کو دوست کردے　　　اب دوست بھی عدو ہے اب دوست بھی عدو ہے

اس بیاض کے آخری اشعار یہ ہیں ؎

اندنوں جوش جنوں ہے بسمل ناشاد کو　　　بولو حداد کو فصاد کو جلاد کو
میں اور عشق یار کا جھگڑا کہاں تلک　　　کہتی ہے میری جان جب تک جہاں تلک

یہ مخطوطہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔اے۔بی ایڈ مدرس ہائی اسکول گولکنڈہ کا عطیہ ہے۔
۹۴ ورق۔ ۱۵ سطری صفحہ۔ ۱/۲ ۵ × ۱/۲ ۸۔

۵۵۶۔ من لگن۔ قاضی محمود بحری ۱۱۱۲ھ — مثنوی اردو

قاضی محمود بحری گوگی (بیجاپور) کے مشہور صوفی شاعر اور ادیب تھے۔ ان کے حالات اور تصنیفات کا ذکر اس تذکرہ کی پہلی اور دوسری جلدوں میں گذر چکا ہے (دیکھو جلد اول صفحات ۵۵ و ۵۶ اور جلد دوم صفحات ۹۷ و ۹۸)

زیر نظر کتاب کا ایک نسخہ ادارے کے کتب خانے میں نمبر ۱۰۵ پر بھی موجود ہے۔ یہ مخطوطہ بھی مکمل ہے اور اس کے کاتب نے بھی کوئی ترقیمہ نہیں لکھا۔ خط نستعلیق نہایت پاک صاف ہے۔ لیکن اکثر الفاظ صحیح نہیں لکھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خط ثلث کے کسی قدیم نسخے سے نقل کیا گیا ہے اور کاتب دکنی زبان کے صحیح تلفظ سے واقف نہ تھا۔ بارھویں صدی ہجری کی کتابت ہے۔

آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے۔

اے روپ ترا رتی رتی ہے۔ بربت پربت پہتی پہتی ہے
پربت میں اوکہ نہ کم پتی میں یکسار ہے راس ہورہتی میں

آخری ابیات یہ ہیں

خاموش کوں بولتے ہوس ہے کہتے کوں کہے کہ بوالہوس ہے
رکھ اصل پوچھت نہ پچھاؤں ور کر ختم خدا کے ناؤں اوپر

اس نسخے میں ۱۰۰۰ سے زیادہ ابیات ہیں۔ عنوانات کے لئے اکثر صفحات پر جگہ چھوڑ دی ہے لیکن صرف ابتدا میں چند عنوان لکھے ہیں۔ آخر میں تمت تمام شد لکھ کر ختم کر دیا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

اوراق ۱۷۔ ۱۳ سطری صفحہ۔ ۵ × ۹۔

۵۵۷۔ عروس عرفاں۔ قاضی محمود بحری ۱۱۱۶ھ — تصوف فارسی

یہ بھی بحری مصنف من لگن (مخطوطہ نمبر ۵۵۶) کی ایک تصنیف ہے۔ اس کا ایک اور نسخہ جو اس کے پچپن برس بعد لکھا گیا تھا ادارے میں نمبر ۳۶۱ پر موجود ہے اور اس کی تفصیلات تذکرہ جلد دوم صفحات ۹۷۔۹۸ پر چھپ چکی ہیں۔

یہ نسخہ خط شکستہ میں ۱۲۲۸ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ اکثر الفاظ کے نیچے ابتدائی صفحات میں

تشریح بھی لکھی گئی ہے۔ خاص اہتمام سے مگر معمولی کاغذ پر قلمبند کیا گیا ہے۔ ہر صفحہ کے حاشیہ پر دوہری جدولیں سرخ روشنائی میں کھینچی گئی ہیں۔ عنوانات بھی سرخی میں لکھے گئے ہیں۔ کاتب لائق اور خوش خط، علم دوست آدمی تھے۔ اور یہ کتاب خود اپنے مطالعہ کے لئے لکھی ہے۔ کتاب مکمل ہے۔ آخر میں ایک ترقیمہ بھی لکھا ہے جو یہ ہے:۔

"ایں کتاب عروس عرفاں تصنیف قاضی محمود بحری بتاریخ سیوم ماہ صفر ۱۲۲۰ ہجری از خط زشت ہوالکریم باتمام رسید۔"

کاتب کا نام غالباً عبدالکریم ہے۔ اس نسخہ کے آخری ورق پر اس کی دو مربع مہریں بھی ثبت ہیں جن پر خط نسخ میں "ہوالکریم ۱۲۱۰ھ" کندہ ہے۔

اصل کتاب شروع کرنے سے قبل پہلے صفحہ کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہے ؎

یارب ایں باغ را از باد صرصر دور دار صبح و شام از بلبلانِ معنوی معمور دار

اس سے قبل ایک سادہ ورق پر کتاب کا نام عروس عرفاں لکھنے کے بعد میر غلام علی آزاد کا حسب ذیل شعر لکھا ہے۔

آزاد من از نسل حسین ابن علی ام ہر کس کہ در افتاد بمن نسل یزید است

اس کے نیچے میر غلام علی ارشد کا یہ جواب درج کیا ہے:۔

آزاد بود آں کس کہ زن مطلقہ باشد

عروس عرفان کا دوسرا نسخہ جو ادارے میں نمبر ۳۶۱ پر موجود ہے حیدرآباد کے ایک مشہور صوفی اور خوشنویس شاہ محمد حسین صاحب قبلہ (جن کی درگاہ محلہ آغاپورہ میں زیارت گاہ خلق ہے) کا مکتوبہ ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ نسخہ اس سے ۵۵ برس قبل لکھا گیا ہے اور مکمل ہے۔

زیر نظر نسخے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

"کسے کشید بہ برایں عروس عرفاں را کہ دید در دُرِ عرفانِ خویش عماں را

ایں رسالہ مثنی مقالہ مسمی بعروسِ عرفاں من کلام وحشت انتظام سرخیل خیل دماغاں قاضی محمود بحری ولد قاضی بحرالدین المعروف بقاضی دریا متوطن گوگی متصل قلعہ نصرت آباد المشہور بسگر مضافِ بصوبۂ دارالظفر بیجاپور در زمانِ نصفت توامان دین پرور دیانت گستر ابوالغازی سلطان اورنگ زیب غازی خلد ملکہ از کمن غیب بشہید شہادت نزول نمود۔"

آخری حصہ کتاب یہ ہے:۔

"امید وارم کہ ایں شاہد رعنا را کہ بحسن غیبی وجمال لاریبی آراستہ شدہ زیورِ قبولیت بخش دعزیز دلہا گردانند۔ بمنہٖ وجودہٖ۔

میں تو گر بہ نکتۂ عرفاں شدہ — بگذر از قصہائے کہنہ و نو
سیر کن ایں عروسِ عرفاں را — کہ ز شمعش بہ بست یک پرتو
چو مرتب شد ایں صحیفۂ غیب — عارفان جہانش گشتہ گرو
کہ چو ما بندگان بے چارہ — شد بہ شیرینیش قدر خسرو
گر بتار نجش آرزوئے بود — کامیاب عروسِ عرفاں شو "

اوراق ۱۵۰ - سطور ۹ فی صفحہ - ۸ × ۵½

آخری ورق پر کاتب نے اپنی مہروں کے نیچے ایک شکل بنائی ہے جس کے درمیان حرف م لکھ کر اطراف لکیریں کھینچکر م سے شروع ہونے والے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں جن کو ملا کر پڑھنے سے یہ دو شعر بنتے ہیں:-

من مایلِ محبوب مسلسل مویم — مفتونِ میانِ مہوشِ مہرویم
من میخورم میانِ میخانہ مدام — مسلکِ ملک مالکِ مکاں میگویم

۵۵۸ - دیوانِ سراج - شاہ سراج الدین اورنگ آبادی ۱۱۵۲ھ - کلام اردو

شاہ سراج اورنگ آبادی (۱۱۲۸ھ ۔ ۱۱۷۷ھ) کی دو مثنویاں سوز و گداز اور بوستانِ خیال ادارے کی قلمی کتابوں میں نمبر ۵۲۰ ب اور ۳۳۹ پر موجود ہیں اور ان کا ذکر اور ان کے سلسلہ میں سراج کے حالات تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول کے صفحات ۹۹ و ۳۲۰ پر درج ہو چکے ہیں۔

مثنویوں کے ان مخطوطوں کے علاوہ سراج کی غزلیں متعدد مخطوطوں میں شامل ہیں اور ان کی تفصیلات بھی پہلے کی دو جلدوں میں بیان کی جا چکی ہیں۔

زیرِ نظر مخطوطہ سراج کا ایک مکمل دیوان ہے جو خاص اہتمام سے بہت ہی نفیس اور قیمتی کاغذ پر نہایت عمدہ روشنائی سے اعلےٰ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ ہر صفحہ پر سرخ اور طلائی اور نیلی جدولیں ہیں۔ یہ ادارے کے ان مخطوطات میں سے ہے جو کاغذ اور کتابت اور نفاست کی وجہ سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کی جلد بھی بہت پرانی ہے اور اس پر بھی طلائی کام کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نسخہ خود سراج کی زندگی میں یا ان کے قریب زمانے میں نقل کیا گیا ہو۔

کاتب نے نہ اپنا نام لکھا ہے اور نہ زمانۂ کتابت۔ دراصل کوئی ترقیمہ ہی نہیں ہے۔

اس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

نام تیرا مطلعِ فہرست ہے دیوان کا — ہے زباں کا ورد خامہ اور خلاصہ جان کا
جی سے بہتی وجہ رنگ کی سدا سمرن پھر — دور کر من سے خیال من ملبھان کا

غزلیات کے آخری شعر یہ ہیں ؎

سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و دو — واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
اے سراج اس منتخب دیوان کے سب بیت تھے — خامۂ مژگانِ خوباں ہیں یہیں لائق جاکے

اس کے بعد ۹ رباعیات لکھی گئی ہیں۔ پھر فردیات ہیں جو پانچ صفحوں پر مشتمل ہیں۔ پھر ایک بازگشت اور ۴ مستزاد ہیں۔ ان کے بعد ۸ مستزاد لکھے ہیں۔ آخر میں ایک ترجیع بند ہے۔

یہ مخطوطہ ان اشعار پر ختم ہوتا ہے۔

تجھ جدائی ستی اے جانِ سراج — آشتابی کہ جان کندن ہے
تشنہ لب ہوں مجھے پلا یک بار — جان کندن میں شربت دیدار

اوراق ۱۶۷۔ سطور ۱۳ فی صفحہ ۴" × ۲½"

۵۵۹۔ کلیات سراج۔ شاہ سراج الدین اورنگ آبادی ۱۱۵۲ھ — کلام اردو

شاہ سراج الدین اورنگ آبادی (دیکھو مخطوطہ ۵۵۸) کا کلیات ہے جو خود اورنگ آباد میں غالباً شاہ سراج کی زندگی ہی میں نقل کیا گیا ہے۔ خط پاکیزہ نستعلیق ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ اس کی ابتدا مثنویوں سے کی گئی ہے۔

سب سے پہلے "در صفت حق سبحانہٗ تعالےٰ گوید" کا عنوان قائم کرکے وہ مثنوی لکھی ہے جس کو پروفیسر سروری نے "حمد باری تعالیٰ" کے عنوان سے اپنے مرتبہ کلیات مطبوعہ مجلس اشاعت دکنی مخطوطات میں صفحہ ۱۲۳ پر درج کیا ہے۔ اس میں اور اس مخطوطہ کی مثنوی میں کچھ لفظی اختلافات بھی ہیں۔ اس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں ؎

عجب قادر پاک کی ذات ہے — کہ سب میں ہیں نفی اور وہ اثبات ہے
سراج اب نگر گفتگو کا بیاں — بغیر از خموشی نہیں اب زباں

دوسری مثنوی مناجات کے عنوان سے لکھی ہے جس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں ؎

عجب عشق کی راہ پر پیچ ہے — کہ جس پیچ میں پیچ در پیچ ہے
تمنا میں اپنے مجھے رکھ مدام — بحق محمد علیہ السلام

مطبوعہ کلیات میں یہ مناجات صفحہ ۱۳۶ پر درج ہے لیکن اس مخطوطہ میں ابتدائی تین شعر زیادہ ہیں۔ اس طرح مطبوعہ مثنوی ناقص الاول ہے۔ اس کے علاوہ بہت غلط بھی ہے جس کا اندازہ حسب ذیل ابیات سے ہوگا۔

مطبوعہ کلیات میں	زیر نظر مخطوطہ میں
الٰہی مجھے درد بے داغ دے	الٰہی مجھے درد دے داغ دے

ہمیشہ مری چشم خوں بار رکھ | ہمیشہ مری چشم بیمار رکھ
دکھا خلوت معنیٔ بے فنا | دکھا صورت معنیٔ انما

مثنوی مناجات کے بعد زیر نظر مخطوطے میں نعت لکھی ہے جو مطبوعہ کلیات کے صفحات ۱۲۸ و ۱۲۹ پر شایع ہوئی ہے۔ اس میں بھی ایسی ہی غلطیاں اور اختلافات ہیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

نعت کے بعد صفت چاریار لکھی ہے جس کے آخری دو شعر مطبوعہ کلیات میں موجود نہیں ہیں۔ اس کے بعد مثنوی شروع کی ہے جو مطبوعہ کلیات میں صفحہ ۱۰۵ پر مناجات کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ پھر ایک عنوان قایم کیا ہے۔ "پیغام فرستادن بدست صبا" اس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں ؎

اے صبا ہے وطن ترا گلزار | نام تیرا ہے پیکِ خوش رفتار
خوب ہے اے سراج خاموشی | مست روپی کے جام بے ہوشی

یہ ایک طویل مثنوی ہے اور مطبوعہ کلیات میں بعنوان سوز وگداز صفحہ ۹۹ سے شروع ہوی ہے۔

اس کے بعد "پیغام فرستادن سوے دل ربا" کا عنوان قایم کیا ہے جو مطبوعہ کلیات میں "نامۂ شوق" کے نام سے ایک جداگانہ مثنوی کے طور پر صفحہ ۱۱۳ پر شروع ہوتی ہے۔ پھر عنوان ہے "پیغام فرستادن سوے دل ربا بدست قاصد"۔

یہ حصہ مطبوعہ کلیات میں احوال فراق کے نام سے صفحہ ۱۱۵ پر درج ہے۔ اس کے بعد عنوان ہے۔ "نامہ احوال نوشتہ است"۔ جس کو مطبوعہ کلیات میں "خط بندگی" اور "مطلب دل" کے عنوان سے دو مثنویوں کی شکل میں شایع کیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ سراج نے ایک مسلسل مثنوی لکھی تھی۔ چنانچہ اس کلیات میں وہ مثنوی مسلسل لکھی گئی ہے جس کے درمیان کئی عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ لیکن اس مثنوی کے اجزا کو مطبوعہ کلیات میں بے ترتیب آگے پیچھے ایسے عنوانات سے شایع کیا گیا ہے، جو اصلی مثنوی کے عنوانات سے مختلف ہیں اور جو علیٰحدہ علیٰحدہ چھوٹی چھوٹی مثنویاں معلوم ہوتی ہیں۔

اس طویل مثنوی کے بعد کلیات میں ایک قصیدہ درج ہے جس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے ؎

کہاں ہے یار موافق کہاں ہے یار ندیم | کہ ہو کے پاس کرے رسم بندگی تقدیم
سدا ہے صرصر غم میں سراج بے پروا | لگا ہے ہات او سے دامن رسول کریم

یہ قصیدہ مطبوعہ کلیات میں صفحات ۵۴۰ تا ۵۴۲ پر درج ہے۔

اس کلیات میں ورق ۱۰۵ سے دیوانِ غزلیات شروع ہوتا ہے اور اس دیوان کی ترتیب وہی ہے جو مخطوطہ نمبر ۵۵۸ کے سلسلہ میں درج کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دیوانِ سراج صرف اسی شکل میں رائج تھا اور ایک ہی اصل سے یہ سب نقلیں کی گئی تھیں۔

اس کلیات کے آخر میں حسبِ ذیل ترقیمہ درج ہے :-

"تمت تمام شد ایں دیوان شاہ سراج بوقت عصر روز سہ شنبہ بتاریخ ماہ شعبان کاتب الحروف میر ابراہیم ساکن اورنگ آباد۔"

اوراق ۱۳۷ - سطور ۱۷ فی صفحہ - ۹" × ۵½"۔

۵۵۹ ب - غزلیات حسین - عاشق حسین کلام اردو

کلیات سراج کے بعد اسی جلد میں بعد کو کسی اور کاتب نے کسی شاعر کی چار غزلیں نقل کی ہیں جس کا تخلص حسین تھا۔ یہ کوئی ایسا دکنی شاعر معلوم ہوتا ہے جس کا حال اب تک کسی کو نہیں معلوم اور نہ کلام ہی کہیں اور دستیاب ہوا ہے۔

ان غزلوں کے مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

(۱)	ہے عاشق کا طالع سکندر دیکھو	کیا سیر ساتوں سمندر دیکھو
	حسین عشق میں آکے مجروح ہوا	زخم ہیں گے یار و دل اندر دیکھو
(۲)	جب عاشق یتھا پاس رکھا	تب کسی دشمن کا نئی وسواس رکھا
	حسین عاشق عشق میں مست ہے گا	...... دل بر کے دل اداس رکھا
(۳)	جب عاشق راوت دکھن سوں پھرا	بھگا مار فوجوں کوں ان سوں پھرا
	حسین عشق میں آکے حیراں ہوا	دیوانہ ہو عاشق بال پن سوں پھرا
(۴)	محبت سوں تیری پریشانی میں آ	رہا گردش دورانی میں آ
	حسین عشق کی آتش میں جل گیا	یکایک دیکھو نوجوانی میں آ

چونکہ ہر غزل میں لفظ عاشق بھی کہیں نہ کہیں استعمال کیا ہے ممکن ہے کہ شاعر کا نام عاشق حسین ہو۔ شمالی ہند میں اس تخلص کے حسب ذیل شاعروں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ سید غلام حسین ولد سید عبداللہ دہلوی (گلشن بے خار) ۲۔ نواب غلام حسین خاں شاہ جہاں پوری (تذکرۂ ذکا) ۳۔ میر حسین علی رام پوری (تذکرہ سرور) ۴۔ حسین علی خاں مرزا پوری (تذکرہ جات: ذکا، سرور)

غلام حسین خاں جوہر بیدر کے رہنے والے دکن کے بہت بڑے ادیب اور مورخ اور آصفی خاندان کے موروثی منصبدار تھے۔ ۱۱۸۰ھ میں میر موسیٰ خاں رکن الدولہ دیوان دکن کے رفیق اور ملازم ہو گئے۔ اور ۱۱۹۰ھ میں غلام سید خاں مشیر الملک ارسطوجاہ کے یہاں باریاب ہو کر ان کی بارگاہ کے میر منشی مقرر ہوئے اور راز کے کام ان سے لئے جانے لگے۔ ۱۲۰۵ھ میں پانگل اور سری رنگ پٹن کے مہم میں بھی ان کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد جب دارالانشاء کا کام کسی اور کے سپرد کر دیا گیا تو جنگ کھرڈلہ کے بعد یہ بیدر میں خانہ نشین ہو گئے اور تصنیف و تالیف اور فارسی شاعری سے اپنا دل بہلانے لگے۔ چنانچہ عروض، سیر، حدیث، مناقب کے موضوعوں پر کتابیں لکھیں۔ ان کی بعض ابتدائی کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

مہر و ماہ۔ غیر منقوط ہے جو ۱۹ اجزو یعنی ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مہر لامع۔ جس میں خلفا کی منقبت لکھی گئی۔

ماہ ساطع۔ جس میں چودہ ائمہ معصومین کی منقبت ہے۔

علم رمل، اصول نجوم، مقدمات ہیئت و ہندسہ پر بھی رسالے لکھے اور معرفت حقایق و معارف اور عقاید اہل ملل و نحل اور تدبیر مدن پر بھی اخلاق ناصری کی طرز میں ایک کتاب لکھی۔

۱۲۱۸ھ میں جب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی فوت ہوئے تو ملک میں بڑی سراسیمگی پھیلی۔ اور بیدر میں خاص کر لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ کہ جسونت راؤ ہولکر کی فوجوں کے بیدر پر حملہ کرنے کی افواہ پھیل گئی تھی۔ جب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ فرزند نظام علی خاں کی تخت نشینی کی خبر بیدر پہنچی تو باشندگان بیدر کے ساتھ غلام حسین خاں جوہر کو بھی اطمنان نصیب ہوا اور اس کے بعد مہاراجہ چندو لال کی قدر دانی علم و ادب کی شہرت جب عام ہوئی تو جوہر بھی ۱۲۲۵ھ میں بیدر سے نکل کر حیدر آباد پہنچے اور مرزا بیدل کے انداز میں ایک اردو قصیدہ اور ایک مخمس لکھ کر مہاراجہ کے دربار میں سُنایا۔ مہاراجہ نے بہت پسند کیا اور جوہر کو اپنے دربار کے شعراء میں شامل کر لیا۔ مہاراجہ کی محفل میں یہ معمول تھا کہ بیدل کی ایک ایک غزل پڑھی جاتی اور شرکاء محفل اس کی شرح کرتے اور نزاکت مضمون اور لطف کلام پر بحث کرتے۔ یہ مباحثہ آخر کار مہاراجہ کے محاکمہ پر ختم ہوتا۔ ایک دفعہ جوہر کو ایک بیت شرح کے لئے دی گئی۔ اور انہوں نے اس طرح شرح کی کہ ان پر اعتراضات نہ ہو سکے۔ مہاراجہ نے خوش ہو کر ایک ہزار روپیہ کی تھیلی عطا فرمائی۔

ایک محفل میں ماہ لقا بائی چندا بھی آئی تھیں اور وہاں جوہر سے ان کا تعارف ہو گیا۔ اس کے بعد جوہر چندا کے یہاں بھی آنے جانے لگے۔ یوں تو انہوں نے چندا کو ۱۱۹۷ھ میں ارسطو جاہ کے دربار میں تسخیر نرمل کی مہم کے زمانے میں دیکھا تھا لیکن اس کے ۲۸ سال بعد جب چندو لال کے دربار میں ۱۲۲۵ھ میں دیکھا تو معلوم کیا کہ چندا اب حسن صورت و سیرت میں ماہ کامل بن گئی ہے۔ چندا کے دولت خانے پر جوہر نے دیکھا کہ وہ اکثر تاریخی کتابوں کے مطالعہ میں وقت صرف کرتی ہے اور خاص کر روضۃ الصفا اور حبیب السیر اس کو زیادہ پسند ہیں۔ ان ملاقاتوں کے بعد جوہر اسی سال بیدر واپس ہو گئے اور تین سال تک وہیں قیام پذیر رہے۔ آخر کار جب ۱۲۲۸ھ میں مہاراجہ چندو لال کے فرزند کی شادی کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اس اثنا میں ان کی مالی حالت بھی ٹھیک نہیں رہی تھی کیونکہ اس وقت ۳۰ افراد ان کے زیر پرورش تھے۔ جن میں ان کے بھائی اور بھتیجے بھی شامل تھے۔ غرض وہ ایک مثنوی تہنیت نامہ لکھ کر مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مثنوی میں شادی کی تکلفات اور آرایش و زیبایش کی تفصیلات اور مادہ ہائے تاریخ درج کیے۔ اس کے ساتھ ایک تاریخی کتاب تحفۃ الہند بھی بطور نذر پیش کی۔ جس کا تاریخی مادہ تحفۃ الہند مہاراج ہے۔ اس میں دکن اور ہندوستان کے راجاؤں اور بادشاہوں کے احوال اور جود و سخا کے واقعات درج کیے تھے۔ اس موقعہ پر مہاراجہ کے بھائی راجہ گوبند بخش سے بھی ملے جو اورنگ آباد، برار اور خاندیس کے صوبہ دار تھے۔

اسی سلسلہ میں ماہ لقا بائی چندا کے یہاں بھی حاضری دی۔ اس وقت چندا کا علمی ذوق اور بڑھ چکا تھا۔ چنانچہ ہر روز بعد نماز عصر تلاوت کلام مجید کے بعد وہ محفل میں بیٹھ کر حبیب السیر، روضۃ الصفا، نادر نامہ اور جلاء العیون اور اردو و فارسی شعراء کے کلام کا مطالعہ کرتی تھی۔ ایک روز غلام حسین خاں جوہر سے کہا کہ کیوں نہ آپ بھی میرے نام پر ایک باتصویر تاریخی کتاب قلمبند کریں جس میں خاص طور پر آصفی خاندان اور ان کے امراء و ارباب کمال کے حالات درج ہوں۔

اس فرمایش کی تعمیل میں زیر نظر تاریخ ماہ نامہ مرتب کی گئی ہے۔ اس کی تصویریں مشہور مورخ خافی خاں کے پوتے۔ سید غلام حسین خاں ولد سید غلام علی رضوی، ابن سید نجف علی خاں ذو الفقار جنگ مشیر الدولہ سے تیار کرائی گئی تھیں۔ یہ سید غلام حسین خاں فتح علی شاہ قاچار والیٔ ایران کے دربار میں بارہ سال رہکر مصوری اور شبیہ کشی اور خوشنویسی میں مہارت حاصل کر کے ۱۲۲۰ھ میں حیدر آباد آئے تھے۔ افسوس ہے کہ زیر نظر مخطوطے میں یہ تصاویر شریک نہیں ہیں اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ماہ نامہ کا اصلی باتصویر نسخہ اب کہاں ہے۔

آخرکار جوہر نے یہ کتاب ۱۲۳۳ھ میں مکمل کی اور اس کے لئے ماہ لقا بائی نے کافی رقم بطور صلہ عنایت کیا۔

ماہ لقا بائی حیدرآباد میں ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کی خالہ مہتاب کنور بائی کو آصفجاہ ثانی کے مدارالمہام رکن الدولہ نے اپنے عقد نکاح میں لے کر صاحب جی صاحبہ کا خطاب دیا تھا۔ چونکہ وہ لاولد تھی اس لئے چندا کو گود میں لے لیا تھا۔ اس طرح چندا کی پرورش ایوان وزارت میں ہوئی تعلیم وتربیت کے لئے بڑے بڑے باکمال مقرر ہوئے اور ساتھ ہی فن موسیقی کی تعلیم بھی مشہور اساتذۂ فن سے دلوائی گئی۔ ماہ لقا چونکہ ترکی الاصل تھی اس لئے حسن وجمال میں بے مثال تھی۔ ابھی پندرہ برس کی بھی نہ ہونے پائی کہ آصفجاہ ثانی کے دربار میں باریاب ہوئی۔ وہ اس کو اتنا چاہتے تھے کہ مہم کولاس (۱۱۹۶ھ)، معرکۂ نرمل (۱۱۹۷ھ) اور مہم پانگل (۱۲۱۷ھ) میں بھی ہمراہ سفر رکھا اور آخرالذکر مہم سے واپسی پر جو جشن ترتیب دیا گیا تھا اس میں چندا کو ماہ لقا کے خطاب اور نوبت سے سرفراز فرمایا۔ نیز ہر مجرے کے لئے ایک ہزار انعام مقرر کیا۔ اس سرفرازی کی تاریخ ایک شاعر نے اس طرح لکھی ہے۔

نوید آمد بہ عالم مہ لقا را — نوازش کرد از نوبت شہنشاہ
ترانہ ساز سالش گفت ناہید — بلند آوازہ نوبت بادل خواہ

ماہ لقا بائی کی گفتگو، طور طریق اور فن رقص کو دیکھ کر سکندر جاہ فرماتے تھے کہ:-

"مانند ماہ لقا بائی دیگرے بہ ایں کمالات پیدا شدن مشکل است"

جب بادشاہ وقت کی یہ رائے تھی تو وزراء و امرائے سلطنت ارسطوجاہ، میر عالم اور چندولال وغیرہ اس کی جتنی آؤ بھگت کرتے کم تھی۔ میر عالم تو اس کے بری طرح عاشق ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے اس کے سراپا میں جو مثنوی لکھی تھی اس کی چند منتخب ابیات یہ ہیں ؎

اے ماہ سپہر آشنائی — سرتا پائے تو دل ربائی
اے مردم دیدۂ محبت — سرتا قدمت طلسم الفت
تا حسن تو ناخنم بدل زد — عشقت رہ ہوش متعقل زد
تا روے ترا بمن نمودند — در ہائے بلا بمن کشودند
اے ماہ لقائے ماہ پیکر — اے ماہ جبین ماہ منظر
ہرگز نکنم ز تو جدائی — ترک رہ و رسم آشنائی
ہرگز نشود بہ بزم وصلم — چشم بد روزگار محرم
ہجر من و تو محال مطلق — دور از روش خیال عقلت
ہم جسم و جان من تو باشی — ہم روح روان من تو باشی

ماہ لقا اپنے عہد کی متمول ترین ہستی تھی۔ کئی گاؤں اس کی جاگیر میں شامل تھے۔ اڈک میٹ بھی جس پر ربع صدی قبل جامعہ عثمانیہ کی عمارتیں تعمیر پائیں اُسی کی جاگیر کا ایک موضع تھا۔ اس کو تعمیر کا بہت شوق تھا۔ اپنے زمانۂ حیات ہی میں اپنا ایک عالی شان مقبرہ مسجد اور اس سے متعلقہ عمارتیں کوہ مولا علی کے دامن میں دو لاکھ کے صرفے سے تیار کرائی تھیں۔ بارگاہ کوہ مولا کا پختہ دالان اور اس کے راستے پر حوض موسوم نی سبیل اللہ بھی اسی کی یادگار ہے۔ اس حوض کی تعریف میں ایک شاعر نے لکھا تھا۔

انتخاب زمانہ ماہ لقا — در جہاں شد بکار خیر کفیل
سالِ ایں چشمہ خضر گفت بمن — باد جاری ہا آبِ فیض سبیل

حیدرآباد میں اس نے اپنے قیام کے لئے ایک عالی شان حویلی اور اس سے متصل مسجد اور عاشور خانہ بھی تعمیر کیا تھا۔ یہ حویلی بعد کو سرکاری محل پرانی حویلی کے اندر محصور کر لی گئی۔ اور عاشور خانہ اب تک ہر سال محرم میں زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ اس میں چندا کی تیار کرائی ہوئی قدیم مشاہیر کی قدِ آدم تصویریں بھی علموں کے ساتھ ہر عشرۂ محرم میں استادہ کی جاتی ہیں۔

چندا اردو کی پہلی شاعرہ ہے جس نے ایک مکمل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ وہ اکتسابی یا فنی شاعرہ نہ تھی بلکہ اپنی فطرت اور اپنے ذوق کی مناسبت سے تفریحاً شعر کہا کرتی تھی۔ اس کے اشعار زیادہ تر اس کے ذاتی حالات و خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں شعریت، موسیقی، پاکیزگی اور لطافت نمایاں ہے۔ اپنی وفات سے ۱۴ سال قبل سنہ ۱۲۲۶ھ میں خود اس نے اپنا دیوان مرتب کیا تھا جس میں ایکسو پچیس غزلیں ہیں اور ہر غزل پانچ شعر کی ہے۔ غلام صمدانی خاں گوہر نے اس کا یہ دیوان اور حالاتِ زندگی حیات ماہ لقا کے نام سے سنہ ۱۳۲۴ھ میں شایع کئے تھے۔

چندا کو علم و فضل سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ اس کا کتب خانہ ہر علم و فن کی کتابوں سے مملو تھا۔ نظم و نثر کی جس نئی کتاب کا ذکر سنتی فوراً اس کی نقل اپنے کتب خانہ کے لئے خاص اہتمام سے کرا لیتی تھی۔ چنانچہ جوہر نے اپنی ضخیم تاریخ ماہ نامہ اسی کتب خانہ میں بیٹھ کر اور اسی سے استفادہ کر کے لکھی تھی۔

وہ عالموں، شاعروں اور مشائخوں کی ہر وقت امداد اور دستگیری کرتی رہتی تھی۔ ہر سال مختلف تقریبوں کے علاوہ کھٹ درسن کا ایک میلہ مقرر کرتی جس میں پہلے دن فقرا، حفاظ، قرا اور مشائخین کو دعوت دیتی اور تمام مشائخین شہر کے گھروں میں نام بنام ہر فرد خاندان کو

ایک ایک سیر مٹھائی روانہ کرتی۔ دوسرے دن تمام فقرائے آزاد و مداری و قادری و چشتی و رفاعی و بچاردہ، و گرز والا و بابا پیاری کا میلہ جمتا۔ ہر ایک کے لئے اکل و شرب کا انتظام ہوتا اور شیرینی وغیرہ سے تواضع کی جاتی۔ اس روز سو سو کوس کے فقرا جمع ہو جاتے تھے۔ تیسرے دن مساکین، غربا اور معذورین حاضر ہوتے، جن کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی اور چوتھے روز جوگی اور بیراگی جمع ہوتے۔ ان کو بھی اچھی طرح پوری کچوری کھلائی جاتی تھی۔

اس کی ڈیوڑھی بیرون ملک سے آنے والے صاحبان کمال کے لئے مہمان خانے کا کام دیتی تھی اور اس کے یہاں اچھے معزز اور ثقہ لوگ بھی بطور مہمان ٹھہرا کرتے۔ اس کی علم دوستی اور اعزاز و اکرام کی ایسی شہرت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرتا کہ ایک طوائف کے گھر میں کیوں کر ٹھہرا جائے۔

چندا کی مسافر نوازی اور باکمال ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی کے متعدد واقعات مشہور ہیں حافظ محمد تاج الدین مشتاق جو خواجہ میر درد کے ارشد تلامذہ میں تھے، جب حیدرآباد آئے تو ان کے فضل و کمال پر نظر کرتے چندا نے انہیں اپنے یہاں مہمان رکھا اور مہاراجہ چندولال کے دربار میں سفارش کر کے دو سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔

غرض چندا اس دور کی ایسی ہستی تھی جس نے اپنی علم دوستی اور سرپرستی فضل و کمال کے باعث حیدرآباد کی نیک نامی میں اضافہ کیا اور ارسطو جاہ اور میر عالم کے بعد اس شہر کی علمی و ادبی مرکزیت کو برقرار رکھنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اس نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

چندا کے حالات دکن کی جملہ تاریخوں اور تذکروں میں درج ہیں۔ اسی کی فرمایش پر زیر نظر کتاب لکھی گئی تھی۔ اس میں حمد و نعت و مدح نواب اکبر علی خاں سکندر جاہ کے بعد سبب تالیف ہیں، جوہر نے اپنے حالات بھی لکھے ہیں جن کا خلاصہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد خود چندا اور اس کے خاندانی حالات قلمبند کئے ہیں۔ اور پھر اصل کتاب شروع کی ہے، جو چودہ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ہر باب کو جوہر نے لمعہ کے نام سے موسوم کیا ہے ان لمعوں کے عنوان یہ ہیں :-

۱۔ آصف جاہ اول
۲۔ میر احمد خاں ناصر جنگ
۳۔ سید محمد خاں صلابت جنگ
۴۔ نظام علی خاں آصف جاہ ثانی
۵۔ برادران غفران مآب آصفجاہ ثانی
۶۔ امرائے عہد غفران مآب
۷۔ اکبر علی خاں سکندر جاہ
۸۔ امرائے نامدار و منتسبان عہد خصوصاً چندا بائی
۹۔ صوبہ جات ہند و دکن و سلاطین ہر صوبہ
۱۰۔ شرح مسافت و منازل ہندستان و بادشاہان آنجا۔

۱۱۔ تلمیحات ہند و دکن کہ در عہد شاہ جہاں بتصرف در آمدند۔
۱۲۔ مخلوقات و عرش و کرسی و افلاک سبعہ و تقسیم ارباع الارض۔
۱۳۔ عجائبات روئے زمین　　۱۴۔ پیدائش اشجار و جبال و عجائبات
خاتمہ۔ دیوان اشعار ہندی ماہ لقا بائی چندا

ابواب کی تفصیل کے بعد حسب ذیل جس تاریخی کتابوں کے نام لکھے ہیں جو اس ماہ نامہ کی ترتیب کے وقت مولف کے پیش نظر تھے۔

۱۔ روضۃ الصفا محمد بن خاوند شاہ　　۲۔ روضۃ الاحباب۔ میر جمال الدین عطاءاللہ
۳۔ گلشن ابراہیمی۔ محمد قاسم فرشتہ　　۴۔ مراۃ العالم۔ خواجہ بختاور خاں
۵۔ تاریخ اقبال نامہ جہانگیری　　۶۔ اکبر نامہ ابوالفضل
۷۔ ماثر الامراء، صمصام الدولہ شاہنواز خاں　　۸۔ تاریخ خافی خاں میر محمد ہاشم خوافی
۹۔ چار چمن رائے چتر من　　۱۰۔ سوانح دکن خواجہ منعم خاں ہمدانی
۱۱۔ تاریخ مہابھارتیہ　　۱۲۔ تاریخ ہفت اقلیم احمد رازی۔
۱۳۔ شاہنامہ ابوالقاسم فردوسی　　۱۴۔ تاریخ۔ بہمنی
۱۵۔ تاریخ قطب شاہی　　۱۶۔ زبدۃ التواریخ
۱۷۔ حبیب السیر　　۱۸۔ عالمگیر نامہ
۱۹۔ شاہ جہاں نامہ　　۲۰۔ توزک آصفیہ

یہ سب تاریخیں ماہ لقا بائی کے کتب خانہ ہی میں موجود تھیں۔

ادارے کے اس نسخہ میں ابتدائی آٹھ ابواب مکمل ہیں۔ آخری باب ماہ لقا بائی کے خاندانی اور ذاتی حالات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بعد قطب شاہی سلاطین کا حال شروع کیا اور اس خاندان کی مکمل تاریخ لکھی ہے جس کے آخر میں تانا شاہ کے خواہر زادے ابو محمد خاں کی ملاقات اور بالمشافہ تاریخی واقعات معلوم کرنے کا حال لکھا ہے۔

یہ کتاب اس عبارت سے شروع ہوتی ہے :-

"آغاز تحریر کلک مسرت تحریر بنگارش شکر و سپاس یکے زمزمہ پرداز است کہ مضراب حکمتِ بالغہ اش تار زبان را بہ نغمۂ فصاحت نواختہ"

آخری عبارت یہ ہے :-

"ابوطالب خاں فرزند حقیقی اش در عہد غفران مآب بمنصب سرفرازی داشت۔ اللہم اغفرہٗ"

یہ نسخہ صاف پاک خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ آخر میں ترقیمہ صرف اس قدر ہے:۔

"تمام شد تاریخ دکن موسوم بہ ماہ نامہ۔"

کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت نہیں لکھا۔ کاغذ اور سیاہی کے لحاظ سے پچاس سال قبل کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

اوراق ۱۳۳ - ۱۵ سطور فی صفحہ - ½۹ x ۱۳

۵۶۱۔ باغ و بہار۔ میر امن دہلوی۔ ۱۲۱۷ھ قصہ اردو

میر امن کی باغ و بہار اردو کی مشہور کتاب ہے جس میں چار درویش کا قصہ سلیس اور سادہ نثر میں جان گلگرسٹ کی فرمایش پر فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے لیکن اس زیر نظر مخطوطہ کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ یہ کتاب خود نظام دکن نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع نے نقل کرائی تھی۔ اور اپنے ایک امیر سید عبدالرحیم خاں بہادر کو عنایت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر الدولہ کو اردو کے مطالعہ کا ذوق تھا۔ اور وہ اپنے امیروں کو زر و جواہر و جاگیرات کے علاوہ کتابیں بھی عطا فرماتے تھے۔ یہ ان کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس کی نسبت دکن کی تاریخوں میں مواد نہیں ملتا۔

یہ مخطوطہ نہایت جلی خط میں بڑی محنت پر سنہ ۱۲۶۱ھ میں صاف پاک لکھا گیا تھا۔ مگر کاتب کوئی مشہور خطاط نہیں معلوم ہوتا۔ کتاب کا پہلا ورق تلف ہو گیا ہے اور یوں بھی ابتدائی چند اوراق ناقص حالت میں ہیں۔ ادارے کو بہت ہی خراب حالت میں ملی تھی۔ احتیاط اور اہتمام سے جلد بنوالی گئی ہے۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے:۔

"حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے۔"

آخری حصہ مکمل ہے اور اس نظم پر ختم ہوتا ہے جس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے ؎

مرتب ہوا جب یہ باغ و بہار — تھے سن بارہ سو سترہ در شمار

تو گونین میں لطف پر لطف رکھ — خدایا بحق رسول کبار

اس مخطوطے کے آخر میں یہ ترقیمہ لکھا ہوا ہے:۔

"بتاریخ چہار دہم شہر شوال المکرم روز جمعہ سنہ ۱۲۶۱ ہجری کتاب قصۂ چہار درویش در عہد نواب ناصر الدولہ بہادر بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدر آباد عرف بھاگ نگر سرانجام اختتام یافت۔ بتاریخ غرۂ شہر رمضان سنہ الیہ شروع نمودہ شد و چہار دہم شوال سنہ ۱۲۶۱ باتمام رسید بروز جمعہ۔ بزود بزود بوقت فرصت نوشتہ شد۔ تمت تمام شد۔"

اسی ورق کی پیشانی پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:۔

"این کتاب بہ عبدالرحیم خاں بہادر داده شده عنایتی نواب ناصرالدولہ بہادر
فرخندہ بنیاد حیدرآباد است"

اس ورق پر نیچے کی طرف نواب عنایت جنگ بہادر کی ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر
"مصور الطاف دعنایت حسین" کندہ ہے۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔
اوراق ۱۸۷۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$۱۲ × ۸۔

۵۶۲ گنج طلسم مع ترجمہ۔ شاہ نعمت اللہ ولی مترجم ڈاکٹر حفیظ سید۔ مثنوی فارسی و اردو

نعیم الدین شاہ نعمت اللہ بن جلال الدین بن امیر نظام الدین گولکنڈہ کے چوتھے حکمران سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ ـ ۹۸۸) کے عہد میں دکن آئے اور گولکنڈے میں قیام پذیر ہوئے۔ سلطان ابراہیم ان کا معتقد تھا اور گمان غالب ہے کہ ان کو اپنی ایک لڑکی بیاہ دی تھی انہوں نے گولکنڈے میں قلعہ کے مشرقی حصہ میں ایک عالی شان دو منزلہ خانقاہ تعمیر کرائی تھی جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ اس خانقاہ کے باغ میں ایک مرتفع چبوترے پر ان کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔ جس کے سرہانے دو باولی بھی اب تک موجود ہے جس کے اندر ایک حجرے میں شاہ نعمت اللہ صاحب اعتکاف فرمایا کرتے تھے

شاہ نعمت اللہ نے ۷ جمادی الثانی ۱۰۰۰ھ کو وفات پائی یعنے اسی سال جب کہ گولکنڈہ کے بجائے حیدرآباد قطب شاہی پایہ تخت قرار پایا تھا۔ شاہ صاحب کے فرزند شاہ خلیل اللہ بھی اپنے عہد کے صاحب باطن اور فیض رساں بزرگ تھے اور ان کی درگاہ بھی گولکنڈے ہی میں شاہ نعمت اللہ صاحب کی درگاہ سے کچھ فاصلہ پر اسی سڑک کے کنارے موجود ہے۔ شاہ خلیل اللہ کے نبیرے ولی اللہ بن سیف اللہ کو عبداللہ قطب شاہ نے ۱۰۷۶ھ میں قلعہ گولکنڈہ کے اندر زمینات اور باولیاں بطور انعام عطا کی تھیں۔ ولی اللہ کے فرزند حبیب اللہ کثیر الاولاد تھے اور سلطان ابوالحسن تانا شاہ نے ان کی درخواست پر قدیم جاری شدہ یومیہ پر مزید سات روپیہ یومیہ یعنے ۲۱۰ روپیہ ماہانہ امداد جاری کی تھی۔ ان کی اولاد اب تک حیدرآباد میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ سید ولی اللہ حسینی وکیل دروازہ دبیر پورہ کے باہر قیام پذیر ہیں۔ اور ان کے کاغذات ہی سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

مثنوی گنج طلسم ۳۲۴ ابیات کی ایک مثنوی ہے جو تصوف کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی کا ایک نسخہ ڈاکٹر حفیظ سید صاحب (الہ آباد) کو جبل پور میں دستیاب ہوا تھا اور انہوں نے

خود اپنے قلم سے اس کو طباعت کے لیے مرتب کیا۔ اور ہر شعر کے نیچے اس کا اردو ترجمہ بھی لکھا۔ اور یہی نسخہ ادارے کے کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش پر یہ اصلی مثنوی اور اس کا اردو ترجمہ ادارے کی طرف سے ۱۹۵۵ء میں کتابی صورت میں شایع بھی ہو چکی ہے۔

اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

اے دادہ بجسم آدمی جساں　　گنجے بطلسم کردہ پنہاں

اے وہ ذات جس نے آدمی کے جسم میں　　جان ڈالکر طلسم کا ایک خزانہ پوشیدہ کردیا

آخری بیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے ؎

بے غم ہمہ عمر شاد کردی　　زدویش غنی نہاد کردی

بے غم یہ تمام عمر خوش رہے　　غنی طبیعت درویش ہوجائے

ترقیمہ یہ ہے :-

"تمام شد بعون اللہ تعالےٰ گنج طلسم از خطا میر زبیر علا ابن شریف خاں ابن تیر انداز خاں قلعہ دار قلعۂ انتور۔"

مگر یہ دراصل اس نسخہ کا ترقیمہ ہے جس سے ڈاکٹر حفیظ سید صاحب نے یہ زیر نظر نسخہ نقل کیا ہے۔

۳۴ ورق ۔ ۱۰ سطور فی صفحہ ۔ ۶½ × ۴

۵۶۳　ترجمہ معرفت السلوک ۔ شاہ ولی اللہ قادری ۱۱۳۰ھ　　اُردو نثر

"معرفت السلوک" فارسی نثر میں تصوف کا ایک رسالہ ہے جو "من عرف" کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف شیخ محمود خلیفہ شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری تھے۔ اس کا ایک مخطوطہ ادارے میں نمبر ۲۰۳ پر موجود ہے اور اس کا ذکر تذکرہ جلد دوم میں صفحہ ۲۴ ۔ ۲۵ پر شایع ہو چکا ہے۔ یہ مخطوطہ دکن کے ایک اور مشہور صوفی سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری سالک خوش دہن کا مکتوبہ ہے۔

زیر نظر مخطوطہ اسی فارسی معرفت السلوک کا اردو نثر میں ترجمہ ہے جس کو حیدرآباد کے ایک مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ قادری نے اپنے والد اور مرشد شاہ حبیب اللہ قادری کے حکم سے اپنے عہد کی فصیح و بلیغ اردو میں (جو دراصل دکھنی ہے) ۱۱۳۰ھ میں منتقل کیا تھا۔ شاہ حبیب اللہ قادری حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے۔ ان کے والد پیر محمد بن محمد اکبر تھے ان یہ خود شاہ رضی قادری جلیری کے مرید و خلیفہ تھے بارہ سال تک جنگل میں ریاضت کرتے رہے۔

اس کے بعد قلعۂ بالکنڈہ آئے اور وہاں سے گلبرگہ پہنچکر قیام پذیر ہوگئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب گلبرگہ پر مرہٹوں نے حملہ کیا تو ان سے خرقِ عادت ظاہر ہوئی اور غنیم سے نجات ملی۔ قحط کے زمانے میں انہوں نے تعمیر مسجد کا کام شروع کیا اور بہت سے غرباء کو مزدوری میں ایک سیر جوار کا آٹا دے کر فاقہ کی موت سے بچایا۔ قحط ختم ہونے کے بعد چند ماہ مسجد میں عبادت کر کے حیدرآباد چلے آئے اور محلہ معتمد پورہ میں مقیم ہوئے۔ یہاں بھی بہت سے لوگ ان کے معتقد اور مرید ہوگئے۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ مریدوں نے خود اپنے ہاتھوں سے قبر کھودی اور ان کو دفن کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر پر چھ ماہ تک روشنی نظر آتی رہی۔ ان کے سترہ فرزند تھے جن میں سب سے بڑے شاہ ولی اللہ قادری تھے جنہوں نے ان کے حکم سے یہ ترجمہ کیا تھا۔ ان دونوں کے حالات تذکرہ اولیائے دکن مولفہ عبدالجبار خاں صوفی میں درج ہیں۔ (دیکھو جلد اول صفحات ۲۶۴ - ۲۶۶ اور جلد دوم صفحات ۱۱۳ - ۱۱۵)

اس اردو معرفت السلوک کے مولف شاہ ولی اللہ بھی اپنے والد کی طرح بہت بڑے صوفی اور صاحب کرامت بزرگ گذرے ہیں۔ نواب انورالدین خاں صوبہ دار کرناٹک اور ان کے فرزند نواب محمد علی خاں والا جاہ نواب کرناٹک دونوں ان کے معتقد تھے۔ ولی اللہ قادری گلبرگہ کی رنگین مسجد میں چند سال تک مقیم رہے اور پھر حیدرآباد آئے۔ ہر جمعہ کی نماز کے لیے مکہ مسجد پیادہ پا جاتے تھے۔ ایک روز خواب دیکھا کہ چلنے سے پاؤں تھک گئے ہیں۔ صبح میں مریدوں سے تعبیر پوچھی۔ کسی کے سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اتفاق سے اسی روز ایک امیر صندل خاں مرید ہونے کے لئے آئے اور پالکی نذر دی۔ اور کہاروں کی تنخواہ اپنی سرکار سے مقرر کردی۔

نظام الملک آصف جاہ جب ۱۱۳۷ھ میں حیدرآباد آئے تو ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور نواب انورالدین خاں تو ان کے مرید ہی ہوگئے۔ حیدرآباد کے دیگر مشائخین اور علما بھی ان کے علم و فضل کے باعث ان کی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے کئی رسالے بھی لکھے تھے جن میں سے اب تک صرف اسی معرفت السلوک کا پتہ چلا ہے۔

ولی اللہ قادری نے ۲۹ محرم ۱۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ حیدرآباد سے باہر باغ گوردھن سے متصل بالائے چبوترہ مدفون ہوئے۔ بعد کو نواب محمد علی خاں سراج الدولہ والا جاہ نے ان کی قبر کا احاطہ سنگِ سیاہ سے بنادیا۔

اردو معرفت السلوک کے کسی اور نسخہ کا کسی کتب خانہ میں اب تک پتہ نہیں چلا۔ جامعہ عثمانیہ اور سالار جنگ کے کتب خانوں میں بھی یہ موجود نہیں ہے۔ اور چونکہ عہد آصف جاہ اول میں

لکھی گئی ہے۔ اس لئے عہد آصفی کی پہلی اُردو نثر کی کتاب ہونے کے باعث یہ مخطوطہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اس میں حمد و نعت کے بعد ولی اللہ قادری نے سبب تالیف بیان کیا ہے جس کا ایک طویل اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ کتاب کی زبان اور اسلوب کا بھی اندازہ ہو سکے :۔

"بولتا ہے کم ترین مرید ہور واپس ترین شاگرد جاروب کش درگاہِ عالی ہور بارگاہ لاابالی عاجز فقیر الحقیر محمد ولی اللہ قادری کہ حکم کئے تھے گوں حضرت شہباز ولایت معدنِ ہدایت، آفتاب عالم تاب، بزرگ اولیا کے، بڑے اتقیا کے، ہور صدر نشین محمد مصطفےٰ کے، صاحب شریعت ہور طریقت کے، دریا حقیقت ہور معرفت کے، وارثِ محمد رسول اللہ، حضرت شاہ حبیب اللہ قادری باقی رکھے اللہ تعالےٰ انوں کوں ہمارے سر اور انکھیاں پر جب تلک کہ آفتاب چمکتا ہور چمکتا ہے کہ کتاب معرفتہ السلوک جو تصنیف مغفرت پناہی ہور شیخ الشیوخ بندگی معروف شیخ محمود بلطفِ معبود قدس اللہ سرہ العزیز کی ہے فارسی زبان میں سو اوسے ہندی زبان سوں بیان کر ہور آیت ہور حدیث کے معنے یک یک عیاں کر۔ تاکہ یک ایسے طالباں حق کے ہیں جو وو نا عربی جانتے ہیں ہور نا فارسی پہچانتے ہیں۔ ولیکن اپنے مطلوب کی طلب میں سچے ہیں ہور ظاہر عالم کی نظر میں کچے ہیں۔"

اس کتاب کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے :۔

"صفت ہور سراہنا بے غایت ہور شکر کرنا بے نہایت ثابت ہے اوس واجب الوجود کوں جو ممکن الوجود کوں ممتنع الوجود کے دائرے میں پیدا کیا ہور اپنے واجب الوجود کوں اس دونوں وجود سوں موجود ہور ظاہر کیا۔ بزرگ ہے بزرگی اوس کی ہور عام ہے نعمت اوس کی۔"

یہ کتاب اس عبارت پر ختم ہوتی ہے :۔

"اس نسخے اوپر مذکور ہوا ہے اسی روشن سلوک وجوداں کا دایراں کی تمام شرطاں سات ہور منزلاں ہور باتاں کی ہور مقاماں کی تمام معرفت سات بجا لیاوے تا وو حضرت حق سبحانہٗ جو ارحم الراحمین ہے اپنے عام کرم سوں ہور قدیم احسان سوں سالک کوں جذبہ اپنی محبت کا ہور عشق کا بخشے تا اس کوں اپنی معرفت کے علم میں ہور وحدت میں لے جاوے ہور تمام اپنے ظاہر ہور

باطن کے عالم کے تماشے دکھلاوے اپنے حبیب کی دوستی سوں"۔

یہ نسخہ بہت اہتمام سے صاف پاک خط نستعلیق میں بڑی تختی پر لکھا گیا ہے۔ پہلے صفحہ کی پیشانی پر طلائی نقش و نگار کیے گئے ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی میں درج ہیں اور عربی آیتوں پر بھی سرخی میں خط کھینچے گئے ہیں۔ اس کے کاتب غلام علی بیدری ہیں جنہوں نے تصنیف کے قریبی زمانہ میں شاید مصنف کی زندگی ہی میں اس کو نقل کیا ہے۔ لیکن سالِ کتابت لکھنا بھول گئے ہیں۔ وہ غالباً مولف ہی کے مرید تھے اور یہ کتاب اپنے ہی لیے نقل کی تھی۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے :۔

" تمام ہوئی یو کتاب پیر کے دن تیسرے پہر کے وقت اکیسویں تاریخ ماہ مبارک رمضان کے مہینے کی۔ حق سبحانہ و تعالےٰ کے کرم ہور فضل سوں۔ پڑھنے ہارا ہور لکھن ہارا اس کا کمینہ بندہ سب بزرگواراں کا ہور خاک غلام سارے بزرگاں کا غلام علی کاتب رہنے ہارا محمد آباد بیدر کا اللہ تعالےٰ اس کوں ایمان نصیب کرے و بخشے سارے گناہاں اس کے ہور اوس کے ماں باپ کے ہور بھرپور کرے سینہ اوس کا اپنے ذوق ہور شوق سوں۔ صدقہ اپنے حبیب کا جو محمد الرسول اللہ ہیں۔ درود ہووے جو اللہ تعالےٰ کا اون کے ہور اوپر آل ہور اصحاباں اون کے "۔

اوراق ۵۰۔ ۱۳ سطور فی ورق۔ ۸" × ۱۲"۔

۵۶۴۔ یادگار ضیغم۔ محمد عبداللہ خاں ضیغم ۱۳۲۴ھ — تذکرۂ اردو

یہ اردو شاعروں کا ایک نادر اور مبسوط تذکرہ ہے جس میں کئی ہزار اردو شعراء کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اس تذکرہ کا نقشِ اوّل لکھنو میں ۱۳۰۲ھ میں چھپا تھا۔ لیکن اس کی اشاعت کے سولہ سال بعد مصنف نے یہ مسودہ بطور نقشِ ثانی کافی شرح و بسط کے ساتھ تلمبند کیا ہے اور جگہ جگہ حاشیوں پر مزید معلومات کا وقتاً فوقتاً اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ضیغم اس میں آخر وقت تک ترمیم اور تشریح کرتے رہے۔ یہ غیر مطبوعہ ہے اور چونکہ خود مصنف کے قلم سے لکھا گیا ہے اس لیے غیر معمولی اہمیت کا مالک ہے۔ اس میں شاعروں کی اصلی عکسی تصویریں بھی شریک ہیں جو خود شعراء نے ارسال کی تھیں اور جو شاعر تذکرہ کی کتابت کے بعد فوت ہوئے ان کے انتقال کی تاریخیں حاشیہ پر لکھی گئی ہیں۔

ابتدا میں ایک طویل مقدمہ درج ہے جو نہایت تحقیق اور محنت اور مطالعہ کا نتیجہ ہے اور جس کی ترتیب میں مولف نے اپنے عہد تک کے جملہ مطبوعہ اور ان غیر مطبوعہ تذکروں سے جن تک ان کی رسائی ہوسکی تھی اردو زبان اور ادب کی تاریخ سے متعلق اہم معلومات قلمبند کردی ہیں۔ یہ تذکرہ اس قابل ہے کہ اس کو ایڈٹ کرکے شایع کیا جائے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جملہ اساتذہ سخن کے ذکر میں ان کے تلامذہ کی فہرست بھی مع نمونۂ کلام لکھدی گئی ہے۔ اور اکثر شعراء کی نسبت ذاتی ملاقاتوں اور تاثرات کا حال بھی قلمبند کردیا ہے۔

اس کے مولف محمد عبداللہ خاں ضیغم (۱۲۷۳ھ - ۱۳۵۷ھ) ہیں جو محمد صلاح خاں کے فرزند تھے۔ ان کے جد اعلیٰ نواب مصطفیٰ خاں قندھاری شاہ اودھ کی فوج کے رسالدار تھے اور لکھنؤ میں قندھاری بازار انہی کا آباد کیا ہوا محلہ تھا۔ جو غدر میں تباہ ہوگیا اور ان کے اعزہ واقربا خالص پور تحصیل ملیح آباد میں جاکر آباد ہوئے۔ صرف ضیغم کے والد لکھنؤ میں رہے اور یہ وہیں پیدا ہوئے اور نشو ونما پائی۔ جب ان کے والد نے ۱۲۹۱ھ میں وفات پائی تو یہ لکھنؤ چھوڑ کر حیدرآباد چلے آئے اور پھر یہیں کے ہورہے۔

حیدرآباد میں ضیغم کے خالو سر محمد صفی اللہ خاں نصرت جنگ نصیر الدولہ شرف الامرا کے سی ایس آئی قیام پذیر تھے اور سرکار آصفی میں عمدہ منصب پر سرفراز تھے۔ ان کا تعلق دراصل ریاست کرناٹک سے تھا لیکن جب اس ریاست پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تو سر شرف الامراء کو تاحیات تین ہزار روپیہ ماہوار مقرر کردی گئی اور مدراس کونسل کے رکن بھی بنائے گئے۔ لیکن انہوں نے حیدرآباد میں رہنا پسند کیا جہاں ان کی بڑی عزت کی گئی۔ آخرکار وہ یہیں سنہ ۱۲۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

ضیغم حیدرآباد آنے کے بعد اپنے خالو کے مکان ہی میں مقیم ہوئے اور یہیں ان کی دختر سے شادی کی اور اسی سلسلہ میں ۸۰ روپے ماہوار منصب ملنے لگی۔ اس طرح انہوں نے حیدرآباد ہی کو اپنا وطن بنالیا اور یہیں پچیس سال کی عمر میں یادگار ضیغم مرتب کیا جو سنہ ۱۳۰۳ھ میں لکھنؤ سے چھپا۔

ضیغم ایک اچھے شاعر بھی تھے اور شاعری کا شوق حیدرآباد ہی میں پیدا ہوا اور یہیں کے ایک استاد سخن نواب عباس حسین خاں شَشدد سے اصلاح لینے لگے۔ بعد کو جب حکیم نواب نیاز احمد خاں ہوش (نبیرۂ حافظ الملک رحمت خاں والی روہیلکھنڈ) حیدرآباد آئے تو ان کو کلام دکھایا۔ اور یہ سلسلہ سنہ ۱۳۰۹ھ تک جاری رہا۔ ان کی وفات کے بعد

خواجہ محمد باقر شیدا لکھنوی سے دوستانہ مشورہ لیتے رہے۔ یہاں تک کہ خود استادی کے درجہ کو پہنچے اور ضیغم دیوان مرتب کیا۔ واسوخت کا بھی ایک مجموعہ تھا لیکن نہ معلوم یہ چھپا یا نہیں۔

ضیغم قدیم رئیس زادوں کی طرح یار باش، خوش مزاج اور شگفتہ طبع انسان تھے۔ اُن کے یہاں مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے جن کی شہرت عرصہ تک رہی۔ متعدد نوجوانوں نے ان سے فیض صحبت پاکر شعر و سخن کا ذوق حاصل کیا۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ آخر عمر تک ان کے قویٰ مضبوط اور چہرہ پر افغانی خون موجیں مارتا تھا۔ وہ راقم الحروف کے ہم محلہ تھے۔ شاہ گنج میں مقیم تھے اور میں نے اپنے عنفوان شباب میں جب کہ جامعہ عثمانیہ میں زیر تعلیم تھا ضیغم کو چوک کی مسجد کے عقب کی مارکٹ سے ہاتھ میں بٹی لئے گوشت اور ترکاری کی دوکانوں سے سودا خریدتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ سر پر سُرخ ترکی ٹوپی، گول اور گرد ڈاڑھی، متوسط قد وقامت، انگریزی کوٹ کے نیچے سے سفید کرتا لٹکتا رہتا۔ عام طور پر چوڑی دار پائجامہ پہنے ہوتے۔ عمر ستر برس سے متجاوز ہو چکی تھی مگر چال اور جسم میں مستعدی اور پھرتی موجود تھی۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے ان سے تعارف بھی کرایا تھا۔ مگر کبھی اس کی توفیق نہیں ہوئی کہ ان کے قیام گاہ پر جاکر ان سے ملتا۔ یہ معلوم ہی نہ تھا کہ وہ اس وقت بھی اپنے اس زیر نظر تذکرہ پر نظر ثانی کر رہے تھے اور اپنے ہم عصروں میں جو جو فوت ہوتے جارہے تھے ان کے حالات کے حاشیہ پر وفات کی تاریخیں لکھتے جارہے تھے۔

یادگار ضیغم کے نقش اول سے متعلق ماہنامۂ آجکل دہلی بابت ڈسمبر ۱۹۵۲ء میں مختار الدین احمد صاحب کا ایک مضمون شایع ہوا ہے جس کے ساتھ،، شعرا کی تصویریں بھی چھپی ہیں۔ اس مضمون میں اس تذکرہ کو دو حیثیتوں سے اہم قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں صرف ساحر شعرا کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ بیشتر شعراء کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ اس مضمون میں کہیں یہ نہیں درج ہے کہ یہ تذکرہ کہاں لکھا گیا اور اس کا مصنف کہاں رہتا تھا۔ البتہ ضیغم کے جو خود نوشت حالات نقل کئے ہیں ان میں حیدرآباد کا ذکر ہے۔

مطبوعہ تذکرے میں ضیغم نے لکھا ہے کہ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۹۸ھ میں لکھا جانا شروع ہوا اور سنہ ۱۳۰۲ھ میں اختتام کو پہنچا۔ یہ تقریباً ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے برخلاف زیر نظر مخطوطے کے سرورق پر خود ضیغم نے یہ عبارت لکھی ہے:۔

"یادگار ضیغم یعنے شعرائے ماضی وحال کا تذکرہ جو سنہ ۱۳۱۰ھ سے لکھا گیا۔ اور سنہ ۱۳۲۲ھ میں مرتب ہوگیا۔ مولفہ محمد عبداللہ خاں ضیغم داماد آنریبل نواب سر شرف الامراء مرحوم۔"

اگرچہ سرورق پر لکھا ہے سنہ ۱۳۲۴ھ میں مرتب ہوا لیکن کتاب میں حاشیوں پر جگہ جگہ بعد میں اضافہ کیے ہیں مثلاً صفحہ ۲۱۳ پر حلمؔ کے حالات کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

"اس تذکرہ کے لکھنے کے بعد تخمیناً سنہ ۱۳۲۶ھ کے اول یا بعد میں انتقال کیا۔"

حافظ محمد ابراہیم خاں خلیل ٹونکی کی تصویر پر لکھا ہے کہ:۔

"سنہ ۱۳۰۳ھ کی تصویر ہے اور سنہ ۱۳۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔"

مہاراجہ یمین السلطنت کشن پرشاد کے حالات کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

"۵ر رجب سنہ ۳۰ھ تک مدارالمہام رہے۔ تنظیم جدید باب حکومت کے بعد ۱۷ر جمادی الاول سنہ ۴۵ھ لغایت ۲۶ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۵ھ تک صدر اعظم کی خدمت پر فائز رہے۔ بالآخر ۱۶ر اردی بہشت سنہ ۱۳۴۶ف کو بعد چہارشنبہ انتقال ہوا۔"

خود اپنی تصویر (صفحہ ۴۲۱) پر لکھا ہے:۔

"شبیہ مولف تذکرہ منعم۔ سنہ ۱۳۴۰ھ میں یہ فوٹو لیا گیا تھا۔"

تمام اندراجات خود منعم نے اپنے قلم سے لکھے ہیں گویا وہ سنہ ۱۳۵۶ھ تک اس میں اضافہ کرتے رہے۔

اس طرح یہ تذکرہ مطبوعہ تذکرے سے بہت بڑھ گیا ہے اور روبکار سائز کے ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جو طباعت میں مطبوعہ تذکرہ کی سائز کے پندرہ سو صفحات پر حاوی ہوگا۔ اس میں صرف ہم عصر شعرا نہیں بلکہ اردو کے جملہ شاعروں کے حالات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ محمد قلی قطب شاہ، نصرتی، عبداللہ قطب شاہ، ولی، سراج، داؤد، عاجز وغیرہ قدیم دکنی اساتذۂ سخن کے حالات بھی اس میں شامل ہیں۔ اس طرح یہ یادگار منعم کا نقش ثانی ہی نہیں بلکہ ایک علیحدہ ہی تذکرہ بن گیا ہے جو اس کی تالیف کے پچاس سال بعد تکمیل کو پہنچا۔ منعم چاہتے تو اس کو دوسرا نام بھی دے سکتے۔

حیدرآباد کے تمام مشہور شعرا اور ان ارباب کمال کا بھی اس میں ذکر درج ہے جو کسی نہ کسی سلسلے میں حیدرآباد آ گئے تھے اور جن میں سے اکثر حیدرآباد ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ایسے شعرا کی تعداد تقریباً دو سو ہے۔ ان کی ایک فہرست درج ذیل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ بہت سے ایسے شاعر ہیں جن کا اردو کے کسی تذکرے میں حال شریک نہیں ہوا ہے۔ اور خود حیدرآباد کی ادبی تاریخیں اور تذکرے بھی مثلاً دکن میں اردو، داستان ادب حیدرآباد، مرقع سخن اور سخنوران دکن وغیرہ بھی ان شعرا کے نام، حالات اور نمونۂ کلام

سے محروم رہے ہیں۔ اس فہرست میں ناموں کے آگے جو سنہ درج ہیں وہ سنین وفات ہیں۔

یادگار ضیغم کے وہ شعرا جو حیدرآبادی تھے یا حیدرآباد آئے تھے

احسن۔ سید مہدی حسن لکھنوی
احسن۔ سید علی احسن مادہروی
احسان۔ میر عباس علی خاں سنہ ۱۲۳۰ھ
احمد۔ علی الدین سنہ ۱۳۳۰ھ
اختر۔ لطیف احمد مینائیؔ
آزاد۔ غلام علی بلگرامی سنہ ۱۲۰۰ھ
آزاد۔ ابو الحمید
اشک۔ سید جمال الدین سنہ ۱۳۰۹ھ
اشفاق۔ محمدؐ علی اورنگ آبادی سنہ ۱۲۷۷ھ
اشہری۔ امجد علی
آصف۔ میر محبوب علی خاں
آصف۔ مبارز الدولہ گوہر علی خاں
افسر۔ سید احمد
الم۔ ڈاکٹر مہدی حسین رضوی
الفت۔ الف خاں
امید۔ مرزا اعظم خاں
ایماں۔ شیر محمدؐ خاں سنہ ۱۳۲۱ھ
ایما۔ میر حسن علی خاں سنہ ۱۲۳۰ھ
باقی۔ راجہ گردھاری پرشاد
بارق۔ مرزا مظفر حسین بیگ
بازغ۔ محمدؐ عبد الحی
بخشی۔ میر محمدؐ علی
برتر۔ محمدؐ نادر علی غازی پوری
برجیس۔ ولایت حسین خاں

بزم۔ مرزا عاشق حسین
بشیر۔ سید محمدؐ علی دہلوی
بلیغ۔ قدرت اللہ سنہ ۱۳۰۸ھ میں دکن آئے
بہار۔ سید علی قادری
بیان۔ احسان اللہ خاں سنہ ۱۲۱۳ھ
بیکل۔ سید عبد الوہاب دولت آبادی
بیدل۔ حکیم حبیب الرحمٰن سہارنپوری
بیگم۔ عابد مرزا
پاس۔ محمدؐ حفیظ الدین
تقی۔ مرزا محمدؐ تقی
تنہا۔ میر لطف علی مدراسی
توفیق۔ سید جلال الدین
ثاقب۔ نجم الدین بدایونی
جذب۔ اکرام علی حیدرآبادی
جلیل۔ حافظ جلیل حسن
جوش۔ سلطان الحکما میر وزیر علی خاں حیدرآبادی
جوش۔ مرزا غلام حسین مدراسی
جوہر۔ منشی ابو الحسن بریلوی (سنہ ۱۳۰۳ھ میں حیدرآباد آئے تھے)
حبیب۔ سید محمدؐ کاظم کنتوری
حبیب۔ حبیب اللہ
حشمت۔ میر حشمت علی سنہ ۱۳۳۶ھ
حفیظ۔ شیخ حفیظ اورنگ آباد سے حیدرآباد آئے۔ سنہ ۱۲۳۰ھ
حلم۔ محمدؐ جمال الدین خاں صادق جنگ سنہ ۱۳۳۶ھ
حمزہ۔ محمدؐ امیر حمزہ۔

حسن۔ مہدی حسین خاں
حیدر۔ حیدر حسین خاں ولد شیخ حفیظ سنہ ۱۲۰۵ھ
خرم۔ سیتل پرشاد سنہ ۱۳۲۶ھ
عاشق و خورشید۔ شاہ حسین خوش نعت علی خاں ۱۲۹۰ھ
داؤد۔ مرزا داؤد اورنگ آبادی سنہ ۱۱۶۸ھ
داغ۔ نواب مرزا سنہ ۱۳۲۲ھ
دردمند۔ محمد فقیہ اودگیری
دولت۔ مرزا دولت علی بسنہ ۱۱۷۵ھ میں اورنگ آباد آئے ۱۳۱۰ھ
ذکا۔ اولاد محمد خاں سنہ ۱۲۱۰ھ اورنگ آباد
ذکا۔ محمد حبیب اللہ سنہ ۱۲۹۷ھ
ذہن۔ شیخ عبدالرحیم سنہ ۱۲۹۰ھ
ربط۔ رائے بالا پرشاد
رجا۔ غلام محی الدین خاں سنہ ۱۲۹۱ھ
راز۔ محمد برہان الدین سنہ ۱۳۰۳ھ
رسا۔ محمد وجیہ الدین خاں
رشید۔ محمد شکر اللہ خاں تحصیلدار اورنگ آباد ۱۳۰۳ھ
رضا۔ محمد قطب الدین خاں وکیل حیدرآباد ۱۳۱۳ھ
رستم۔ رستم علی الہ آبادی
رعد۔ میر نادر علی
رنج۔ میر محمد علی موسوی سنہ ۱۳۲۱ھ
زائر۔ حاجی احمد حسین سنہ ۱۳۲۱ھ
سائل۔ سراج الدین احمد خاں
سخی۔ میر خیرات علی خاں سنہ ۱۳۱۹ھ
سخا۔ نظر حسن خاں سنہ ۱۳۰۱ھ میں حیدرآباد آئے
سخنور۔ محمد یعقوب علی سکندرآبادی
سراج۔ اورنگ آبادی سنہ ۱۱۷۷ھ
سراج۔ سید سراج بادشاہ

سفیر۔ شایق حسین سفیر
سکندر۔ خلیفہ محمد علی سنہ ۱۸۰۰ء
سلام۔ خواجہ معین الدین چشتی
سمجھ۔ غلام محمد سنہ ۱۲۷۳ھ
سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ
سیاح۔ میاں داد خاں اورنگ آبادی سنہ ۱۹۰۷ھ
شاداں۔ چندو لال
شاد۔ کشن پرشاد
شایق۔ سید اعظم علی
ششدر۔ میر عباس حسین خاں سنہ ۱۳۱۷ھ
شعلہ۔ میر کاظم علی خاں سنہ ۱۳۰۸ھ
شوق۔ غلام محمد عرب
شوکت۔ سید کاظم علی بلگرامی
شور۔ گل محمد نجب آبادی سنہ ۱۳۱۷ھ
شہید۔ احمد علی خاں سنہ ۱۲۹۳ھ
شہید۔ غلام امام سنہ ۱۲۹۶ھ
شہید۔ ملا باقر اورنگ آباد سنہ ۱۱۶۸ھ
شیفتہ۔ محمد خاں سنہ ۱۳۱۳ھ
شیفتہ۔ حاجی سید محمد کاظم حسین
شیدا۔ خواجہ محمد باقر لکھنوی سنہ ۱۳۴۹ھ
صاحب۔ سید محمد شیر زماں خاں سنہ ۱۳۱۲ھ
صاف۔ سید حیات الدین سنہ ۱۲۹۰ھ
صمد۔ عبدالصمد حیدرآبادی سنہ ۱۲۹۳ھ
ضامن۔ سید محمد ضامن کنتوری
ضیغم۔ محمد غضنفر شاگرد فیض
ضیغم۔ محمد عبداللہ خاں
ضیا۔ مرزا عطا بیگ اورنگ آبادی سنہ ۱۱۸۳ھ

منیف - میر زین العابدین حیدر آبادی
طوفاں - غلام محی الدین شاگرد مشتاق
ظہیر - سید ظہیر الدین حسین خاں ۱۳۲۹ھ
عاشق - سید محمد سلطان دہلوی ۱۳۰۹ھ
عاجز - عارف الدین خاں ۱۱۷۰ھ
عازم - محمد امداد حسین اورنگ آبادی تولد ۱۳۰۰ھ
عبداللہ - قطب شاہ
عثمان - آصفجاہ سابع
عجب - محمد عبداللہ شاگرد فیض
عدیل - سید محمد عسکری ۱۳۴۳ھ
عرش - سید محمد علی نعمانی
عرشی - ابو القاسم تاجپوری
عزلت - عبدالولی ۱۱۸۹ھ
عزیز - عزیز یار جنگ
عشرت - ابو البرکات خان اورنگ آبادی ۱۱۸۰ھ
عصر - میر احمد علی ۱۳۲۱ھ
عطا - میر تفضل حسین ۱۲۷۵ھ
علوی - امداد علی ۱۳۱۹ھ
علوی - حکیم محمد ابراہیم دہلوی ۱۳۱۲ھ
غبار - سید صادق حسین
غشی - سید وجیہہ الدین
فروغ - سید امیر حسن
فکر - محمد باقر ۱۳۱۲ھ
فلاطون - ڈاکٹر بی
فیض - شمس الدین ۱۲۸۳ھ
قصد - حسن مرزا ۱۲۹۰ھ
قطب - سلطان محمد قطب شاہ ۱۰۳۵ھ

قمر - قطب یار جنگ ۱۳۰۸ھ
قیس - محمد صدیق ۱۲۶۳ھ سے قبل
کافی - میر عباس علی خاں ۱۳۲۶ھ
کرم - راجہ بھگوان سہائے ۱۳۲۹ھ
کیفی - رضی الدین حسن ۱۳۲۹ھ
گرم - میر شجاعت علی ۱۲۹۰ھ
گوہر - غلام صمدانی خاں
لطف - مرزا علی ۱۲۳۸ھ
لمعہ - سید نوازش علی
مائل - ڈاکٹر احمد حسین
متین - غلام محی الدین شاگرد مشتاق ۱۲۹۰ھ سے قبل
محسن - میر محمد محسن اکبر آبادی ۱۲۴۸ھ
محزوں - میر غلام حسین اورنگ آبادی ۱۱۸۵ھ
محفوظ - حافظ شیخ محی الدین ۱۳۲۵ھ
مزاج - مظفر الدین خاں
مسرت - میر وزیر علی دہلوی
مشتاق - حافظ تاج الدین ۱۳۵۱ھ
مشتہر - سید نعمت حیدر آبادی
مطلب - خواجہ جمال الدین ۱۲۲۵ھ کے بعد
معنی - محمد وجیہہ الدین خاں ۱۲۸۹ھ
معلی - محمد مظفر الدین
ملا - ملا عبد القیوم ۱۳۳۰ھ
منیر - حافظ محمد منیر الدین ۱۳۲۱ھ
مہر - مہر علی اورنگ آبادی ۱۱۷۰ھ - شاگرد
مرزا محمدی بیگ مرزا اورنگ آبادی
مہدی - محمد سلیمان دہلوی ۱۳۸۰ھ حیدر آبادی
میکش - شمس الحق ۱۳۲۳ھ

نامی ۔ سید اصغر علی

نثار ۔ مرزا محمد جان شاگرد سراج اورنگ آبادی سنہ ۱۲۱۲ھ

نجیب ۔ میر برکت علی

نصیر ۔ شاہ نصیر الدین

نصرتی ۔ محمد نصرت سنہ ۱۰۷۶ھ

نظم ۔ میر علی حیدر سنہ ۱۲۵۳ھ

نفیس ۔ محمد رفیع الدین حسین

واقف ۔ غلام حلیم حیدرآبادی

والہ ۔ محمد عبد العلی سنہ ۱۳۱۱ھ

واصل ۔ محمد امداللہ

واحد ۔ محمد عبد الواحد ولد والہ

وحید ۔ وحید الدین احمد خاں دہلوی

وزیر ۔ آصف یاور الملک سنہ ۱۳۲۹ھ

وصفی ۔ سرفراز علی سنہ ۱۲۹۵ھ

وصی ۔ وصی الحسین سنہ ۱۳۰۰ھ

وطن ۔ افتخار علی شاد سنہ ۱۳۲۵ھ

ولی ۔ اورنگ آبادی

ہادی ۔ حافظ ابوالحسن محمد داؤد سنہ ۱۲۸۰ھ میں حیدرآباد آئے۔

ہاتف ۔ حکیم عاشق حسین سنہ ۱۳۴۷ھ

ہجر ۔ غلام امام خاں سنہ ۱۲۸۵ھ

یاس ۔ محمد عبد القادر شاگرد فیض سنہ ۱۲۹۶ھ

یوسف ۔ یوسف خاں سنہ ۱۲۸۱ھ

اِس تذکرہ کی جامعیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں صرف مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کے ۹۰ شاگردوں کے حالات اور نمونۂ کلام بھی شریک ہیں۔ ان میں سے آٹھ دس ایسے ہیں جن کا ذکر کسی اور تذکرہ میں نہ مل سکا۔ چنانچہ غالبیات کے مشہور ماہر مالک رام صاحب مولف ذکر غالب نے اپنی کتاب شاگردانِ غالب کے لئے اسی تذکرہ سے ان کے حالات نقل کرا کے حاصل کئے۔ اِن شاگردانِ غالب کی فہرست یہ ہے۔

شاگردانِ غالبؔ

احسن ۔ حکیم مظہر حسن خاں رامپوری

احسان ۔ احسان علی خاں

ادیب ۔ محمد سیف الحق

آرام ۔ شیو نرائن

آگاہ ۔ سید احمد مرزا

انور ۔ سید شجاع الدین امراؤ مرزا

بسمل ۔ حاجی غلام بسم اللہ

بیمار ۔ حکیم مراد علی

بیدل ۔ حکیم حبیب الرحمٰن سہارنپوری

بے صبر ۔ منشی بال مکند

ثاقب ۔ شہاب الدین احمد خاں

ثاقب ۔ سید محمد ولادد علی

حزیں ۔ میر بہادر علی

حسین ۔ خورشید حسین

حشر ۔ حکیم سید فصیح احمد

حالی ۔ الطاف حسین حالی

راقم ۔ خواجہ قمرالدین خاں

سالک ۔ مرزا قربان علی بیگ

سروش ۔ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں
سوزاں ۔ حبیب الدین
سیاح ۔ میاں داد خاں
شاداں ۔ مرزا حسین علی خاں
شعلہ ۔ بنواری لال
شوکت ۔ احمد حسین سہارنپوری
شوخی ۔ نادر شاہ خاں
شہیر ۔ حافظ خاں محمد خاں رامپوری
شہاب ۔ حکیم شہاب الدین خاں رامپوری
صاحب ۔ سید محمد شیر زماں خاں دہلوی
صاحب ۔ محمد حسین ولد بہادر سنگھ بریلوی
متوفی ۱۳۰۷ھ
ظہیر ۔ پیارے لال دہلوی
عارف ۔ زین العابدین خاں
عاقل ۔ سید محمد سلطان دہلوی ۔ فوت ۱۳۰۹ھ
فوق ۔ مرزا محمد جان
قدر ۔ منشی سید غلام حسین
کامل ۔ مرزا باقر علی خاں ۱۲۹۳ھ
مہدی ۔ میر مہدی ۱۳۲۱ھ
محو ۔ غلام حسن خاں ولد سرور
محمود ۔ حکیم محمد محمود دہلوی
ناظم ۔ محمد یوسف علی خاں
نیر ۔ ضیاء الدین احمد خاں
وحید ۔ وحید الدین احمد خاں

اس تذکرے کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے :-

" چونکہ یہ زبان اردو کا تذکرہ ہے اس لئے مجکو مناسب معلوم ہوا کہ اُردو زبان کے حالات بھی کسی قدر لکھدوں ۔ جو دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے "

یہ دیباچہ ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے جو نہایت خفی قلم میں گنجان طور پر فی صفحہ ۳۶ سطروں میں لکھا گیا ہے اور اپنی حد تک بہت تحقیق و تفتیش سے لکھا ہے گویا یہ اُردو کے آغاز و ارتقا پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھدیا ہے ۔ اس کے آخر میں ولی سے قبل کے گیارہ شعرا و مصنفین کے مختصر سے حالات بھی لکھدیئے ہیں ۔ پھر اصل تذکرہ صفحہ ۱ سے شروع ہوتا ہے ۔ اس میں جگہ جگہ چٹھیاں لگاکر بعد میں دیگر شعراء کے حالات و کلام کا بھی اضافہ کیا ہے ۔ اور درمیان میں شعرا کے اصلی فوٹو اور بعض جگہ غالباً مطبوعہ تذکرۂ یادگار ضیغم کی تصویریں کاٹ کر چسپاں کردی ہیں ۔

یہ تذکرہ ساہتیہ اکاڈمی کی نمائش مطبوعات کے لئے اوائل نومبر ۱۹۵۶ء میں دہلی گیا تھا وہاں مالک رام صاحب نے اس کی دو تصویروں پر راقم الحروف کو توجہ دلاکر نوٹ لکھے ہیں کہ ان تصویروں پر غلط نام لکھدیئے گئے ہیں مثلاً راقم خواجہ قمرالدین دہلوی کی تصویر پر یہی نام لکھ کر ضیغم نے اس کو قلمزد کردیا ہے اور اس کے اوپر لکھا ہے آگاہ ۔ سید احمد مرزا ۔ اس کے حاشیہ پر راقم الحروف نے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے جس پر مالک رام صاحب

نے بھی توثیقی دستخط کر دیے ہیں ۔

"یہ تصویر راقم ہی کی ہے ۔ مالک، رام صاحب کے یہاں بھی یہ تصویر موجود ہے ۔ رسالہ اردو میں ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء میں بھی چھپی ہے ۔ اور ان کے دیوان نسخۂ اردو کے ساتھ بھی چھپی ہے ۔ یہ سب بیان مالک، رام صاحب ہی نے ۹ ر نومبر ۱۹۵۶ء کو کناٹ پلیس نئی دلی میں لکھوایا ہے ۔"

یہ تذکرہ یوسف تخلص نواب یوسف علی خاں خلف نواب امتیاز الدولہ سید حیدر حسین خاں بہادر مرحوم کے حالات پر ختم ہوتا ہے جن کے حالات کے آخر میں نمونۂ کلام درج کیا ہے چنانچہ اس کے آخری اشعار یہ ہیں ۔

کعبہ میں ہم ہیں دل میں خدا کا مقام ہے	گھر میں خدا ہمارا ہے گھر میں خدا کے ہم
دن ہے مگر ہماری نگاہوں میں شام ہے	یوسف بندھا ہے جب سے کسی زلف کا خیال

اوراق ۱۰، ۱۱ + ۱۲ ۔ سطور ۲۳ فی صفحہ ۔ ۱۲ x ۷ ۔

۵۶۵ ۔ گلشن عشق ۔ نصرتی بیجاپوری ۱۰۶۸ھ — مثنوی اردو

ملا نصرتی بیجاپور کا ملک الشعرا اور علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کے درباروں کا شاعر تھا ۔ اس کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں ۔

۱ ۔ گلشن عشق ۲ ۔ علی نامہ ۳ ۔ تاریخ اسکندری ۴ ۔ کلیات

گلشن عشق کو مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۵۲ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے شایع کر دیا ہے اور خود نصرتی کے حالات زندگی پر ایک ضخیم کتاب "ملا نصرتی ملک الشعرائے بیجاپور" کے عنوان سے کئی سال قبل شایع کی تھی جس میں اس کے کلام کے خصوصیات اور زندگی کی تفصیلات شرح و بسط سے درج کی ہیں ۔

نصرتی کی گلشن عشق کا زیر نظر نسخہ ناقص الطرفین ہے لیکن اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس کی کتابت قدیم ہے اور صحیح لکھا گیا ہے ۔ مولوی صاحب کے مرتبہ نسخے کی اکثر ابیات کا اس نسخے کی ابیات سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کو جو نسخے ملے ان کی اکثر ابیات غلط ہیں جیسا کہ اس موازنہ سے ظاہر ہوگا ۔ جو صرف ایک صفحہ کی حد تک منتخب کیا گیا ہے ۔

مولوی صاحب کا مرتبہ و مطبوعہ نسخہ	زیر نظر نسخہ
کہ جس شاہ کی شاعراں وصف کر (ص۳۰)	کہ جس شہ کی کئی شاعراں وصف کر

گذر گئے ہیں دکھ کارنامے سنور　　گذر گئے ہیں دکھ کارنامے سنور

ڈھونڈے گرچہ سب کوئی پی یاں ہم سنگات　　ڈھونڈیں گرچہ سب کوئی بھی ہم سنگت

معلم جو میرے جتے خاص تھے　　دھرن ہار او مجھ سوں اخلاص تھے

اس بیت کے بعد زیر نظر نسخے میں یہ بیت درج ہے جو مولوی صاحب کے مرتبہ نسخے میں نہیں ہے۔ حالانکہ اس کے بغیر مطلب واضح نہیں ہوتا ؎

نہ جانے سبق کوئی مرا بار دل　　دھرنہار تھے پیار ہو یار دل

زیر نظر نسخہ	مولوی صاحب کا مرتبہ نسخہ
مرا من دیا صاف گوہر کا کھن	مرا من ویسا صاف گوہر کا کھن ص۳۰
پرکھتا چلیا یوں رتن سر بسر	پرکھتا چلیا یو رتن سر بسر
تھکے دیکھ پارکھ یو اہل نظر	تھکے پارکھی دھکھ یو اہل نظر

افسوس ہے کہ یہ نسخہ اس خوبی اور صحت کے باوجود ناقص الطرفین ہے اور اس میں ابتدائی ۲۵ صفحات اور آخری ۲۶ صفحات غائب ہیں۔ لیکن اکثر جگہ اس میں مطبوعہ نسخے سے زیادہ ابیات موجود ہیں۔

اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

بجا موں کوں تو سزاوار ہے　　کہ توں شاہ عارف ہنر دار ہے

جو توں مجھ پہ گوہر نشانی پو آئے　　فلک میرے دامن کا حسرت لجائے

ان ابیات پر ختم ہوتا ہے ؎

چلی ہے سو اس دن کی دنیا میں ریت　　کرے چاؤ سوں ات بدھا وا پریت

جگت میں ہوا دن ٹھنڈا وقت جب　　دھرم راج اپنے حضوریاں سوں سب

یہ مخطوطہ ابتدا میں خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے لیکن بعد میں کاتب نے خط شکست اختیار کیا ہے۔ کوئی ترقیمہ وغیرہ نہیں ہے۔

ورق ۔ ۱۵۰ سطور فی صفحہ ۔ ۸½ × ۶

۵۶۶ - جامع الاکساب - امین - قبل سنہ ۱۲۰۰ھ
مثنوی اردو

سید امین چشتی کی دو اور کتابیں مجذوب السالکین (نمبر ۶۸۰) اور قصۂ ابوشحمہ (۶۱۱) ادارے کے کتب خانۂ مخطوطات میں محفوظ ہیں۔ ان دونوں کی تفصیلات تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول کے صفحات ۲۱۸، ۲۲۰ و ۲۴۰، ۲۴۱ پر شایع ہو چکی ہیں۔ وہ شاہ خواجہ عارف گنج بخشی چشتی کے مرید تھے۔ زیر نظر مثنوی کے مصنف بھی غالباً یہی امین ہیں۔ انہوں نے اپنا تخلص دو جگہ ان ابیات میں استعمال کیا ہے :-

اے امین دیہ میں نکھا تو جوش | اس محل کے اوپر تورہ خاموش (ورق ۱)
جب امین نظم سوں لکھایو کتاب | تب رکھا نام جامع الاکساب

اس مثنوی میں مسائل تصوف بیان کئے گئے ہیں اور صوفیوں کے لئے کسب کی اقسام اور ان کے عملی طریقے واضح کئے ہیں۔ اس میں حسب ذیل عنوانات سے بحث کی ہے :-

۱۔ کسب نصیرا ۲۔ کسب محمود ۳۔ کسب حبس دم ۴۔ کسب اسد
۵۔ کسب سہ پایہ ۶۔ کسب قلبی ۷۔ کسب آفتاب ۸۔ کسب نفی اثبات
۹۔ کسب نقل روح ۱۰۔ کسب آئینہ ۱۱۔ کسب ستارہ ۱۲۔ کسب نماز
۱۳۔ کسب معکوس۔

آخری حصہ میں اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ سب کسب بغیر مرشد کے کامیابی کے ساتھ نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے شفیق مرشد کو تلاش کرو۔

اس مثنوی میں تقریباً ۱۶۰ ابیات ہیں۔ بغیر حمد و نعت و تمہید کے اس طرح شروع کر دی گئی ہے :-

تجکو ہے شوق کسب کا گر یار | میں لکھا ہوں سو کر تو سب یکبار
ہر کسب کا لکھا ہوں میں مذکور | سب نشست اور مشاہدہ دستور
اوس کو بینا کہتے ہیں سب دانے | آپ اپس کو جو خوب پہچانے

اس کی آخری ابیات یہ ہیں :-

مبتدیاں واسطے بتایا ہوں | کھول سارا کسب سنایا ہوں
گر ترے دل میں ہے بھرا ہے جو شا | گر کسب میں لکھا ہوں تیں کھو ہوش
جب امین نظم سوں لکھایو کتاب | تب رکھا نام جامع الاکساب

اس بیت کے بعد حسب ذیل فارسی عبارت لکھ کر کتاب ختم کر دی ہے :-

اول شریعت لینے شنیدن صفت جمال محبوب تا کہ شوق پدید آید۔

دوم طریقت یعنے طلب کردن محبوب را و رفتن در راہ او۔
سوم حقیقت یعنے حضوری بودن آں دایم در حسن محبوب۔
چہارم معرفت یعنے محو کردن من دجود را در مرد محبوب۔
پنجم وحدت یعنے وجود فانی بشکستن وہم ظاہر و وہم باطن۔
ایں پنج مرتبہ تمام شد۔"

اس مخطوطے کے کاتب کم سواد ہیں۔ خط معمولی شکست آمیز نستعلیق ہے۔ کاغذ قدیم اور روشنائی پھیکی ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۵ ورق - ۷ اسطور فی صفحہ - ۹ × ۵½

۵۶۷ - نور نامہ - خوشؔ - قبل ۱۱۰۰ھ　　مثنوی اردو

نور نامہ کے نام سے دکنی زبان میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک نور نامہ تو نثر میں ہے جس کا ذکر اس تذکرہ کی جلد اول کے صفحہ ۲۹۹ پر شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا نور نامہ نظم میں ہے جس کو شاہ عنایت قادری نے ۱۱۱۱ھ میں بمقام حیدر آباد منظوم کیا تھا۔ اس کے چار نسخے ادارے کے کتب خانۂ مخطوطات میں نمبر ۸۰ - ۲۴۰ - ۴۳۶ اور ۵۰۸ پر موجود ہیں اور ان کی تفصیلات جلد اول کے صفحات ۴۳ و ۴۴ اور جلد دوم کے صفحات ۱۲۴ و ۱۲۵ پر شایع ہو چکی ہیں۔

تیسرا نور نامہ گیارہویں صدی کے اوائل میں مختار نے لکھا تھا جو کتب خانہ نواب سالار جنگ میں نمبر ۱۴۴ پر موجود ہے لیکن زیر نظر نور نامہ ان سبھوں سے ایک علیحدہ مثنوی ہے۔ جو ان سے زیادہ قدیم ہے اور جس کا مصنف اعلےٰ پایہ کا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ملک خوشنود کی تصنیف ہو جو بیجاپور کا مشہور درباری شاعر تھا اور جس کا ذکر اردو شہ پارے میں تفصیل سے درج ہو چکا ہے۔

اس مثنوی میں مصنف نے اپنا تخلص دو جگہ حسب ذیل ابیات میں استعمال کیا ہے

نہ دھرتا ہے او خوشؔ قرابت شریک　　گداشہ برابر ہے اس کے نزیک　　(ورق ۲)
سنو کان دھر تم رکھکر با ادب　　کہوں نور کا خوشؔ بیاں یو عجب　　(ورق ۶)

اِس دوسری بیت کے سلسلہ میں سبب تالیف اس طرح لکھا ہے ؎

بیاں یوں کروں جوں گوتی رولنا　　کہ یا دودھ میں بھر شکر گھولنا
کیا فارسی کوں سو دکھنی غزل　　کہ سب خاص ہور علم سمجھو نکل

اس مثنوی کا مصنف حضرت محبوب سبحانی محی الدین جیلانی کے سلسلہ میں مرید تھا اور حمد و نعت کے مضامین کے بعد ان کی مدح اس طرح لکھی ہے ؎

ولے داغ اچھے تو نہ اس تے ٹلے　　ٹلے داغ اوسے جس محی الدین ملے
محی الدین سو پیر میں مانیا　　تو اس راز کا بھید سب جانیا
محی الدین سلطان صاحب ہے پیر　　خدا جس کئے ہے ولیاں کے وزیر
زباں کھول بلبل نمن بولنے　　لگے راز ہیرے رتن رولنے
کیا تب مناجات لے حبیب سوں　　یکایک ندا میں سونیا غیب سوں
سو حیران ہوکر لگا دیکھنے　　خدایا یکایک یو بولیا کہنے
یکایک دیکھوں میں سو اس حال میں　　کھڑیا ہے مرا پیر مجھ سامنے
سو دیں دوڑ جا پگ کوں بوسہ دیا　　اوسی وقت مجکوں نصیحت کیا
رکھیا ہات سر ہور ہنجب پیٹھ پر　　کہیا ڈر نکو اب توں دل دھیٹ کر
کہ منگتا جکچھ توں اگر بولنے　　چھپے غیب کے بول سب کھولنے
ترے دل کوں دے فیض روشن کیا　　طبع کوں ترے زور سرتے دیا

اس کے بعد شاعری کے بارے میں دکن کے دوسرے بڑے شعرا وجہی نصرتی کی طرح اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں ؎

بچن کچھ عجائب فضیلت دھرے　　بچن کی صفت کوئی کہاں تئیں کرے
صدف کا جو موتی سو دریا بھیتر　　بچن ڈھال موتی زباں کے اوپر
کہ جس کوں بچن سا جواہر اچھے　　چھپے نا جگت میں او ظاہر اچھے
بچن میں جتا شئے سماوے سکل　　بچن بیچ تھے بہار آوے نکل
بچن تے کرے وصف کوئی شاہ کا　　بچن سوں دکھاوے درس ماہ کا
بچن سوں پچھانے سو نیکی بدی　　بچن سوں چھڑاوے آپس کی خودی
بچن کوں سمجھ دیکھ جو ہے گنن　　گنن سوں بھی نرمل دسے یو بچن

یہ مثنوی نورنامہ ناقص الآخر ہے۔ معلوم نہیں اِس میں ابھی اور کتنی ابیات تھیں۔ بحالتِ موجودہ یہ ۲۹۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

کروں نام اللہ کا میں ابتدا　　منور سو او نوری نور اللہ (خدا)
کہ اوس نور کے نور سوں سور کر　　کہ جس کا اُجالا پڑے جگ اُوپر
کہ او نور کرتا رکا بے بدل　　سو کس بھانت تو دیکھ آیا بچل

یہ مخطوطہ ان ابیات پر ختم ہوتا ہے ۔

نہ ان میں اچھے عار کسی بات کی — نہ جانے او کس کی خبر ذات کی

جو کوئی ہویں خاکی سواد ہیں فقیر — غریبی دھریں ہور بیکس اسیر

او مسکین عاجز تواضع سے — او صابر نگوں سیر ہر یک سے

چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب بہت کم سواد اور بد خط ہے۔ خط ثلث لکھنے کی کوشش کی ہے مگر اکثر لفظ غلط لکھے ہیں اور املا بھی درست نہیں ہے۔ کاغذ قدیم ہے۔ ۱۸ ورق - ۱۶ سطور فی صفحہ - ۸" × ½۶"

۵۶۸ - روضۃ الصالحین - غلام حسن مسرور (؟) قبل ۱۲۵۰ھ مثنوی اردو

یہ ایک ناقص الآخر اردو مثنوی ہے جس میں شیعہ عقاید اور فقہ کے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں بحالت موجودہ ۹۰۰ ابیات ہیں۔ اس کے مصنف غلام حسن غالباً فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ اور مسرور تخلص کرتے تھے۔ اس میں حمد و نعت اور مدح ائمۂ معصومین کے بعد "باعث تالیف" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ فارسی میں بڑے آخوند نے فقہ میں ایک رسالہ حدیقہ لکھا ہے اور اس میں نہایت احتیاط کے ساتھ مسائل بیان کئے ہیں لیکن احباب یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ضروری مسائل کو ہندی نظم میں ان کے لئے لکھدیا جائے۔ اگرچہ مجھے اس کا شعور نہیں ہے لیکن عدول حکم بھی ممکن نہیں اس لئے ناچار قبول کیا۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں جن سے کتاب اور مصنف کا نام معلوم ہوگا ۔

کئے میں نے یہ ہندی میں منظوم — تا نہ ہو دوستوں کا دل مغموم

مبتدی کی نظر سے گزرے جب — بھول جائیں فضائے باغ کو تب

اس لئے میں نے اس رسالہ کا — روضۃ الصالحین نام رکھا

لیکن امید اب یہی ہے مجھے — کہ اسے جو کوئی مومنے دیکھے

اور خاطر خوش اوس کی اس سے ہو — کرے دل سے دعا اس عاصی کو

کہ خدایا پئے امام زمن — ترا مقبول ہو غلام حسن

یہاں تو شاعر نے پورا نام لکھا ہے لیکن ورق ۳۴ ب پر ایک بیت میں اپنا تخلص مسرور اس طرح استعمال کیا ہے ۔

بعد بخشش جنابت اے مسرور — بحث حیض و نفاس کر منظور

اس کے قبل دراصل رسالہ ختم ہوگیا تھا مگر نواب اکبر علی خاں بہادر کی فرمایش پر عورتوں کے بے حیض و نفاس کے مسائل کا اضافہ کیا ہے۔ نواب اکبر علی خاں کی مدح کی چند منتخب ابیات یہ ہیں ؎

مدح نواب اکبر علی خاں

مخزنِ جود و کانِ فضل و ہنر — مجمع عقل و دین و حسنِ سیر
زینتِ خاندانِ عالی شان — فخرِ ہندوستان و اہلِ زماں
نہیں جن کا نظیر اور نیاز — امرائے عظام میں ممتاز
یعنے وہ کون امیر ابن امیر — مدح خواں جس کے ہیں صغیر و کبیر
ذات والا صفات سپہر رکاب — خانِ عالی تبار فیض مآب
اس میں اشرف ہیں ان کے لفظ جلی — اول اکبر ہے دوسرا ہے علی
پر ہے بے قید خان یا نواب — نام لینا منافی آداب

"باعث تالیف" کے بعد اس مثنوی میں حسب ذیل عنوانات ہیں۔

اصول دین۔ معنی توحید۔ اکثر اعتقادحقہ صفات۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ معاد۔ اعتقادات۔ ایمان و کفر۔ مومن دکافرو مخالف۔ اعتقادات فاسدۂ عورات۔ صوفیان اہلِ ضلال۔ وحدت وجود۔ اعمال صوفیہ۔ اسامی صوفیانِ گذشتہ و مطاعن ایشان۔ مناجات۔ مسائلِ وضو۔ آداب خلوت۔ اقسام وضو۔ واجباتِ وضو۔ مستحبات۔ مکروہاتِ وضو۔ مسائلِ متفرقہ۔ اقسام غسل۔ اسباب جنابت۔ واجباتِ غسل۔ مستحباتِ غسل
صوفیوں کی نسبت اپنے عقاید کے لحاظ سے بہت طعن و تشنیع سے کام لیا ہے اور ان کی خرابیاں واضح کی ہیں۔ اکثر سُنی بزرگوں پر سب و شتم کیا ہے۔

یہ مثنوی اگرچہ ناقص الآخر ہے لیکن اس کے ساتھ ایک اور مثنوی بعنوان اصولِ دین اسی کاتب نے لکھی ہے جو بالکل اسی بحر میں اور تقریباً انہی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں کاتب نے اپنا نام شیخ دلاور علی تبرائی لکھا ہے۔

اس مثنوی کے سرورق پر کاتب کے شاگرد نواب میر مراد علی خاں بہادر نے یہ عبارت لکھی ہے۔

"ایں کتاب نواب میر مراد علی خاں بہادر۔ اگر کسے بر ایں کتاب نظر بد کند در قیامت کور باشد۔ ایں کتاب از دست حضرت دلاور علی صاحب قبلہ نوشتہ شد۔

برائے من نوشتہ دادند"

اس کے بعد دو فارسی اشعار لکھ کر پھر یہ ترقیمہ لکھا ہے :-

"کتبہ میر مراد علی خاں بہادر بتاریخ ۱۰ ماہ شعبان ۱۲۷۲ھ۔ شاگرد حضرت حسن صاحب قبلہ ، دلاور علی صاحب قبلہ و مصطفیٰ علی صاحب قبلہ۔ شاگرد منشی گرون صاحب فرنگی"

اس ترقیمہ کی طرز تحریر اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد علی خاں ایک کم عمر طالب علم تھے جن کی تعلیم کے لیے متعدد اساتذہ مقرر تھے، چنانچہ انگریزی کے لیے گرون صاحب فرنگی مامور تھے۔ اس ترقیمے کے برابر انہوں نے اپنے انگریزی خط کا نمونہ بھی آڑی ٹیڑھی لکیریں مار کر دکھایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نو سکھ تھے۔ ممکن ہے کہ کتاب میں جن نواب اکبر علی خاں کا ذکر ہے انہی کے یہ فرزند ہوں اور جن حسن صاحب کی شاگردی کا ذکر کیا ہے وہ اس مثنوی کے مصنف غلام حسن ہی ہوں۔ اگر یہ قیاس صحیح ہو تو اس مثنوی کے مصنف اس وقت تک زندہ تھے۔

۳۵ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ۔ ۹ × ۶۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخ روشنائی میں۔ خوشخط اور صاف پاک لکھی گئی ہے۔

۵۶۹۔ رسالہ اصول دین۔ فاضل خاں سرور (؟) فیض آبادی قبل ۱۲۵۰ھ۔ مثنوی اردو

یہ ایک ناقص الاول مثنوی ہے جو رسالہ روضۃ الصالحین (۵۶۸) کے سلسلے میں اسی کے کاتب نے اسی قلم اور انداز میں نقل کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جلد بندی کے وقت چند ورق تلف ہو گئے جن میں روضۃ الصالحین کے آخری دو چار اور اس رسالہ کے ابتدائی دو تین ورق شامل تھے۔ اب یہ مثنوی ان ابیات سے شروع ہوتی ہے جو سبب تالیف کتاب سے متعلق ہیں ؎

اور جو مومنانِ کامل ہیں　　　دین کے ملک کے وہ عادل ہیں
فقر و فاقہ کے بیچ تھے دائم　　　مرضیٔ حق اوپر رہے قائم
صدق سے دل کے جو کہ ہو آگاہ　　　کہے تھے لا الٰہ الا اللہ
پر وہ تھا دوستدار حیدر کا　　　علی کے دشمنوں کا دشمن تھا

اس حصۂ مثنوی کو ان ابیات پر ختم کیا ہے ؎

کیے ہیں میں نے ساری عمر گناہ　　　اپنے عصیاں سے ہوں میں کمترپناہ

فعل ارزاں ہیں میرے بے حاصل فعل حق کا کرے مجھے فاضل
یا الٰہی تو لطف کر مجھ پر میرے افعال پر نظر مت کر
بہ طفیل محمدؐ عربی بحق مرتضیٰ علیؑ ولی

اس کے بعد مناجات لکھی ہے جس میں خواہش کی ہے کہ کربلا کو میرا وطن بنادے میں اب ضعیف ہوگیا ہوں۔ ہاتھ پاؤں میں قوت نہیں رہی۔ میرے دوستوں کو فیض آباد میں شاد آباد رکھ۔ لیکن مجھے ہند کی قید سے آزاد کردے۔

مصنف نے آخری بیت میں اپنا نام فاضل خاں لکھا ہے لیکن مثنوی میں جگہ جگہ اپنے تخلص سرورؔ کو اس طرح استعمال کیا ہے ؎

سب عبادت خدا کی ہے سرورؔ کوئی نہیں ہے نماز سے بہتر (۳۸)
پاک پانی نرا تو پیدا کر اور وہ اپنا ہو پانی اے سرورؔ (۴۱)
اور تیمم سے پہلے اے سرورؔ ہوں تیمم کی جائیں سب طاہر (۴۲)
پہلے سورہ تو دل میں ٹھہرا کر بعد بسم اللہ کہیو اے سرورؔ (۵۰ب)
واجب اتنا بلند ہے سرورؔ ہو جو کوئی پاس اوس کو کر ظاہر (۵۱)
گر نجس ہووے تیرا تن سرورؔ نہ دھووے جب تلک نماز نہ کر (۵۲ب)
چوتھی رکعت ایسی مقرر کر بیٹھ کر پڑھ تشہد اے سرورؔ (۵۳ب)

اسی طرح اور کئی جگہوں پر سرورؔ استعمال کیا ہے۔

اس مثنوی میں حسب ذیل عنوانات پر مضامین ہیں :۔

فروع دین۔ شروط نماز۔ واجبات وضو۔ غسل واجب۔ غسل ترتیبی۔ تیمم۔ نجاسات۔ تطہیر جامہ و بدن۔ مطہرات۔ غسل ہائے واجبی۔ حیض و احکام آں۔ نفاس و احکام آں۔ استحاضہ کثیرہ۔ ارکان نماز۔ نماز مسافر۔ لباس نماز۔ مکان نماز۔ منافیات نماز۔ شکیات نماز۔ سجدۂ سہو۔

آخری ابیات یہ ہیں ؎

جان اور بوجھ ترک ہو جو کہیں ہو گی باطل نماز کرلے یقیں
حافظی نے کہے تھے دیں کے اصول سو اوس کی خدا کو ہو مقبول
شرح ہندی کیا ہے فاضل خاں دیوے اوس کو خدا بہشت مکاں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روضۃ الصالحین کی طرح یہ بھی ایک فارسی رسالہ کا اردو منظوم ترجمہ ہے اور یہ کہ فارسی مصنف کا تخلص حافظی تھا۔

اس کو بھی دلاور علی تبرائی نے اپنے شاگرد مراد علی خاں کے لئے نقل کیا۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے :-

"تمت ہذا الکتاب بدست احقرین عباداللہ الصمد عبدالضعیف نحیف
شیخ دلاور علی بتاریخ سیوم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری تحریر یافت"

اس ترقیمے کے حاشیہ پر دلاور علی نام کے محاذی مراد علی خاں نے اپنے قلم سے لکھا ہے :-

"برائے میر مراد علی خاں بہادر نوشتہ دادہ شد"

مراد علی خاں کے لئے دیکھو مخطوطہ ۵۶۸۔

۲۰ ورق۔ ۲۶ سطور فی ورق۔ ۹" × ۲"۔

۵۷۰۔ اعتبارات خمسہ۔ عاشق دکنی۔ قبل سنہ ۱۱۰۰ھ — مثنوی اردو

اردو میں عاشق تخلص کے متعدد شاعر گذرے ہیں مثلاً برہان الدین شاگرد میر حسن۔ بھولا ناتھ ابن پنڈت گوپی ناتھ دہلوی، جلال الدین، رام سنگھ کھتری، علی اعظم خاں شاگرد عشقی، راجہ کلیان سنگھ تہور جنگ ناظم بہار، محمد خاں نوری، مہدی علی خاں دہلوی، شیخ نبی بخش اکبر آبادی، میر یحییٰ عاشق علی خاں برہانپوری وغیرہ جن کا مختصر ذکر تذکرۂ یادگار شعرا میں صفحات ۱۳۶ - ۱۳۸ پر درج ہے۔ ان میں میر یحییٰ عاشق علی خاں برہانپوری کا منتخب دیوان ادارے کے کتب خانۂ مطبوعات میں نمبر ۲۱۰ پر موجود ہے اور اس کی تفصیلات جلد اول کے صفحہ ۱۶۹ پر شایع ہو چکی ہیں۔

زیر نظر مخطوطے کے مصنف ان سب سے قدیم شاعر ہیں جنہوں نے دکنی اردو میں یہ مثنوی لکھی ہے۔ اس کی زبان بہت قدیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشق شاہ برہان الدین جانم مصنف ارشاد نامہ (سنہ ۹۹۰ھ) کے سلسلہ مریدین میں کوئی صوفی شاعر تھے۔ اس مثنوی میں انہوں نے دو جگہ اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔ پہلی بار اصل موضوع ختم کرتے وقت اس طرح لکھا ہے :-

پڑھو ہور بجھو اچھو دل میں شاد   دعا سوں کرو جیو میں عاشق کو یاد

مثنوی کی آخری بیت میں نعت کے خاتمہ پر :-

الٰہی بحق شفیع الامم   ہمیشہ تو عاشق پو کرنا کرم

یہ مثنوی حمد کے بعد ان عنوانات سے بحث کرتی ہے۔

مرتبۂ الوہیت۔ مرتبۂ روح۔ مرتبۂ عالم مثال۔ مرتبۂ عالم اجسام۔ نعت۔

اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

کیا حمد اس کوں سزاوار ہے — جسے سب یو وحدت کا بستار ہے
تجلی جو ہوے ذات کی ذات پر — اپس کو اپس میں دیکھا سربسر
دِسے خوب وحدت کی دریا تمام — نہ تھا اس منے کچھ بھی کثرت کا نام
تداں یوں اتھی حق میں ساری صفات — کہ جیوں ذات میں ذات ہو عین ذات
وے چاریاں اعتبارات ہیں — او دیکھے تو چاروں ہی یک ذات ہیں

آخری ابیات یہ ہیں ؎

محمدؐ بصورت عرب آمدہ — بمعنی نگر عین رب آمدہ
محمدؐ طرف سوںچ پاے خدا — محمدؐ طرف سوںچ ہوے ہیں جدا
الٰہی بحق شفیع الامم — ہمیشہ تو عاشق پو کرنا کرم

اس مختصر سی مثنوی میں کل ۷۰ ابیات ہیں۔ لیکن یہ مکمل ہے۔ قدیم کاغذ پر خوشخط لکھی گئی ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ نام مصنف کی طرح کاتب کا نام اور سنہ کتابت معلوم نہ ہو سکا۔

ورق ۵۔ ۱۰ سطور فی صفحہ۔ ۶ × ۴ ½۔

۱۷۵۔ صبح کا ستارہ۔ عباس بن ناصر علی جاجموی۔ ۱۲۴۹ھ — اردو نثر

امام غزالی کی کتاب دقایق الاخبار کا یہ اردو ترجمہ عباس بن ناصر علی نے ۱۲۴۹ھ میں کیا تھا اور تالیف کے صرف ۲۲ سال بعد یہ مخطوطہ بہت ہی خوشخط خفی نستعلیق میں صاف پاک نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں اور ترقیمے میں کاتب نے اپنا نام عبدالرحمن اور سنہ کتابت بھی درج کیا ہے۔

اس کتاب کے سبب تالیف کی پوری عبارت یہاں درج کی جاتی ہے جس سے مصنف کی نسبت معلومات حاصل ہوں گی اور کتاب کی زبان و اسلوب بیان کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔

" حمد اس خدا کو جو عالم کا پروردگار ہے اور درود و سلام اس نبی پر جو سب نبیوں کا سردار ہے۔ بعد ازاں عباس بن ناصر علی المورخ بن فضل اللہ العلامۃ الجاجوی غفراللہ لہم کہتا ہے کہ ۱۲۴۹ھ بارہ سو انچاس ہجری میں جب میرے بھائی قاسم علی نے کہ نہایت سخی و شجاع و مجاہد تھا اور میری والدہ نے انتقال کیا۔ میں نے کتاب دقایق الاخبار کو کہ امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمدؐ بن محمدؐ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے

موت کے احوال میں تصنیف کی تھی۔ مغلق عربی سے سلیس اُردو میں ترجمہ کیا۔ تا
اس کا فائدہ علم ہو جائے اور ثواب اس کا میں نے ان دونوں کی روحوں کو بخشا
اور جو شخص اس کتاب سے فائدہ پاوے اور نفع اٹھاوے اس سے امید ہے کہ اس
مترجم کو اور ان دونوں کو مرحوم کو اپنی دعا سے محروم نہ کرے اور اصل کتاب
میں میں نے کچھ کمی و بیشی نہیں کی مگر بعض جگہوں میں بضرورت یا بقصد
اختصار اور نام اس ترجمے کا صبح کا ستارہ ہے۔ اس واسطے کہ یہ زمانہ ہی
آخری ہے اور اس میں اخیر وقت کا حال ہی مسطور ہے اور خلق کو اس سے ہدایت
بھی حاصل ہوگی۔"

آخری عبارت یہ ہے :۔

"خدائے جل وعلا ہم کو اور سب مسلمانوں کو شرک سے بچاوے کیونکہ یہ نہیں معاف
ہوتا اور اس کے سوا سب معاف ہو جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ (ترجمہ عربی)
تحقیق اللہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہراے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس
کو چاہے۔"

اس کتاب میں ۲۹ باب ہیں۔ آخری باب کے بعد مصنف نے اپنی طرف سے چند ضروری مسائل
کا اضافہ کیا ہے جن میں قبروں کی زیارت۔ نبی اور ولی سے مدد چاہنا۔ رسول اللہ یا کسی نبی
کو علم غیب نہیں تھا۔ جیسے مسائل شامل ہیں۔ یہ اضافہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔
اس مخطوطے کے کاتب خواجہ رحمت اللہ نے کتاب کے آغاز میں ایک صفحہ کے اندر دقایق الاخبار
کے ۲۹ ابواب کی فہرست بھی لکھدی ہے اور آخر میں یہ ترقیمہ لکھا ہے :۔

"تمام شد کتاب ہذا المسمی بصبح کا ستارہ از دست سید خواجہ رحمت اللہ بدیم ماہ
جمادی الاولی بسن یکہزار دو صد وہشتاد و دو از ہجرت خواجہ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم۔"

۹۳ صفحات۔ فی صفحہ ۱۵ سطور۔ $\frac{1}{2}$۹" × ۶"

۵۷۲۔ شحاذ الآداب از منور علی۔ ۱۲۸۳ھ اخلاق اُردو

یہ کتاب افضل الدولہ آصف جاہ خامس کے دورِ حکومت میں مہاراجہ بال گوبند بہادر کے
حکم سے راجہ چنی لال کے مطالعہ کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ چونکہ مصنف منور علی ولد سید اشرف علی
بہت ہی پر تکلف اور مغلق اُردو لکھنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کتاب کا نام بھی بہت

ہی نادر رکھا ہے ۔ انہوں نے اس کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ روبہ اول میں بزرگوں خوردوں اور ہمسروں کے آداب بیان کئے ہیں۔ اور روبہ دوم میں پانچ قسم کے امور سے بحث کی ہے جو زیادہ تر عادات و اطوار اور طبی مضامین سے متعلق ہیں۔

حمد و نعت کے بعد منور علی نے افضل الدولہ کی مدح اگرچہ نثر میں لکھی ہے لیکن سرا سر تکلفات شعری سے مملو ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

مدح افضل الدولہ بہادر

"اگرچہ صفتِ شاہ زبانِ گدا کا بیان چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر نام نامی اور توصیفِ گرامی اُس کی وسیلۂ توقیر اس تحریر کا اور مفتاحِ باب اس پریشان تقریر کا جان کر شمۂ از شمائل و ذرۂ خورشید خصائل لکھتا ہوں ۔

شاہ کیواں بارگاہ بلند مرتبہ عالی جاہ کشور گیر ملک ستاں خدیوِ گیہاں ابوالظفر شاہِ زماں شاہ افضل الدولہ بہادر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ بس کہ سحابِ بخشش اوس بحرِ عطا کا رات اور دن گہر اور جوہر برستا ہے۔ بچشم اہل کے عہدِ دولت میں ہزاروں نے دیکھا کہ طرحِ عدل اور دادگستری کی یاد ہے کہ دیو رزم وستم اور سلم مثلِ پیرزال لرزاں وقتِ سخا حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال ہنگام خشم مریخ مسندِ جلا دی۔ اللہ تعالےٰ اس امیدگاہِ عالم کو اپنے حفظ وامن میں سلامت رکھے ۔ اور دولت خواہ اوس والا جاہ کے بعیش مدام اور دشمن روسیاہ برنج نامرادی گرفتار آلام رہیں۔"

مہاراجہ بال گوبند بہادر ولد راجہ رام بخش کی فرمایش پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ان کا ذکر جن القاب و آداب کے ساتھ کیا گیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اُردو ادیب و شاعر ہندو اور مسلمان میں کسی طرح کا فرق نہیں کرتے تھے۔ اُردو زبان و ادب کی یہی وہ خصوصیت ہے جو اس کو ہندستان کے جملہ اہلِ مذاہب اور تمام طبقوں میں مقبول بنانے کا باعث تھی۔ راجہ بال گوبند کے القاب :۔

"امیر الامرا ، قرمِ بارگاہ آصفیہ ، عضد الدولہ الناصریہ ، شمس الہدایہ ، قمرِ منیرِ سخاوت ، منبع الجود والاحسان ، قدردانِ حکما وعلما ، جوادِ زماں ، صاحب الحیا والایمان ، حاتم آدان ، کانِ ملاحت ، جوہرِ تیغِ شجاعت ، گوہرِ بحرِ نعمات ، شیرِ بیشۂ نفوت ، نہنگ دریائے مروت ، فیض بخش ، فیاض زماں ، راجہ یان

راجہ مہاراجہ راجہ بالگوبند بہادر خلف یمین راجہ رام بخش بہادر۔ اللہم ارفع لوایۃ حشمتہ علی الراس العالم والعالمیان۔"

راجہ رام بخش بہادر مشہور دیوان دکن مہاراجہ چندولال کے بھتیجے یعنے ان کے چھوٹے بھائی راجہ گوبند بخش کے فرزند تھے۔ گوبند بخش نظام علی خاں آصف جاہ ثانی اور ان کے وزیر ارسطو جاہ کے منظور نظر تھے۔ اور حیدرآباد میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے تھے اور منصب شش ہزاری و چہار ہزار سوار اور لکھوکھا روپیوں کی جاگیرات اور علم و نقارہ و نشان پالکی جھالردار کے امتیازوں کے مالک تھے۔ عالموں اور صاحب کمالوں کے قدردان تھے۔ ۱۵ رمضان ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے فرزند راجہ رام بخش کو نواب ناصرالدولہ بہادر نے راجہ گوبند بخش کے جملہ اعزاز بخشے۔ وہ بھی اپنے باپ اور چچا کی طرح سخاوت میں مشہور تھے اور شاعروں اور ادیبوں کے قدردان۔

چونکہ یہ ایک نادر کتاب ہے اور خود مصنف کا لکھا ہوا نسخہ ہے اس لئے اس کی طویل عبارت بطور نمونہ درج ہے۔ سبب تالیف کے بعد اصل کتاب اس عبارت سے شروع ہوتی ہے:-

• جاننا چاہئے کہ فرزند آدم کو لازم ہے کہ دو گھڑی رات رہنے کے آگے بیدار ہوکر غسل اور عبادت فرائض تا منتہی سے فارغ ہوکر ؎

جب خدا کا تو کرے گا حق ادا ۔۔۔ بے خطر آفات سے ہوگا سدا
طاعت و تقویٰ سمجھ اپنا پناہ ۔۔۔ در گذر منصب سے ہو تو بادشاہ
یاد کر راحت میں حق کو بے عدد ۔۔۔ جو تجھے مشکل میں ہووے گا مدد

مردمان ملازمین کے سلام اور مجرائی سے بے فکر ہوکر ؎

کوئی کرے تقصیر تیری اور خطا ۔۔۔ معذرت مجھ سے کیے تو کر عطا
زیر دستوں کے اوپر انصاف کر ۔۔۔ بغض اور کینے سے دل کو صاف کر
اور رعایت کر غریبوں پر مدام ۔۔۔ تا رہے تو دو جہاں میں نیک نام
فاش مت کر عیب کسی کا اے پسر ۔۔۔ اور اس کے عیب دل میں یاد کر

کو اغذات اخبار اور ملکی اور مالی اور انتظام تمام کام تحویلی اور ذاتی سے عہدہ داروں کے ملاحظہ فرماکر خدمات معروضۂ بزرگوں سے فرصت پاکر خاصہ باچند اقرباد و مردمانِ متعلقات نوش جان فرماکر باستماع تواریخ و بذلہائے شیرین و خوش اور حکایات عجیب و رنگین و دلچسپ اور سبق و مشق معمولی بمو اجہہ استاد فراغ یافتہ ؎

پوری کتاب اسی طرح نثر و نظم اور فارسی ترکیبوں سے مملو ہے۔ اس میں دراصل امیروں اور وزیروں کے فرزندوں کے لئے دن بھر کا لائحہ عمل اور نظام الاوقات بیان کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے قدیم مغلائی آداب اور کلچر واضح ہوتا ہے۔

کتاب کی آخری عبارت یہ ہے :-

"چند اشیاء ہیں کہ نہار کھانا منع ہے الا ملایین ہر دو طعام۔ اور چند چیزیں ہیں کہ ایکجا ملا کر کھانا بھی منع ہے مثلاً دودھ کو ترشی کے ساتھ، مچھلی کو دہی اور شیر برنج کو انڈے کے ساتھ۔ اور سرکہ کو خشکہ کے ساتھ، دہی کو مولی کے ساتھ اور اشیائے زود ہضم کو دیر ہضم کے ساتھ منع ہے۔

فائدہ۔ چند میوے ہیں کہ نہار کھانا ان کا منع ہے ۔

جامون و مغز ناریل و کنجد و پستہ چارولی است و ابلی و نارنج و کنار

ککڑی خیار است و کیلا مع ماو انگور است سیب است و انبہ و گولر و اخروٹ و چنا ۔"

اس کتاب کو خود مصنف نے نہایت خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے اور حاشیوں پر اور درمیان میں عنوانات نارنجی روشنائی میں لکھے ہیں جو اکثر جگہ پھیل گئی ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے :-

" تمت جلد شجاز الآداب بتاریخ ہفتم شہر ربیع الثانی ١٣٠٣ھ ہجری نبوی صلعم بخط شکستہ رقم عاصی خاک پائے عالم منور علی باتمام رسید۔ بمنہ و کرمہ۔"

٩ اوراق ۔ ١٧ سطور فی صفحہ ۔ ٩×٦" ۔

٥٧٣ - بیاض کلام - عصر، شہید، خیر، بندہ، ضیا، غنیمت، وزیر، سید وغیرہ - نظم اردو

یہ اردو نظموں کی ایک بیاض ہے جو نواب میر تہنیت علی خاں افضل الدولہ آصف جاہ خامس کے عہد (١٢٧٣ھ - ١٢٨٥ھ) میں لکھی گئی ہے۔ اس میں زیادہ تر ایسے شاعروں کا کلام ہے جن کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا لیکن حیدرآباد کے گلی کوچوں میں ان کی نظمیں اب بھی گائی جاتی ہیں۔ یہ گویا لوک گیت ہیں اور ان میں شاعروں نے اپنے نام و نمود سے زیادہ اپنے معتقدات کے تحت مذہب و اخلاقیات کے والہانہ درس دیئے ہیں اور یہ گیت اتنے مقبول ہوئے کہ عورتیں اور مرد ان کو زیادہ تر سینہ بسینہ یاد کرتے اور کراتے آئے ہیں اور بعد کو ان میں سے بہت سی نظمیں معمولی کتب فروشوں کی طرف سے مجموعوں کی شکل میں غلط سلط شایع بھی ہوئی ہیں۔

اس بیاض کی بعض نظمیں ایسی ہیں کہ جن میں آج سے سو برس پہلے کے حیدرآبادیوں کی تمنائیں اور ولولے اور اعتقادات محفوظ ہو گئے ہیں مثلاً ایک نظم کے آخر میں جہاں شاعر

اپنے لئے دعا کرتا ہے اپنے بادشاہ کے لئے بھی اس طرح دعا کرتا ہے ؎

افضل الدولہ بہادر روز و شب | خوش رہیں ہو فکر ان کی دور سب (۱۶۵ ب)

ان کو دشمن پہ ظفر حاصل رہے | شاد خرم ان کا یارب دل رہے

اس بیاض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افضل الدولہ کو اولاد ہوتی تھی اور جلد ہی مرجاتی تھی اور اہل شہر کی تمنا تھی کہ ان کو ایسا لڑکا پیدا ہو جو زندہ رہے اور ان کے بعد جانشین بن سکے۔ شاعر کہتا ہے ؎

جو ہے افضل الدولہ سلطان دکن کا | کرو شاد دل کیا عجب آپ کا ہے

ہو با عمر فرزند ان کو عنایت | کہ وہ آپ کا ہے محب آپ کا ہے

چنانچہ یہ دعائیں پوری ہوئیں اور بالآخر میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس پیدا ہوئے لیکن ان کی ولادت کے چند ہی سال کے اندر خود افضل الدولہ انتقال کر گئے۔ یہ بیاض ان ہی کی زندگی میں سنہ ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی ہے۔ اور بعد کو سنہ ۱۲۹۶ھ تک اس میں اضافے کئے گئے ہیں۔ اس میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں حسب ذیل کسی نہ کسی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ از عزا

یہ مرثیہ مسدس کی شکل میں ہے اور اس میں ۴۱ بند ہیں۔ مصنف کا تخلص واضح نہیں ہے۔ ممکن ہے عزا ہو۔ پہلا بند یہ ہے ؎

جی چاہتا ہے شہ کی مصیبت بیاں کروں | گذری تھی جو حسین پہ آفت بیاں کروں

پھر کس زباں سے پیاس کی شدت بیاں کروں | بچوں کی کیا تڑپنے کی حالت بیاں کروں

اس غم سے سینہ چاک ہے دل لخت لخت ہے

خنجر کا اور گلے کا بہت ذکر سخت ہے

آخری بند یہ ہے ؎

زخموں سے چور چور تھا شہ کا بدن تمام | سجدے میں سر کو رکھتے ہی غش کر گئے امام

چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے ساکنان شام | اس غش میں ہو گیا زخمی وہ تشنہ کام

آگے نہیں بیان کی طاقت عزا خموش

کیونکہ ہے گا شہ کی شہادت عزا خموش

(ورق ۲۰۷)

۲۔ قصۂ حضرت بلال از دلدار۔

یہ ۶۰ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں سرورِ کائنات کے فراق میں حضرت بلال کے غم و الم کا قصہ اور ان کی وفات کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اِس کے مصنف دلدار علی نامی کوئی شاعر تھے۔

اِس مثنوی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

دل سے سنو دوستو یہ داستاں — لکھتا ہے یوں راوی رنگیں بیاں
عشق و محبت کی نشانی ہے یہ — عاشق صادق کی کہانی ہے یہ
ایک موذن تھا نبی کا بلال — ہجر سے اس مہ کے گھٹا جوں ہلال

آخری ابیات میں شاعر نے اپنی تمنائیں بھی ظاہر کی ہیں جو یہ ہیں ؎

پیاس نے دریا سے ملاقات کی — خوب تلافی ہوئی مافات کی
چاہتے ہیں جس کو بلاتے ہیں یوں — شربت دیدار پلاتے ہیں یوں
حیف کہ ہم پھرتے ہیں شام و سحر — حرص کا کاسہ لئے در بدر
گھر کے نہ دلدار نہ در کے ہوئے — ہم نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے ہوئے
رحمتِ عالم مجھے بلوائیے — رحم مرے حال پہ فرمائیے
شربتِ دیدار پلا دیجئے — بہر خدا میری دوا کیجئے
ہند میں خاطر مری ناشاد ہے — جلد خبر لیجئے فریاد ہے
مجھ کو نہیں چاہئے باغ ارم — سر ہو مرا اور وہ خاک قدم (ورق ۴۰۔۴۴)

اِس مثنوی کے خاتمہ پر ترقیمہ بھی لکھا ہے جو یہ ہے ؎

"تمت تمام شد بتاریخ چہارم ماہ محرم الحرام ۱۲۸۱ھ"

۳۔ مثنوی فرزندانِ حضرت مسلم از عصر۔

یہ دو سو دس ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں عصر نے حضرت مسلم بن عقیل کے دونوں فرزندوں عون اور محمدؐ کے حالات اور شہادت کا دردناک قصہ بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اس دور میں میر احمد علی عصر ایک مشہور استادِ سخن تھے۔ جو حضرت میر شمس الدین محمد فیض کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ان کا دیوان جو خود ان کا مکتوبہ ہے۔ اور غزلیں ادارے میں موجود ہیں اور ان کے حالات اس تذکرہ کی پہلی دو جلدوں میں شایع

ہو چکے ہیں۔ دیکھو جلد اول صفحات ۱۰۸ و ۲۲۵۔ جلد دوم صفحہ ۱۷۱۔ ممکن ہے کہ یہ طویل مثنوی بھی ان ہی کی تصنیف ہو۔ اس میں ان فرزندانِ مسلم کا سراپا بڑا عمدہ بیان کیا ہے۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں ؎

گیسو اُن کے شام وصل عاشقاں | صبح رحمت اُن کی تھیں پیشانیاں
سُرمہ آنکھوں میں نہ تھا پھیلا ہوا | چشمۂ نرگس پہ برسا نور کا
لب اوپر اعجاز جن کے روبرو | آبِ حیواں کو نہیں ہے کچھ آبرو
دو دہن تھے غنچۂ باغ جناں | مجھ کو اُن کی بات میں حجت کہاں
تھے دُرِ دنداں درِ اسرار حق | ہے وہ باطل جو نہ بولے اس کو حق
خالِ رخسار آتا تھا نظر میں | تھے ستارے پہلوئے خورشید میں
تھیں الف اللہ کی دو بینیاں | ناک گھسنی کرتی تھیں حوریں جہاں
کان اون کے کانِ بحرِ حسن تھے | ہو شنا امکاں نہیں ہر ایک سے
موئے مژگاں سبزۂ جنت سے تر | طائر سدرہ کے یہاں جلتے ہیں پر
کیا سراپا ان حسینوں کا لکھوں | کس طرح دریا کو کوزے میں بھروں

یہ مثنوی ان ابیات سے شروع ہوتی ہے ؎

کہتے ہیں یوں راوی شیریں زباں | غم الم ماتم زدوں کی داستاں
حضرت مسلم کے تھے فرزند دو | خوب صورت، نیک سیرت پاک خو

آخری ابیات یہ ہیں ؎

عصر تو بھی کر بس اب ختم کلام | عرضِ مطلب کر کہ لے دونوں امام
دو غم دنیا سے اور دیں میں نجات | اور رکھو حشر میں بھی اپنے سات
اور جو حاجات دینی دنیوی | وہ بھی حل کیجے سخی ابن سخی
آخرت کا جب سفر آوے مجھے | اس جہاں سے جاؤں میں ایماں لیے
اور اس مجلس کے جیکے حاضریں | ان کا بھی ہو مطلب ......
یہ دعا ہے میری رب ذوالمنن | ہووے سب مقبول بہر پنجتن (ورق ۱۰۹ب)

عصر کی محفل مولود سے متعلق ۱۴ شعر کی ایک اور نظم بھی ورق ۱۴۰ب پر درج ہے جس کا مقطع یہ ہے ؎

عصر تا سوزِ فراق سرور کون میں | میرے سینہ دکھتی آتش نمرود ہے

۴۔ قصۂ دائی حلیمہ۔ از شہید۔

یہ ۱۹۰ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جو شہید نے لکھی ہے۔ اس دور میں امیٹھی ضلع لکھنؤ کے مشہور شاعر مولانا غلام امام شہید حیدر آباد ہی میں مقیم تھے۔ وہ الٰہ آباد میں محکمۂ صدر نظامت میں پیشکار تھے کہ حیدر آباد کے صدر الصدور نواب محی الدولہ نے ایک ہزار پیشہ زاد راہ بھیج کر ان کو حیدر آباد بلالیا اور یہاں وہ ملازمت ترک کر کے چلے آئے تھے۔ اور نظام سرکار سے ان کو ماہانہ چار سو تیس روپیہ بلا شرط خدمت منصب مقرر ہوگیا تھا۔ ان کے حالات اور حیدر آباد میں قدر و منزلت کی تفصیلات محبوب الزمن میں صفحات ۵۶۹۔۵۷۰ پر درج ہیں۔ انہوں نے میلاد کی محفلوں میں پڑھنے اور گانے کے لئے متعدد نظمیں اور مثنویاں لکھی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ مثنوی بھی انہی کی تصنیف ہو۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے ؎

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی — جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی — اوس کی قسمت میں یہ دولت ہے لکھی

آخری ابیات یہ ہیں ؎

دم نکلتا نہیں مجبور ہیں ہم — دل سنبھلتا نہیں معذور ہیں ہم
ہم کو وہاں جانے کا مقدور نہیں — واں اگر جائیں تو کچھ دور نہیں
کون حال دلِ ناشاد سنے — بے کسوں کی ہے یہ فریاد سنے
ہند سے ہم بھی سفر کر جائیں — کاش اس دشت میں پس مر جائیں
یہ مناجاتِ شہیدِ مسکیں — سُن کے یارو کہو آمیں آمیں

۵۔ کلام خیر۔

اس بیاض میں کسی شاعر خیر کا بھی متعدد نظمیں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :-

۱۔ قصیدۂ معجزہ۔ یہ ۴۴ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں حضرت سرور کائنات کا ایک معجزہ بیان کیا گیا ہے جس میں آنحضرت نے ایک اعرابی کے ڈول کو باؤلی سے نکلوا دیا تھا اور وہ آپ کا معتقد ہو کر مدینہ میں ڈھونڈتا آیا تھا۔ اس کے مصنف کوئی شاعر خیر ہیں جن کی نسبت کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

الصلوٰۃ اے سایۂ پروردگار — والسلام اے شافعِ روزِ شمار
معجزۂ نادر سنو اے دوستو — ایک دن حضرت رسولِ کردگار

آخری اشعار یہ ہیں ؎

ہاتھ اوس نے جوڑ کر مانگی دُعا — ہوگیا بہتر ہوا وہ دین دار
کیوں نہ بر آوے مطالب خیر کے — ہے رسول اللہ پر دل سے نثار

۲۔ غزل نعتیہ۔ اس غزل کا ابتدائی شعر یہ ہے ؎

محمدؐ سا سرور ہوا ہے نہ ہوگا — اور ایسا پیمبر ہوا ہے نہ ہوگا (۱۱ شعر)

۳۔ قصیدۂ یہودی۔ ورق ۱۰ سے ۲۹ شعر کا ایک قصیدہ شروع ہوتا ہے جس میں ایک یہودی دشمن کا قصہ لکھا ہے جس کی ابتدا میں لکھا ہے ؎

ہزاروں معجزے حضرت نبی کے — ہوے روشن ہیں جوں خورشید انور
وہ سب میں سے عجائب ایک اوپر — لکھا ہندی میں ہے یہ خیر اختر

۶۔ کرامت غوث اعظم۔ از فضل۔

یہ ۴۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں کسی غیر معروف شاعر فضل نے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی کی ایک کرامت بیان کی ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

رحم عالم غوث اعظم دستگیر — فیض عالم غوث اعظم دستگیر
غوث اعظم ہے مسیحائے جہاں — جس سے زندہ ہوگئے سب مردگاں

آخری ابیات یہ ہیں ؎

اور تمامی مومنوں پر دم بدم — یا محی الدین کرو اپنا کرم
اور جو ہیں سب ہی افتادہ فقیر — دستگیری اون کی ہو یا دستگیر
آپ کا گر فضل کے ہو سر پہ ہات — حشر میں بھی ہووے گی اس کی نجات (ورق ۱۰۵)

عبد المقتدر صدیقی فضل اس دور کے بعد حیدرآباد میں ایک عالم اور صوفی گذرے ہیں جو آخر میں جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر دینیات ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کے اوائل عمر کا کلام ہو۔

۷۔ مثنوی سکرات۔

یہ ۴۲ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں سکرات کی تکلیف اور موت کے وقت اور بعد کی پریشانی بیان کی گئی ہے۔ مثنوی بہت معمولی درجہ کی ہے اور شاعر کا نام درج نہیں ہے۔ اس کی ابتدائی اور آخری بیتیں یہ ہیں :-

ابتدائی :- یا الٰہی یا الٰہی یا رحیم — یا حلیم و یا حکیم و یا کریم

آخری:۔ ہمکو اپنی مغفرت درکار ہے آج کے دن کون کس کا یار ہے (ورق ۲، ۱ب)

۸۔ نوحہ جات۔ از جمشید۔

۱۔ ۳۰ اشعار کا ایک نوحہ ہے جس میں کسی غیر معروف شاعر جمشید نے حضرت امام زین العابدین کا نوحہ لکھا ہے۔ اس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں ؎

ابتدائی:۔ ظلم سے پھر کے مدینہ میں جو آئے عابد
بہر سوغات نشاں طوق کی لائے عابد

آخری:۔ روزِ محشر کہے جمشید تجھے دیکھ کے خلق
قصرِ جنت اسے رہنے کو دلائے عابد (ورق ۱۱)

۲۔ جمشید کا ایک اور نوحہ صفحہ ۱۴۶ - ۱۴۷ پر بھی درج ہے جس میں ۱۰ شعر ہیں۔ اس کا مطلع یہ ہے
زہرا کی یہی تھی ان میں صدا لے شاہ ہدیٰ امت کیلئے
کیا ظلم سے کاٹا تیرا گلا بے جرم و خطا امت کیلئے

مقطع:۔ جمشید نہ لکھ تو بس آگے سرور کی مصیبت روک قلم
افسوس کیا جاں اپنی فدا گھر اپنا لٹا امت کیلئے

۹۔ نعت و منقبت۔ از بندہ۔

خواجہ فیاض الدین خاں بندہؔ اس عہد کے مشہور نعت گو تھے جن کی نعتیہ غزلیں آج تک میلاد کی محفلوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ مولود شریف کے مجموعوں میں بھی ان کا کلام چھپ چکا ہے۔ ۱۵ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ کو فوت ہوئے۔ پھسلبنڈے میں حیدر آباد کی جانب شرق درگاہ حضرت برہنہ شاہ کے قریب دفن ہیں۔ نواب تدبیر جنگ کے اہتمام سے ہر سال ان کا عرس ہوتا تھا۔ اس بیاض میں ان کی متعدد غزلیں ہیں جن کا موضوع نعت و منقبت ہے۔ اس منقبت میں ۱۱ شعر ہیں۔ اس کا مقطع یہ ہے ؎

۱۔ نہوگا وہ کبھی خواجہ کا بندہ نہوگا تب تلک بندہ علی کا

وہ اپنے ہر مقطع میں بندہ کے ساتھ لفظ خواجہ بھی التزام کے ساتھ لاتے تھے۔ ان کی بعض دوسری غزلوں کے مطلعے مع تعداد اشعار غزل یہ ہیں ؎

۲۔ عاشقِ رب ہے بہت معشوقِ ربانی نہیں ہے
یا قطب یا غوث اعظم آپ کا ثانی نہیں ہے (۱۱ شعر)

۲۔ مرتوں کو، بچا سکتے ہو تم یا غوث الصمدانی مدد ے
مردوں کو جلا سکتے ہو تم یا غوث الصمدانی مدد ے (۹ شعر)

۴۔ یا نبی ہم کہاں جائیں فرمائیے
بیکسی کس کو دکھلائیں فرمائیے (۱۱ شعر)

۵۔ حاجت روا نہ ہو گئے اگر یا محمدا
میں بھی کھڑا پکاروں گا لے دا محمدا (۱۱ شعر)

۶۔ کوئی لادے کچھ پیام مصطفےٰ جان ہے قربان بنام مصطفےٰ (۱۱ شعر ورق ۱۵۲)

۷۔ ایک ترکیب بند جس میں ۱۰ بند ہیں۔ ہر بند میں چھ مصرعے ہیں۔ پہلا بند یہ ہے ؎
مرتبہ ہو نہ کیا محمدؐ کا واصف ہے خدا محمدؐ کا
نبیوں میں انہیں کیا گن لو منصب ہے بڑا محمدؐ کا
آدم تھے جو سب سے افضل ان کے تھے شکور
ایسا کوئی کیا ہوگا ہیں جیسے میرے حضور (ورق ۱۵۱)

اس کے آخر میں تاریخ کتابت ۱۲۰۷ھ لکھی ہے۔

۸۔ بندہ نے ایک نئی زمین میں یہ نعتیہ غزل لکھی ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎
لڑکپن میں خیر الوریٰ کھیلتے تھے ولیکن خدا جانے کیا کھیلتے تھے
اس نظم میں بھی ۱۱ شعر ہیں۔ ورق ۱۴۳۔ مقطع یہ ہے ؎
غرض کیا خبر تجھ کو خواجہ کی بندہ نہیں کھیلتے تھے دیا کھیلتے تھے

اس کے بعد مسلسل اور چار غزلیں بندہ ہی کی درج ہیں۔ اور پھر ورق ۱۲۹ پر کاتب نے اپنا نام حمید خاں اور مالک بیاض نے اپنا نام عبد المجید لکھا ہے۔ اس کے بعد دو چار صفحات پر مختلف اشعار ہیں اور پھر ورق ۱۳۵ پر اس بیاض کے دوسرے مالک نواب میر ریاست علی خاں بہادر کا نام درج ہے۔ یہ دراصل بیاض کا درمیانی حصہ ہے اور یہاں سے بیاض میں دوسری جانب سے لکھا گیا ہے۔

۱۰۔ کلام ضیغم۔

عبد اللہ خاں ضیغم لکھنوی (۱۲۰۳ - ۱۳۵۷ھ) عنفوان شباب میں حیدر آباد آگئے تھے۔ اور تمام عمر یہیں بسر کی۔ ان کا قلمی تذکرہ یادگار ضیغم ادارے کے کتب خانے میں نمبر ۵۶۴ پر موجود ہے اور تفصیلی ذکر اسی جلد میں درج ہو چکا ہے۔ ان کے نعتیہ دیوان کا تو ذکر ملتا ہے۔

لیکن مثنوی نگاری کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس بیاض کی کتابت کے وقت حیدر آباد ہی میں تھے۔ ممکن ہے کہ یہ کلام انہی کا ہو یا محمد غضنفر شاگرد فیض کا جن کا ذکر یادگار ضیغم میں درج ہے
۱۔ ہرنی کا قصہ۔ اس میں ۴۲ ابیات ہیں جن میں آنحضرت کا مشہور معجزہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

ہیں محمد رحمۃ للعالمین　　ان کا ثانی کوئی دنیا میں نہیں
ان کا میں لکھتا ہوں اب اک معجزہ　　گوش دل سے تم سنو اس کو ذرا

آخری ابیات ؎

ان کو دشمن پر ظفر حاصل ہے　　شاد خرم ان کا یارب دل رہے
ہے یہی ضیغم کی اب ہر دم دعا　　خاتمہ بالخیر ہو یارب مرا

۲۔ اس بیاض میں ورق ۔ا پر ضیغم کا ایک نوحہ بھی درج ہے جس میں ۳۹ شعر ہیں۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

رکھتے تھے عشق دل سے پیمبر حسین کا　　بعد حسن نہ کوئی تھا ہمسر حسین کا

۳۔ ورق ۱۵۸ پر ایک نعت درج ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اللھم صل علی محمد　　یارب صل علیہ وسلم

مقطع ؎　ضیغم کی ہر دم دعا یہ　　یا رب صل علیہ وسلم

۱۱۔ نعت ۔ از شاہ خاموش۔

حضرت معین الدین حسینی شاہ خاموش (۱۲۰۴ھ ۔ ۱۲۸۸ھ) حیدر آباد کے ایک مشہور صوفی بزرگ تھے۔ ان کے حالات مرقع سخن جلد دوم میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک منتخب مجموعۂ کلام ادارے میں نمبر ۷، ۴ پر محفوظ ہے۔ جس کا ذکر تذکرہ جلد دوم صفحات ۱۴۰۔ ۱۴۱ پر شایع ہو چکا ہے۔ ان کا دیوان بھی شایع ہو چکا ہے۔ یہ انہی کی ایک غزل ہے جس میں ۱۷ شعر ہیں۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

کوئی جانے کیا عز و شان محمد　　خدا آپ ہے رتبہ دان محمد　　(ورق ۱۶۴)

۱۲۔ نعت ۔ از ادب۔

ادب کے بارے میں بھی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ ان کی غزل کا مطلع یہ ہے ؎

السلام اے شاہ شاہاں السلام　　السلام اے جان ایماں السلام　　(۷ شعر)
مدح خواں ہے آپ کا وہ یا نبی　　ہو ادب کی مشکل آساں والسلام　　(ورق ۱۶۱)

۱۳۔ نعت۔ از توقیر۔

مطلع:۔ جس کے پرتو سے منور آفتاب و ماہ ہے | وہ مقرر ہو منو نور رسول اللہ ہے | (۹ شعر)

مقطع:۔ ہو اگر توقیر دل میں عشق حضرت جاگیر | منزلِ عقبیٰ کا یہ بھی خوب زادِ راہ ہے | (۱۶۰ ورق)

۱۴۔ نعت۔ از محب۔

مطلع:۔ خدا آپ کا ہے تو سب آپ کا ہے | محمدؐ یہ سارا سبب آپ کا ہے | (۲۳ شعر)

ہو با عمر فرزند ان کو عنایت | کہ وہ آپ کے ہیں محب آپ کا ہے | (۱۵۸)

۱۵۔ مثنوی کرامتِ محبوب سبحانی۔ از شایق۔

مفتی میر اعظم علی شایق حیدر آباد کے ایک مشہور صوفی بزرگ اور شاعر تھے۔ جو ڈاکٹر احمد حسین مائل کے شاگرد تھے۔ ان کے نعتیہ کلام کے مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ میلاد کی محفلوں میں ان کی نعت و منقبت اب تک گائی جاتی ہے۔ بندہ کی طرح شایق بھی نصف صدی قبل دکن کے بہترین مقبول شاعر تھے۔ اور ان کا کلام گھر گھر پہنچ گیا تھا۔ کلیات شایع ہو چکا ہے۔ اس مثنوی میں جو ۴۴ ابیات پر مشتمل ہے حضرت محبوب سبحانی عبد القادر جیلانی کی ایک کرامت کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

دل سے سنو دوستو اس کو ذرا | ہے محی الدین کا یہ ماجرا

ماجرا ہے حضرتِ عالی ہمم | اس کو کرتا ہے کوئی راوی رقم | (ورق ۵۶ اب)

آخری بیت یہ ہے ؎

مطلع انوار خفی و جلی | مشکل شایق کرو منجلی | (۱۵۲)

۱۶۔ غزل۔ عاصی۔

اس دور کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ بھی ادارے میں موجود ہے۔ جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ زیادہ تر نعت لکھتے تھے۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے ؎

روئے زمیں میں نور خدا آشکار ہے | کیا شہر مولد شہ عالم مدار ہے | (۹ شعر ورق ۱۵۲)

۱۷۔ نوحہ پسران مسلم۔

یہ اٹھارہ اشعار کا ایک نوحہ ہے جو کسی اچھے شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ شاعر نے مقطع میں بھی تخلص کا استعمال نہیں کیا ہے۔ مطلع یہ ہے ؎

شہید ہو گئے مسلم کے جب پسر دونو — ہوئے کباب جہاں کے دل و جگر دونو

آخری شعر یہ ہے ؎

عجیب قدرتِ حق ہے کہ برجِ آبی میں — بہ رنگ شمس و قمر تھے وہ جلوہ گر دونو

۱۸۔ غزل نعتیہ۔ از اورنگ۔

اورنگ ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ یہ گیارہ شعر کی غزل ہے۔ اس کا مقطع یہ ہے۔ ورق ۱۴۵ب

درِ دولت پہ آیا ہوں گدا بن صورتِ سائل — زکاتِ حسن اورنگ کو دلا دو یا رسول اللہ

۱۹۔ نعت۔ از ظہور علی۔

یہ بھی غیر معروف شاعر ہیں۔ ۱۴ شعر ہیں۔ مقطع یہ ہے ؎

یہ دعا ہے ظہور علی کی — حشر میں ہو مع الصالحین

۲۰۔ نظم مقام قبر۔ از عمر۔

اس نظم میں دنیا کی بے ثباتی اور اخلاق و نیکی کا سبق دیا گیا ہے۔ شاعر غیر معروف ہیں۔ صرف ۱۰ شعر ہیں۔ ورق ۱۴۴ا۔ اس کا مقطع یہ ہے ؎

کہتا ہے کیا تو سن عمر کر خوب تو اس پہ نظر — ہوتا ہے سب سے در گذر آخر مقام قبر ہے

اسی طرح اس بیاض میں سیکڑوں نظمیں ہیں جن میں زیادہ تر بندہ کی ہیں اور دوسرے شعرا میں شہباز۔ حافظ۔ خیال۔ شکوہ۔ کافی۔ سید۔ احسن۔ اور ضیا کی۔ خاص کر ضیاء کی متعدد نعتیں نقل کی گئی ہیں۔ مرزا منیر الدین ضیاء گورگانی اس دور میں حیدرآباد ہی آ گئے تھے اور محلۂ سبزی منڈی میں مقیم تھے۔ ان کا بہت زیادہ کلام اس بیاض میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس بیاض کی ایک نعت (ورق ۱۰۱) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک امیر نواب داراب جنگ بہادر مولود خوانوں کے قدردان تھے۔ اور اکثر میلاد شریف کی محفلیں سجاتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر نے لکھا ہے ؎

اے خدا داراب جنگ کو کر نصیب — بارہا مولود پڑھوانا رسول اللہ کا

یہ ایک بہت ہی ضخیم بیاض ہے۔ اس کے کاتب اور مالکوں کا نام ابتدا میں درج کر دیا گیا ہے۔ کاتب کم سواد تھے۔ اکثر شعر غلط لکھے ہیں۔

۲۱۶ ورق۔ فی صفحہ ۱۰ شعر۔ ۸ˋ × ۴ˋ۔

۵۷۴۔ بیاض کلام۔ ناسخ، نازنین، نصیر، حفیظ، نور، ربط وغیرہ — نظم اردو

یہ بیاض ۱۳۰۰ھ ہجری میں لکھی گئی ہے۔ اس میں کسی صاحب ذوق نے بعض مشاہیر اردو اور اپنی پسند کے دیگر شعرا کا کلام غالباً اپنے مطالعہ کے لئے نقل کیا ہے۔ اس کی ابتدا نازنین کی غزل سے ہوتی ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

مرتا ہے تیرے عشق میں سرشار خبر لے
ٹک میرے دلِ زار کی اے یار خبر لے

دوسرے شعرا کے غزلوں کے مطلعے یہ ہیں ؎

ناسخ۔ پھر بہار آئی چمن میں زخم دل آئے ہوئے
یہ مرے داغ جگر آتش کے پرکالے ہوئے

سوز۔ اس سرو قد کی دوستی میں کچھ ثمر نہیں
یہ نخل محبت مرا بارور نہیں

ناسخ۔ دل میں پوشیدہ تپ عشق بتاں رکھتے ہیں
آگ ہم سنگ کے مانند نہاں رکھتے ہیں

نامعلوم۔ وہ صنم حال مرا کیا جانے
ہوں میں کس فکر میں خدا جانے

ظفر۔ مرغ دل مت رو یہاں آنسو بہانا منع ہے
ان قفس کے قیدیوں کا آب و دانہ منع ہے

نظر۔ ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اٹھانے والے
تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے

محکم۔ ہوئے ہو کس لئے بیزار ہم سے
بھلا کچھ تو کہو دلدار ہم سے

نور۔ موا جاتا ہوں ترے ہجر کے مارے آئے
مرے جانی مرے دلبر مرے پیارے آئے

احمد۔ لبِ اس گلِ رعنا کا عقیق یمنی ہے
دندان بدخشان کے ہیرے کی کنی ہے

عاشق۔ دونوں رخسار ماہ پارے ہیں
ابرو اور خال چاند تارے ہیں

عاشق۔ آنکھ کیوں تونے بھلا ہم سے لگائی پیارے
بجھ گئی تھی سو پھر آگ لگائی پیارے

اس کے بعد ایک نامعلوم شاعر کی غزل لکھ کر تاریخ تحریر بیاض لکھی ہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ ہجری۔ پھر دوسرے صفحے سے متفرقات یعنی مطلعے اور فردیں لکھی ہیں جن میں سے بعض معروف قائم، ناسخ، صدیق، عطا، فیض، سخن، ہدایت، میر، حفیظ، مصحفی، قاسم بیگ، خلیل، کرم، سرور وغیرہ ہیں۔ اسی سلسلے میں عظیم الدین خاں عاشق، منشی تفضل حسین اور بالا پرشاد ربط کی رباعیاں اور آخر میں پھر متعدد شعرا کی غزلیں لکھی ہیں۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ خوشخط نستعلیق میں کتابت کی ہے۔

۲۴ ورق۔ ۸ شعر فی صفحہ۔ ½۶ × ½۴۔

۵۷۵ - رسالۂ احوال دوزخ - از فیاض الحق ۱۲۵۶ھ - اُردو نثر

اس رسالۂ نثر میں دوزخ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف نے سبب تالیف میں جو کچھ لکھا ہے اس کے سوا ان کے بارے میں کوئی معلومات نہ مل سکیں۔ اُردو کی ایک قدیم نثر ہونے کی وجہ سے ۲۴ صفحات کا یہ رسالہ کچھ اہمیت کا حامل ہے۔ زبان و اسلوب کا اندازہ اس ابتدائی عبارت سے ہو جائے گا:۔

"ایک دن اس فقیر خاکسار فیاض الحق سے ایک دوست دیندار باصدق و صفا محمد رضا نے کہا کہ اگر یہ رسالہ حدیث کا کہ جس میں کچھ حال دوزخ کا اور حضرت کی شفاعت کا ہے زبان ہندی میں بعبارت سلیس ہو جاوے تو خوب بات ہو کہ مسلمانان حرف شناس قرار واقعی سمجھ لیویں۔ اور عذاب الٰہی سے ڈر کر توبہ کریں۔ بموجب فرمانے اون کے اس فقیر نے سنہ ایک ہزار دو سو چھپن ہجری میں زبان ہندی میں کیا اور امیدوار ہوں کہ جو مسلمان اس کو پڑھے اللہ واسطے اس گنہگار کے دعائے مغفرت مانگے۔"

اس کی آخری عبارت یہ ہے:۔

"جس وقت وہ لوگ ارادہ اُٹھنے کا کریں گے شکم کے بوجھ سے گر گر پڑیں گے اور گرزوں سے مار کھاویں گے۔ گدھوں کی طرح چلاویں گے۔ یہ وہ لوگ ہونگے بیاز کھاویں گے۔ اور سود کھاتے تھے۔ پھر ایک گروہ دوزخ میں پھریگا کہ نیچے کا ہونٹ پاؤں پر پڑے گا اور اوپر کا ہونٹ سر پہ ہوگا۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ ربط عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور حصہ اس کتاب کا باقی ہوگا۔

۱۲ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۹ × ۵½ -

۵۷۶ - بیاض قدیم - ارشاد - لطیف - شہباز - کلام اُردو

یہ ایک قدیم بیاض ہے جس میں مختلف کاتبوں نے مختلف وقت میں قدیم شعرا کی نظمیں لکھی ہے۔ خواجہ بندہ نواز، ارشاد، لطیف وغیرہ بہت قدیم شاعر ہیں۔ بعد کے شعرا میں سراج، سودا اور تاباں کی بھی غزلیں ہیں۔ زیادہ تر قدیم مخمسات ہیں لیکن کاتبوں نے بے پروائی کے ساتھ لکھا ہے اور بعض کاتب تو اتنے کم سواد ہیں کہ املا بھی غلط لکھا ہے اور

اکثر جگہ الفاظ بھی آگے پیچھے لکھے ہیں۔ اس لئے اس بیاض کو صحیح پڑھنا مشکل ہے۔ بارہویں صدی ہجری کی کتابت ہے۔

اس بیاض کی بعض نظموں کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ مخمس شہر آشوب۔

یہ ایک مخمس ہے جس میں ہر چار مصرعوں کے بعد کسی اور شاعر کا مصرعہ بطور تضمین لکھا گیا ہے۔ یہ ایک طرح کا شہر آشوب ہے جس میں ماں باپ اولاد اور جوگی و بیراگی و سنیاسی کسی سے بھی بھلائی کی امید نہ رکھنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ جملہ ۸ بند ہیں۔ پہلا بند یہ ہے ؎

اس گردشِ افلاک سے تج آپ چلے دنیا کی محبت کو سمے دل سے نکالے
یہ قوم دغل باز جفا جو ہیں رزالے کرتے ہیں ہر اک بات میں کئی حیلے حوالے
سچ ہے کہ خدا کچھ کسی سے کام نہ ڈالے

آخری بند یہ ہے :۔

ارشاد تو غافل نہ رہو خوفِ خدا کر جو دوست نظر آوے دل و جان فدا کر
مقدور سے اپنے ...... کا کر ...... تمہارے کا ہی مصرع سنا کر
سچ ہے کہ خدا کچھ کسی سے کام نہ ڈالے

اس کے بعد تمت تمام شد لکھ کر کاتب نے اپنا نام شیخ میراں لکھا ہے۔

۲۔ محرم کا فقیر۔

یہ دس اشعار کی ایک نظم ہے جو محرم کے فقیر پر لکھی گئی ہے۔ مقطع میں شاعر نے اپنا تخلص لطیف لکھا ہے۔ دکن میں محرم کے فقیر کیا کیا رنگ روپ اختیار کرتے تھے ان کی تفصیل لکھی ہے۔

مطلع :۔ یا شاہ کربلا ترا ماہِ محرم کا فقیر نت ہے با صدق و صفا محرم کا فقیر
مقطع :۔ لے لطیف اس باج دل میں لطف کی خواہش کر منگتا ہے یہ دعا ماہِ محرم کا فقیر

۳۔ مخمس نعرۂ حیدری۔

یہ ایک ناقص الآخر مخمس ہے جس میں بھی غالباً پانچ بند تھے۔ چونکہ آخری بند مکمل نہیں ہے اس لئے شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ابتدائی بند یہ ہے ؎

غفلت سوں نکل کر جو گرے چرخ ستم گار مریخ کے قبضے سوں نکل گر پڑے تلوار

سو ٹکڑے ہو مس اور چلے دل میں کھونا   جا جھتے کی بل میں بچھے اژدر خونخوار
للکار کے جس وقت کہوں حیدر کرار

۴۔ غزل خواجہ بندہ نواز شہباز ۔ (۷ شعر)

خواجہ بندہ نواز کی یہ غزل ایک دوسری بیاض میں بھی منقول تھی ۔ چنانچہ نوائے ادب (بمبئی) میں چھپی تھی ۔

مطلع :۔ توں تو ہے سچا لشکری کر نفس گھوڑا اسوار توں
تا ہو نرم اوس پر چڑھے پس کھاوے نا آزار توں

مقطع :۔ شہباز اپ خود ہوے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
دل جان اللہ یک ہوے کر تب پاوے گا دیدار توں

اس غزل کے نیچے کاتب نے لکھا ہے " ایں خط بدست مرزا حسن علی بیگ است "

۵۔ غزل لطیف ۔ (۹ شعر)

یہ قدیم مگر اعلیٰ پایہ کے شاعر معلوم ہوتے ہیں ۔

مطلع :۔ اے مالک کشور تجھے سرور نہ کہوں کیں   سلطان ہمہ فاتح لشکر نہ کہوں کیوں
مقطع :۔ تجھ لطف تجلی کا لطیف اسم ہے ذاتی   تو قد صنوبر لب کوثر نہ کہوں کیوں

۶۔ مخمس لعنت ۔

کسی نامعلوم شاعر کی نظم ہے جس نے شیعوں پر لعن طعن کی ہے ۔

پہلا بند یہ ہے ؎

ہیں چار یار برحق ہادی رہ ہدایت   بعد از نبی برحق چاروں میں تھی خلافت
مانند حضرت محمد چاروں میں نئیں تفاوت   یہ منقبت ہے واجب بر سنت جماعت
مردود رافضی کی اعتقاد پشت لعنت

آخری بند یہ ہے ؎

العشر و المبشر افضل نبی کے یاراں   اوس شمع رو کے سارے پروانے جاں نثاراں
اوس خانماں کے سارے محبوب دوستداراں   جن سے خدا ہے راضی وہ سارے شہسواراں
مردود رافضی کی اعتقاد پشت لعنت

۷۔ مسدس منقبت پنجتن۔

اس کے مصنف کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔ پہلا بند یہ ہے:۔

اگر غافل تو اپنا کچھ وطن دیک (دیکھو)　　اوپر آسیر کر دل کا من دیکھ
خدا موجود ہے چار دل کدن دیکھ　　میں کہتا راست ہوں شیریں دہن دیکھ
اگر غافل تو ملک اندر زمین دیکھ
خدا گر دیکھنا ہے پنجتن دیکھ

۸۔ مسدس منقبت۔ (۸ بند)

یہ غالباً مذکورہ بالا مسدس کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ شاعر کا تخلص درج نہیں ہے۔

پہلا بند:۔

نہ ہو غافل تو مرشد کے چرن دیکھ　　...... بیگی تو دل کا موہن دیکھ
یہ رتہ سہل نیں ہیگا کٹھن دیکھ　　فنا کر آپ کو حب الوطن دیکھ
اگر بینا ہے نقطے کا متن دیکھ
خدا اور پنجتن کو ایک من دیکھ

آخری بند:۔

تو کیوں گمراہ ہوا ہے نفس کافر　　خیال بد کوں کیوں کرتا ہے ظاہر
تو سن پندار کی ہے بات آخر　　پیا تو تیرے دل میں خود یہ خاطر
اگر بینا ہے نقطے کا متن دیکھ
خدا اور پنجتن کو ایک من دیکھ

۹۔ منقبت امیر المومنین۔

یہ ایک طویل نظم ہے اور حضرت امیر المومنین علی کی مدح میں لکھی گئی ہے۔

پہلا بند:۔

کشور ہستی کا سلطاں ہے امیر المومنین　　قدرت واجب کا امکاں ہے امیر المومنیں
حق کی پیدائش کا ساماں ہے امیر المومنیں　　انبیا کے جسم کا جاں ہے امیر المومنین
اولیا کا دین و ایماں ہے امیر المومنین

آخری بند ہے

ملکِ ہستی میں لئے ہیں بادشاہوں سے خراج — اوس کی ذاتِ پاک میں ہے دین و ایماں کا رواج
انبیا کا اوس سے مطلب اولیا کو احتیاج — دردمندوں کا شفا ہے اور مریضوں کا علاج

ہے جنے دکھ اون کا درماں ہے امیر المومنین

۱۰۔ مکتوب چھوٹی بیگم بنام نواب صاحب۔

یہ فارسی میں ہے جس میں کسی نواب صاحب کے یہاں اپنے فرزند عاشق علی کو بھجوانے اور ادائی قرضہ چارصد روپے کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

۱۱۔ شیخ احمد حسن خادم روضۃ النبی کے خواب میں سرور کائنات کی وصیت فارسی میں بیان کی گئی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ قیامت ۱۱۹۹ھ میں آنے والی ہے۔

اسی طرح متعدد نظمیں اور ترکیب بند شامل ہیں۔

۱۸ ورق۔ ۱۲ شعری صفحہ۔ ½۹ × ½۴۔

۵۷۷۔ دیوان واجد دہلوی۔ کلام اردو

واجد کوئی غیر معروف شاعر ہیں جو غالباً دلی سے ارکاٹ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ اور وہاں کے شعرا سے ان کی نوک جھونک رہتی تھی۔ وہ مسرور کے شاگرد تھے۔ مسرور تخلص کے بھی کئی شاعر شمالی ہند میں گزرے ہیں مثلاً مرزا اصغر علی بیگ مسرور دہلوی۔ نواب غلام حسین خاں مسرور۔ شیخ پیر بخش مسرور کاکوروی۔ شرف الدین احمد مسرور میرٹھی (یادگار شعرا ص ۱۸۴) معلوم ہوتا ہے کہ واجد مرزا اصغر علی بیگ مسرور دہلوی کے شاگرد تھے جو میر عزت اللہ عشق کے شاگرد اور مرزا نکی بیگ دہلوی کے نام سے مشہور تھے۔ واجد نے اکثر غزلوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ایک غزل میں مقطع کے بعد یہ شعر لکھ کر مسرور کی ایک غزل لکھی ہے ہے

غزل یہ حضرت استاد کی پڑھو تو سہی — کہ کیسے رنگوں سے ہے رچا شعر کا گزرنگ

مسرور کی اس غزل میں ۸ شعر ہیں۔ ان کا مقطع ہے ہے

بھد گیا ہو اہل زمانہ نے مسرور — جو دونو ہاتھوں کو کی یار کے حنا گزرنگ

اسی سلسلہ میں چند غزلوں کے بعد ایک غزل کا مقطع یہ ہے ہے

واجدؔ ہے یہ غزل مسرور کی خنجر سے تیز — جس کو سن کر اہل کرناٹک کا ہوئے سینہ چاک

اس کے بعد اسی زمین میں مسرور کی ایک غزل لکھی ہے جس میں ۸ شعر ہیں اور آخری دو شعر

قطعہ بند ہیں۔ جن میں مسرور نے اپنے وطن کے ذکر کے ساتھ اہل دکن پر چوٹ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

جو کہ ہو دلی کا باسی تازی سمجھے یہ غزل ہووے جو دکھن کا ابسا کیا وہ سمجھے اس کو کہا
ہم سری اہل دکھن سے کیا کرے میر قلم ہمنا اور تمنا کی ہے گویائی سے مسرور پاک

واجد کے اس دیوان میں ان کی فارسی غزلیں بھی ہیں۔ وہ فارسی شاعری میں محمد جعفر خاں راغب دہلوی کے شاگرد تھے۔ جو نواب لطف اللہ خاں صادق پانی پتی کے رشتہ دار تھے۔ اور زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آخر زمانہ میں عظیم آباد پٹنہ چلے گئے تھے اور وہیں افلاس کی حالت میں وفات پائی۔ ان کا ذکر تذکرہ علی ابراہیم خاں خلیل اور تذکرہ عشقی میں درج ہے۔ اور تذکرہ یادگار شعرا میں انہی کے حوالہ سے ان کا ذکر درج ہے۔

واجد نے راغب کا ذکر اپنی ایک غزل میں اس طرح کیا ہے ؎

واجد از بادۂ راغب شدہ مدہوش سخن مست الطاف دیم طبع غزلخوانِ ادم

واجد اپنی اور اپنے استاد کی ناقدری کے شاکی ہیں۔ وہ ایک غزل میں کہتے ہیں ؎

شعر کہنے سے سمجھنا ہے بہت ہی دشوار کون پہنچے ہے میاں لطف سخندانی کو
شعر مسرور کے واجد تو سناتا ہے کسے موت اس بستی میں آئی ہے قدر دانی کو

ایک اور غزل میں مسرور کی تعریف نرالے انداز میں کی ہے۔ کہتے ہیں ؎

میدان سخن گوئی میں کہتا ہے یہ واجد اونچی نہ رہے کیوں میاں مسرور کی گردن

یہ دیوان بیاض کی شکل میں خود واجد نے قلمبند کیا ہے۔ ناقص الطرفین ہے۔ اس میں ف کی ردیف سے کلام شروع ہوتا ہے اور و کی ردیف پر ختم ہوتا ہے۔ یعنے آخر میں ی کی ردیف کی غزلیں نہیں ہیں اور ابتدا میں الف سے غ تک کی ردیف کا کلام موجود نہیں ہے۔

واجد ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر تھے۔ غزل گوئی میں استادی کے مرتبہ تک پہنچ چکے تھے۔ بہت سی غزلیں نہایت سنگلاخ زمینوں میں بھی لکھی ہیں۔ زبان پر قدرت اور کلام میں اثر ہے اس بیاض میں ہر ردیف کے اختتام پر کچھ صفحات خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ غالباً وہ اس میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔

بعض غزلوں میں انشاؔ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یا ان کے استاد نے انشا سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ان کے شعر ہیں ؎

شکر خدا کرم سے انشاؔ کے اے عزیزو بہجت سے ان دنوں ہے واجد کا شعر عالی
انشا کے ذرا شعر کی تم سوچیو بندش کٹ جاوے جسے سنتے ہی سو حور کی گردن

پہلے شعر میں جن بہجت کا ذکر ہے وہ غالباً مولوی عبد المجید تھے جو بڑے ذی علم تھے اور دلی میں

تعلیم پائی تھی۔ وہ مولوی بسمل کے شاگرد تھے۔ (تذکرہ ذکا اور تذکرہ قاسم اور یادگار شعرا) ارکاٹ کے دیگر شعرا غلام علی بسمل (دیکھو مخطوطہ نمبر ۵۵۵) کی طرح واجد نے بھی انگریزوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

جاں ستاں عالم کے یہ انگریز ہیں | واجدا فطرت میں اک زنگریز ہیں

اس بیاض کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

آتا ہے اس سخن پہ مجھے بار بار حیف | تو ہم بغل ہے غیروں کے ہے ہے ہزار حیف
افسوس و حیف و حیرت و حسرت ہے دیکھ گل | بلبل کے داغِ دل پہ کرے زار زار حیف

آخری شعر یہ ہیں ؎

کرکے مایوس محبت سے گیا وہ خودکام | دو کوئی بہر خدا اوس کی نشانی لوگو
کوئی اکھڑو سے کہو کہتا ہے واجد تیرا | ہجر میں تیری گئی اوس کی جوانی لوگو

ورق ۲۹۔ ۱۰ شعر اور بعض جگہ ۲۰ شعر فی صفحہ۔ ۸½ × ۴۔

۵۷۸۔ خلاصہ علم الارض (؟) قبل ۱۲۵۰ھ — نثر اردو

یہ اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جو جغرافیہ کے موضوع پر بطورِ سوال و جواب قلمبند کیا گیا ہے۔ مترجم کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ یہ کسی رسالہ کا ترجمہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندستانی مولف نے طلبہ کے لئے مرتب کیا تھا۔ اس میں ہندستانی شہروں کی نسبت جو معلومات لکھی ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۳۰ء کے قریب ہندستان کے مشہور شہروں کا کیا حال تھا۔ اس کتاب سے بعض شہروں کا تذکرہ یہاں بطورِ نمونہ نقل کیا جاتا ہے۔

دلی:۔ دہلی بڑا قدیم شہر ہے اور آگے وہ ہند کے پادشاہوں کا دار السلطنت تھا لیکن اب انگریزوں نے ہندوستان کے اکثر شہر ولایتیں ضبط کی ہیں اس لئے شہر دہلی کی آبادی کم ہوئی اور اس کی اگلی عمارتیں سب ویران ہوگئیں۔

آگرہ:۔ جمنا کی مغرب طرف ہے۔ مشہور ہے کہ پیشتر وہ بڑا اور آباد شہر تھا کیونکہ اکبر بادشاہ نے اس کو اپنا دار السلطنت کیا تھا اور یوں لکھا ہے کہ انگریزی اور عجمی اور چین کے باشندے اس شہر میں تجارت کرتے تھے لیکن اب اس کی رونق اور آبادی میں فرق آگیا۔

لاہور:۔ قدیم شہر ہے اور اس کی آبادی راوی ندی کے شمال طرف ہے اور آگے اس میں وے سلمان رہتے تھے کہ جنہوں نے ہندوستان کو ضبط کیا تھا۔

سرنگ پٹن ۔ یہ شہر بہت خوشنما جگہ ہے اور اس میں عمارتیں وسیع اور رونق دار ہیں اور باغ اور درخت زار بہت سے ہیں اور حیدر علی کی قبر وہاں بہت آراستگی سے بنی ہوئی ہے۔

کلکتہ :۔ بڑا شہر ہے اور اس میں سب طرح کا مال بکتا ہے اور وہاں ہندوستان کا گورنر جنرل رہتا ہے ۔ اور اس شہر کی آبادی دریائے ہگلی کے کنارے ہے اور وہاں جہازوں کو لنگر ڈالتے ہیں۔

مدراس :۔ دوسرا بڑا شہر سرکار کمپنی کی تحت میں مندراس ہے جو کرومنڈیل کے لب دریا پر ہے ۔ اور اس کی آبادی سمندر کے نزدیک ہے اور وہ اس سبب سے خوشنما معلوم ہوتا ہے۔

بمبئی :۔ تیسرا بڑا شہر سرکار کمپنی کے تحت میں بمبئی ہے اور اس کی آبادی ہندوستان کے مغرب طرف ایک ٹاپو پر ہے اور اس میں ایک کشادہ بندرگاہ ہے کہ وہاں جہاز ہر موسم میں بخوبی رہ سکتا ہے۔

اس کتاب کا نام پہلے صفحہ کی پیشانی پر لکھا ہے :۔

خلاصہ علم ارض کا ہندستانی زبان میں ۔

اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :۔

"سوال ۔ ارض کیا ہے ؟ جواب ۔ علم الارض صفحۂ ارض کا بیان ہے جو خشکی اور تری سے مرکب ہے ۔"

آخری عبارت یہ ہے :۔

"کلکتہ اور بمبئی کون درجے میں ہیں ۔ لنکا اور اسٹراکان اور ٹیلم اور کیمن ٹن اور نین کون کون درجے میں ہیں ۔ فقط"

اس کے کاتب واعظ علی ہیں ۔ صاف نستعلیق میں لکھا ہے ۔ ترقیمہ یہ ہے :۔

"تمام شد بتاریخ بست ششم شہر شوال المکرم سنہ ۱۲۵۶ ہجری از خط بندہ واعظ علی تحریر یافت فقط"

ورق ۴۴ ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ ۔ $\frac{1}{2}$ ۷ × $\frac{1}{2}$ ۶ ۔

۵۷۹ ۔ شاہ نامۂ محمد حنیف ۔ از شیرن سنہ ۱۱۸۵ھ ۔ **مثنوی اردو**

محمد حنیف ابن امیر المومنین علی کے حالات اور فتوحات سے متعلق دکنی زبان میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے حسب ذیل کی نسبت اب تک معلومات شائع ہو چکی ہیں :۔

۱ ۔ جنگ نامۂ محمد حنیف از سیوک سنہ ۱۰۹۲ھ ۔ جس کے ادارۂ ادبیات اردو میں دو نسخے ہیں ۔ نمبر ۷۰ (جلد اول ص۹۰) اور ۷۰۹ (جلد دوم ص۵۳) ۔ کتب خانۂ سالار جنگ میں نمبر ۹۳ پر ایک

اور کتب خانہ آصفیہ میں نمبر ۵۴۳ پر ایک مخطوطہ موجود ہے۔

۲۔ ظفرنامہ محمد حنیف از لطیف سنہ ۱۰۹۵ھ - جس کا ایک نسخہ کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں موجود ہے اور اس کا ذکر سروری صاحب نے فہرست صفحہ ۹۶ پر شایع کیا ہے۔

۳۔ جنگ نامہ حنیف (مابعد سنہ ۱۱۵۰ھ) کا ایک نسخہ جو کسی نامعلوم شاعر کی تصنیف ہے اور جو کتب خانۂ سالارجنگ میں نمبر ۱۲ پر موجود ہے۔

۴۔ جنگ نامہ حنیف شاہ مابعد سنہ ۱۱۵۰ھ - یہ ایک دوسری مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں اور جو کتب خانۂ سالارجنگ میں نمبر ۵۱۸ پر موجود ہے۔ لیکن زیر نظر کتاب ان چاروں مثنویوں سے جدا ہے اور اس کا کوئی اور نسخہ شاید کسی کتب خانہ میں محفوظ نہیں ہے۔ اس میں ۵۵۰۰ ابیات ہیں اور خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے۔

اس کے مصنف شیرؔن کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس نے اس مثنوی میں کئی جگہ یہ تخلص استعمال کیا ہے۔ مثلاً ؎

ارے شیرؔن تو مت رہو یہاں بسر کر	حنیف شاہ کا تو جنگ اب مختصر کر	(ورق ۲۵)
ارے شیرؔن دعا کو اب اُچا ہات	شہیداں کن تو منگ ہے دل کے حاجات	(۳۶ ب)
ارے شیرؔن تجے ہے اب سو درکار	توں منگ زین العبا کے جا کو دربار	(۱۹۷)
ارے شیرؔن عجب تیرا ہو اٹھاٹ	ہوا تو پنجتن کے گھر کا اب بھاٹ	(۲۱۱ ب)

اسی طرح کئی اور جگہ یہ عجیب وغریب تخلص استعمال ہوا ہے۔ اس شاہ نامے کی تالیف کا سنہ بھی خود شیرؔن ہی نے منظوم کردیا ہے۔ چنانچہ خاتمہ کتاب پر مناجات سے قبل لکھا ہے ؎

یہ شاہ نامہ ہوا یہاں سے مرتب	سنیا تھا سو بیاں اس میں کیا اب	
کہ گیارہ سو پو تھا سن یو پچاسی	یہ شاہ نامہ ہوا تھا روز و انسی	(۲۱۱ ب)

شیرؔن نے کئی جگہ اس کا ذکر کیا ہے کہ فارسی سے دکھنی میں لکھ رہا ہوں لیکن صاف صاف نہیں لکھا کہ کس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف فارسی کتابوں سے حکایتوں اور روایتوں کا دکنی میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

حکایت فارسی میں ہے یہ نوری	کیا ہوں لفظ دکھنی میں سو پوری	(۱۵ ب)
سنو مذکور میں سن کر کتابی	کیا ہوں لفظ دکھنی میں شتابی	(۴)

سبب تالیف میں وہی عام مقصد (یادگار باقی رہنے کا) بیان کر کے لکھتا ہے کہ ایک دن یہ بشارت ملی کہ حنیف کی خدمت میں صبح وشام رہوں اس لیے یہ شاہ نامہ لکھا۔ وہ کہتے ہیں ؎

ہوا ہے دل مرا کھا کر جگر جوش	رہنا کچھ یادگاری کر بگڑ ہوش
مجے یک دن ہوئی ہے یوں بشارت	کہ پایا اس بشارت سے اشارت

بشارت سے ہوا از غیب الہام | حنیف کے اچھ تو خدمت میں صبح و شام
سو اس الہام سے میں فیض پایا | یہ شاہ نامہ حنیف شاہ کا بنایا (۳ب)

کتاب کے آخری حصے میں اپنے پانچ مطالب اس طرح بیان کئے ہیں ؂

میرے ہیں پانچ مطلب ان سے بھی | بحق پنجتن برلا الہٰی
اول توں جو پسر بخشا سو مجھ کوں | سدا رکھ دہر میں خوشنود اس کوں
درازی عمر کر ہووے بلا دور | خزاں آفت کی رکھ تو ان سے مکور
بھی دوسرا ہووے ادا یو قرض (ایا) | کرو دیے مجھے اس وقت یاری
کرو تیسرا مری روزی کشادہ | رہوں بے فکر کرحق کا شاہدہ
بھی چوتھی دشمنی مجھ سے کرے نود | پڑے قابو نہ اس کا ہوے نابود
بھی ہے پانچواں مطلب عقیدہ | چلوے کربلا میں مجکوں سیدا
رہوں حسین کے جاکر قدم پاس | مرا ہے مدعا یہ لادبر آس (۱۰۷ب)

یعنے:۔ ۱۔ فرزند کی خوشحالی اور درازی عمر ۲۔ قرض ادا کرنے کی سکت
۳۔ آمدنی میں اضافہ ۴۔ دشمن مجھ پر قابو نہ پاسکے اور
۵۔ کربلا جاکر امام حسین کے قدموں کے پاس رہوں۔

بس اتنی ہی معلومات شیرازؔ کے بارے میں اس مغتنم مثنوی سے حاصل ہوسکیں کہ اس کے ایک فرزند بھی تھا۔ وہ قرضدار تھا اور آمدنی زیادہ نہ تھی اور کوئی دشمن اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

یہ مثنوی حسب معمول حمد و نعت سے شروع کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ۶۱ ابیات لکھی ہیں اور پھر محمدؐ حنفیہ فرزند علی مرتضیٰ کی ولادت کا قصہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت علی قیصر روم کی دختر حنفیہ کو لونڈی بناکر لائے اور آنحضرت نے اس کو مسلمان کرکے حضرت علی سے اس کی شادی کردی جس کے نتیجہ کے طور پر محمدؐ حنفیہ پیدا ہوئے۔ پھر اہل بیت اور امام حسین کے جملہ اقربا اور طرفداروں کے حالات اور واقعاتِ شہادت لکھے ہیں اور داستان اول ختم کی ہے۔ (ورق ۴۳)

داستان دوم میں لکھا ہے کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر محمدؐ حنیف شاہ کو اپنے پایہ تخت بانیاز میں ملی تو تعزیت کے مراسم ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا ارادہ کیا۔ (ورق ۷ب)

داستان سوم میں ولید عتبہ کے ساتھ مقابلہ اور اس کی شکست کا ذکر ہے۔ ولید نے یزید پلید سے کمک طلب کی اور یزیدی فوج مدینہ آئی (۳، ب)

داستان چہارم میں حیدر کرار کے فرزندوں عمرؑ، عاقل اور طالب اور ابراہیم اشتر اور ان کے

فرزندوں کا پہنچنا اور یزید اور مروان کی فوجوں کا شکست کھانا بیان کیا ہے۔ (ورق ۱۱۰)

داستان پنجم میں محمد حنیف شاہ کے مدینہ منورہ پہنچنے اور وہاں کی شکستہ عمارتوں کی ترمیم و تعمیر کا حال لکھا ہے۔ اس کے بعد حنیف شاہ کربلائے معلیٰ جاتے ہیں اور وہاں از سر نو تعزیت کا آغاز کرتے ہیں۔ پھر دمشق کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ (ورق ۱۲۷)

داستان ششم میں محمد حنیف کے کربلا میں داخلہ اور زیارتِ امام حسین کی تفصیلات اور اپنے بھائیوں کے ساتھ دمشق جاکر یزید سے مقابلہ کرنے کا حال لکھا ہے۔ (ورق ۱۴۷ اب)

اسی طرح دس مجلسیں لکھی ہیں اور آخر میں ایک طویل مناجات لکھ کر یہ مثنوی ختم کی ہے۔

اس مثنوی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

اول حمد خدا کا نام لاکر — محمد سے چلا اسلام پاکر
علی کن سے پکڑ قوت باہر — کروں میں شاہ حسن سے کیف ظاہر

آخری ابیات یہ ہیں ؎

درود واں پڑھ سلاماں بھیج صلوات — کیا ہوں ختم شاہ نامہ کا اس بات
ہزاراں سوں سلاماں ہور درود آ — ہکو صلواۃ محمد پر کروڑاں
محمد شاہ حنیف پر بھیج صلوات — ہور ان کے بھائیاں خویشاں پو صلوات

یہ مخطوطہ عمدہ نستعلیق میں اہتمام سے نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاتب نے ترقیمہ میں اپنا نام محمد اسمٰعیل اور سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ بھی لکھدیا ہے۔ ترقیمہ یہ ہے :۔

"در شرف گشت از کتابت کتاب شاہ نامہ بندۂ عاصی سراپا معاصی النحیف الضعیف محمد اسمٰعیل غفراللہ تعالیٰ ذنوبہ بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول ۱۲۶۶ھ ہجری النبویہ المقدسہ زینت ارقام پذیرفت"

اسی کاتب نے آخر میں آنحضرت سرورِ کائنات، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسین اور حضرت امام حسن کے فارسی قطعات تاریخ وفات بھی لکھے ہیں۔

۲۱۳ ورق - ۱۴ اسطور فی صفحہ - $\frac{1}{2}$۸ × $\frac{1}{2}$۶ -

۵۸۰ - جنگ نامۂ محمد حنیف از حسن بیگ ۱۰۹۲ھ - مثنوی اردو

اس جنگ نامہ کے دو اور نسخے ادارے میں نمبر ۹۶ اور ۳۲۹ پر موجود ہیں اور ان کی تفصیلات تذکرہ جلد اول صفحہ ۵۰ اور جلد دوم صفحہ ۸۳ پر چھپ چکی ہیں۔ وہ مخطوطے ۱۲۷۰ھ اور ۱۲۹۶ھ کے مکتوبہ ہیں لیکن زیر نظر نسخہ ۱۱۶۳ھ میں بخط شکستہ لکھا گیا ہے۔ گویا ان سے

۱۰۰ سال پہلے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس نسخے کے آخری حصہ میں مصنف نے اپنا نام حسن بیگ لکھا ہے۔ ادارے کے مذکورہ بالا نسخوں میں مصنف کے نام کی ابیات موجود نہیں ہیں اور نہ سنہ تصنیف ہی کا تذکرہ ہے۔ کتب خانۂ سالار جنگ میں جو نسخہ ہے اس میں مصنف کا نام سیوک درج ہے لیکن سنہ تصنیف ۱۱۰۰ ہجری لکھا ہے۔ انڈیا آفس کے نسخے میں ۱۰۹۲ھ درج ہے۔ زیر نظر نسخے میں سنہ تصنیف کی بیت موجود نہیں ہے۔ ان اختلافات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ نامہ اس دور میں بہت مقبول تھا اور دو سو سال کے درمیانی عرصے میں اس کے متعدد نسخے نقل کیے گئے۔ کسی نے مکمل حمد و نعت کے حصوں کے ساتھ نقل کیا اور کسی نے صرف جنگ نامہ نقل کر لیا۔ چنانچہ سالار جنگ کے نسخہ میں ابتدائی حصہ مکمل ہے۔ ادارے کے یہ تینوں نسخے اصل جنگ نامہ کی ابیات سے شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر نسخہ بھی مخطوطہ نمبر ۶۶ کی طرح ان ہی ابیات سے شروع ہوتا ہے ؎

کہوں ایک جنگ شاہِ شیر زماں　　حسین شاہ ابن علی بعد ازاں
سو اس شاہ کا یک عرب بھائی تھا　　ابا یک، ہور بھائی دو مائی تھا

لیکن اس میں تین ہزار سے زاید ابیات ہیں گویا مذکورہ نسخوں سے پانچ سو ابیات زیادہ ہیں۔ اس میں مصنف نے دو جگہ اپنا نام اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

حسین بیگ حنیف شاہ کا جنگ بولیا تمام　　محمد نبی پر درود ہور سلام　(۱۲۶ ب)
حسین بیگ آخر سوں بولیا تمام　　سو پڑنے مسلمان مومن تمام　(۱۲۷)

یہ نسخہ نہایت ہی عمدہ اور قیمتی کاغذ پر نہایت خوشخط ثلث میں بڑے اہتمام سے حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر سرخ روشنائی میں جدولیں کھینچی گئی ہیں۔ عنوانات بھی سرخی ہی میں لکھے گئے ہیں۔ اصل نسخے سے پہلے چار صفحات میں بزبانِ فارسی خط نستعلیق میں کتاب کے عنوانات کی فہرست کسی اور کاتب نے لکھ دی ہے۔

اس کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

حسین بیگ آخر سوں بولیا تمام　　سو پڑنے مسلمان مومن تمام
دعا اس اوپر بھیجو صبح و شام　　سلام علیکم علیکم سلام

اس کا ترقیمہ یہ ہے ؎

"کاتب الحروف العبد فقیر حقیر بندگان درگاہ احدی و اقل نیاز مندان بارگاہ صمدی حافظ غلام حسین بن مخدوم جی ابن محمد ابراہیم غفراللہ ذنوبہما وستر اللہ عیوبہما۔ تحریراً فی التاریخ یازدہم شہر شوال بروز پنجشنبہ بوقت سہ پہر تمام رسید۔"

من مقام حیدرآباد در سنہ یکہزار و یکصد و شصت و سہ ہجری ۱۱۶۳۔

نوشتہ بماند سیاہ بر سفید   نویسندہ را نیست فردا امید"۔

اس ترقیمہ کے نیچے ایک مستطیل مہر ہے جس پر سید محمد رحیم خان بہادر کندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی ملک رہ چکا ہے اور بعد کو نضل بانو بیگم صاحبہ کو مطالعہ کے لئے یا ترکہ میں دیا گیا تھا۔ چنانچہ ان کا نام بھی اسی ترقیمہ کے صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔

۱۲۷ ورق۔ ۱۲ سطور فی صفحہ۔ ۹×۶ انچ۔

۵۸۱۔ جنگ نامہ محمد حنیف از حسن بیگ ۱۰۹۲ھ   مثنوی اردو

مخطوطہ نمبر ۵۸۰ کا ایک اور نسخہ ہے جو بعد کو اندازاً ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ بظاہر مکمل معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں صرف ۱۸۰ ابیات ہیں اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض کاتب محض جلب منفعت کی خاطر ناواقف قارئین کو دھوکہ دیتے تھے چنانچہ اس مخطوطے میں ابتدائی ۶ ورق مخطوطہ نمبر ۵۸۰ کے مطابق (چند لفظی اختلافات کے ساتھ) نقل کئے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد اصل کتاب کے آخری حصہ کی کچھ ابیات نقل کرکے تحت تمام شد اس طرح لکھدیا ہے جیسے کہ پوری کتاب اتنی ہی ہے۔

اس کا آغاز تو بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ نسخہ نمبر ۵۸۰ کا ہے۔ لیکن آخری ابیات یہ ہیں:

بیچھے لے چلے شہ کوں رکھنے بدل   بٹاکر رکھے ایک جاگے گھبل

حنیف شاہ رہے جو بندی خانہ میں   رہے حق کے شکر گذران میں

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب کا نام اور سنہ کتابت معلوم نہ ہوسکا۔ خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے۔ یہ مخطوطہ بہت کرم خوردہ ہوگیا ہے اور مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔اے۔بی۔ایڈ کا عطیہ ہے۔

۷ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ۔ ۹×½۵ انچ۔

۵۸۲۔ بیاض کلام۔ اشرف۔   نظم اردو

اس چھوٹی سی بیاض میں سب سے اہم نظم ایک مرثیہ ہے جو بطور مستزاد لکھا گیا ہے۔ اس میں ۱۶ بند ہیں۔ یہ مرثیہ بہت ہی موثر اور درد انگیز انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے۔

مجرا اوسے جو کرتی تھی رو رو کے یہ تقریر   صغرا کو لکھوں کیا

میں بانوئے نالاں ہوں با حالتِ دل گیر — صغرا کو لکھوں کیا
بابا کو یہ لکھا ہے کہ اے قبلۂ کونین — اب آؤ وطن کو
وہ باپ تو خنجر سے ہوا سجدہ میں تکبیر — صغرا کو لکھوں کیا
اصغر کو یہ لکھا ہے کہ بے تیرا جھولا — یہاں خالی پڑا ہے
اوس ننھے سے بھائی کے تو گردن میں لگا تیر — صغرا کو لکھوں کیا

آخری شعر یہ ہے ؎

زنداں میں سب اہل حرم روتے ہیں اشرفؔ — اور کہتے ہیں بانو
کاغذ ہے نہ خامہ ہے نہ کچھ طاقتِ تحریر — صغرا کو لکھوں کیا

اشرفؔ کا ایک اور مرثیہ بھی ادارے کی بیاض نمبر ۳۶۳ میں موجود ہے اور اس کی نسبت معلومات جلد اول صفحہ ۲۰۰-۲۵۶ پر شائع ہو چکی ہیں۔

اس مرثیہ کے بعد ایک قطعہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

باغ میں اب تو شگل کی دہائی پھر گئی — یہ خبر افلاک سے شبنم لے آئی پھر گئی

پھر متعدد شعر ایسے لکھے ہیں جو مضمون کے لحاظ سے مسلسل نظم کے شعر معلوم ہوتے ہیں مگر بحر جدا ہے۔ کتابت اور کاغذ قدیم ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۵ ورق۔ ۱۰ اشرفی صفحہ۔ ۹" × ۲/۱ ۴"۔

۵۸۳۔ لال و گوہر۔ عارف الدین خاں عاجز۔ قریب سنہ ۱۱۵۰ھ۔ مثنوی اردو

عارف الدین خاں عاجز اورنگ آباد کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ کم عمر تھے جب ان کے والد فوت ہوگئے اور انہوں نے نواب لشکر خاں نصیر جنگ رکن الدولہ کی سرپرستی میں پرورش پائی اور انہی کی سفارش سے نواب آصف جاہ اول اور نواب ناصر جنگ شہید کے دربار میں جگہ اور خطاب و جاگیر حاصل کی۔ آخر زمانہ میں اپنے ایک عزیز کے یہاں جو ناندیڑ کے حاکم تھے گئے ہوئے تھے کہ سنہ ۱۱۷۰ھ میں وہیں فوت ہو گئے۔

عاجز کا ایک دیوان ادارے میں مخطوطہ نمبر ۱۲۸ اب میں موجود ہے۔ اور ان کے بارے میں تفصیلات جلد اول صفحات ۲۰۶ - ۲۰۸ پر لکھی جا چکی ہیں۔ زیر نظر مخطوطہ ان کی مشہور مثنوی لال و گوہر ہے۔ جو عرصہ تک بہت مقبول رہی اور اس کی متعدد نقلیں کی گئیں اور جو اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ مثنوی مدراس اور بمبئی میں سنہ ۱۸۴۳ء و سنہ ۱۸۷۰ء میں چھپ بھی چکی ہے مگر مطبوعہ نسخے کم یاب ہیں۔ اس کی تین قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں اور آٹھ نسخے کتب خانہ سالار جنگ

میں موجود ہیں۔

ادارے کا یہ مخطوطہ خط نستعلیق میں صحیح نقل کیا گیا ہے اور ۱۲۰۳ھ کی کتابت ہونے کی وجہ سے اہم ہے۔ اس میں پانچسو سے زیادہ ابیات ہیں۔ ابتدا اس طرح سے کی ہے ؎

الٰہی دے مجھے رنگیں بیانی عطا کر مجھ کو یاقوتِ معانی

آخری بیت یہ ہے ؎

الٰہی عاشقوں کی آبرو رکھ انوں کوں دو جہاں میں سرخرو رکھ

ترقیمہ یہ ہے ؎

"وقت تملم شد کار من نظام شد بتاریخ سیزدہم رجب المرجب ۱۲۰۳ ہجری کتاب برائے زبایش محمد برہان صاحب کاتب غریب حقیر نام لقب شریف است۔"

۱۹ ورق۔ ۱۴ سطور فی صفحہ۔ ۸" × ۵"۔

۴۸۵۔ رضوان شاہ و روح افزا۔ فائز ۱۰۹۴ء مثنوی اردو

فائز یا فائض عہد ابو الحسن تانا شاہ کا شاعر تھا۔ اس نے یہ مثنوی زوال گولکنڈہ سے صرف چار سال پہلے لکھی تھی۔ اس کا ایک اور مخطوطہ ادارے میں نمبر ۱۴۳ پر موجود ہے اور اس کے بارے میں تفصیلی معلومات جلد اول کے صفحات ۵۱۔ ۵۲ پر درج کردی گئی ہیں۔

یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے مگر بہت ہی قدیم ہے۔ عمدہ قدیم کاغذ پر خط ثلث میں لکھا گیا ہے جو عہد قطب شاہی میں عام طور پر رائج تھا۔ خط نہایت پختہ اور جلی ہے۔ نسخہ بہت ہی صحیح ہے اور احتیاط سے لکھا گیا ہے۔ اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

خدے کوں خدا نا سمجھنا کدی خدا کالوا جا کو ہوتا بندی
رعیت پو ہرگز نہ کرنا ستم رعیت جسے کم خزانہ بی کم

آخری ابیات یہ ہیں ؎

تمنّی آس کا باغ خرم ہوا کدورت ترا آج سو کم ہوا
. . . . . اتا صبر تھوڑا ترا مبارک اچھو تجکوں جوڑا ترا

اس مخطوطے میں ۲۰۷۰ ابیات ہیں۔

اس مثنوی کے نسخے کتب خانہ آصفیہ، کتب خانہ سالار جنگ، برٹش میوزیم میں بھی موجود ہیں۔

۶۴ ورق۔ ۱۴ سطور فی صفحہ۔ ۱۰" × ۶"۔

۵۸۵۔ دیوان فدوی۔ فدوی خاں۔ قریب ۱۱۵۰ھ۔

کلام اردو

اردو شعر و سخن کے تذکروں میں فدوی تخلص کے متعدد شاعروں کا ذکر ملتا ہے مثلاً میر فضل علی دہلوی۔ محمد محسن۔ مرزا محمد عرف مرزا پھچو دہلوی۔ فدوی لاہوری۔ سبحن لال دہلوی۔ مرزا عظیم بیگ۔ محمد علی عظیم آبادی (دیکھو یادگار شعرا صـ۱۵۳ و صـ۱۵۴) لیکن زیر نظر مخطوطے میں جس فدوی کا کلام ہے وہ دکنی شاعر ہے اور ولی کا معاصر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ان اشعار میں ولی کا ذکر بھی کرتا ہے ؎

پھر پھر ولی کا مصرع آتا زبان پہ فدوی | دوزخ ہے مجھ کوں پیو بن گلزار کا تماشا (ورق ؟)
سخت مشکل ہے اے عزیزاں ہو | شرکت ولی کے مضموں کا

ولی کے ذکر کے علاوہ اس دیوان کی اکثر و بیشتر غزلیں ولی کی غزلوں کی ہم طرح ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ ولی کے ساتھ لکھی گئی ہیں یا بعد میں ان کی زمین میں لکھی ہیں۔

اس دیوان میں ولی کے علاوہ فدوی ایک اور شاعر عجزی کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ عجزی ہی کے شاگرد ہوں۔ عجزی کے متعلق بھی اب تک کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ فدوی لکھتے ہیں ؎

ہوتی ہے دل کوں فرحت کرنے ستی مطالعہ | عجزی کے شعر میانے ہے لطف انوری کا
ہوا دلچسپ فدوی کوں لے عجزی مصرع رنگیں | ہری ہے کاں سوں تیغ ابرو خمدار میں آتش

ایک غزل میں شہر سے شہریار کے سفر کرنے کا ذکر کیا ہے جو ممکن ہے نواب ناصر جنگ شہید کے کرنول اور مدراس کی طرف روانہ ہونے سے متعلق ہو۔ اس لیے کہ ناصر جنگ شہید اپنی علم دوستی، شرفا پروری اور داد و دہش کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ فدوی لکھتے ہیں ؎

نیں پلیا ہے سفر کوں دو بھرو | بیکساں کا ادھار جاتا ہے
آج بج ایک تن کے جانے رہا | ملک کا سب سنگار جاتا ہے
ہور رہیا حیف میں یو شہر غریب | شہر کا شہریار جاتا ہے
پیو کے جانے کی سن خبر فدوی | جیو نکل تن سوں بھاجاتا ہے

ایک اور غزل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر میں غالباً ناصر جنگ گئے تھے چنانچہ وہ فخر سے لکھتے ہیں ؎

فرش رہ کر لے دل تو دیدیاں کوں | صاحب عز و شان آتا ہے
فخر ہر جا کروں فلک پہ جو شہ | میرے گھر میہمان آتا ہے
از رہِ لطف مجھ نوازش کوں | سب رقیباں کوں ران آتا ہے

عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری ہی وہ واحد تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے اس فدوی خان فدوی کا ذکر محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۸۹۰ پر کیا ہے۔ انہوں نے میر عبدالولی عزلت کی بیاض سے یہ معلوم کیا تھا کہ فدوی دکنی الاصل تھے اور ۱۱۷۶ھ میں حیدر آباد میں مقیم تھے اور آصف جاہی منصبداروں میں معزز و مکرم تھے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"شاعر خوش بیان و رنگین زبان تھا۔ ظریف الطبع و لطیف الوضع تھا۔ دوست پرست و محبت پرور تھا۔ کلام ایہام و تلازمہ شعر سے پاک و صاف ہے"

میر عبدالولی عزلت کی بیاض سے میر تقی میر نے بھی استفادہ کیا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ بیاض اب کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔ محبوب الزمن میں جو شعر بطور نمونہ دیئے گئے ہیں وہ اس دیوان میں موجود نہیں ہیں اور نہ ہی اس زمین میں کوئی غزل شریک دیوان ہے۔

فدوی کے اس دیوان کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ دیوان شروع کرنے سے قبل انہوں نے ۱۱ شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جو بطور دیباچہ منظوم کیا ہے اور جس میں حمد و نعت و منقبت صحابہ و دوازدہ ائمہ معصومین و مدح محبوب سبحانی و خواجہ بندہ نواز کے بعد اولیا سے مدد مانگ کر دیوان کو شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ نظم اس طرح شروع کی ہے ؎

ایزد کے نام پاک سوں میں ابتدا کیا　　بعد از ثنا و نعت رسول خدا کیا
ہے خاتم نبوت و سرتاج مرسلاں　　اس ناؤں پر سوں جیو اپس کا فدا کیا

آخری شعر یہ ہیں ؎

ان سب ولیاں سوں منگ کے سو یکبارگی مدد　　دیوان کوں شروع جو یو بے نوا کیا
الہام غیب پر جو اتھا میں تو منتظر　　اتنے میں یک بیک مجھے ہاتف ندا کیا
قوت یو شعر کا ہوا فدوی تجھے تو ہاں　　جب شہ علی نے دل سوں ترے تئیں دعا کیا

اس کے بعد دیوان غزلیات شروع کیا ہے۔ پہلی غزل کا مطلع یہ ہے ؎

کہ جس مجلس منیں ممتاز میرا ماہ رو ہوے گا
نکے اس بہر طلعت کے چندر بے آبرو ہوے گا

یہ دیوان مکمل ہے اور اس میں جملہ حروف کی ردیفوں میں کلام موجود ہے۔ بعض صفحات کے حاشیہ پر بھی غزلوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان اشعار پر یہ مخطوطہ ختم ہوتا ہے ؎

نشانہ میں ہوا ہوں جگ میں ایس ہر اک ملامت کا　　بجز تجھ لطف کے نیں مجھ سپر یا شاہ جیلانی
یہی منگتا ہے فدوی تجھ جناب عالی ہمیشہ　　ہمیشہ بخش دشمن پر ظفر یا شاہ جیلانی

اس دیوان میں اندازاً ...ھ اشعار ہیں۔ خط نستعلیق شکستہ میں لکھا گیا ہے۔ کاغذ پرانا

ہے ۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ سنہ ۱۲۰۰ ہجری کے قریب کی کتابت ہے ۔ اس دیوان کے آغاز سے پہلے ایک نظم ہے جو غالباً نواب ناصر جنگ کو مخاطب کرکے خط کے طور پر لکھی گئی ہے ۔ اس نظم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فدوی کے نواب ناصر جنگ سے بڑے قریبی تعلقات تھے ۔ اور اوپر دو غزلوں کے جن شعروں کو پیش کرکے لکھا گیا ہے کہ غالباً وہ ناصر جنگ سے متعلق ہیں اس نظم کے مطالعہ سے اس کا مزید ثبوت بہم پہنچتا ہے ۔ اس نظم میں ناصر جنگ کو میر صاحب کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے ۔ ممکن ہے کہ بے تکلف دوستوں اور بزرگوں اور قریبی لوگوں میں وہ اسی نام سے مشہور ہوں کیونکہ ان کا اصل نام میر احمد ہی تھا ۔ فدوی لکھتے ہیں ؎

میر صاحب مشفق والا گہر — حق کرے دو جگ میں تم کوں نام ور
حق تعالیٰ تجھ کرے عالی نصیب — پادشاہی تجھ کو دیوے بحر و بر
کافروں کو مار سارا ملک لے — سب رعیتاں تیرے ہوئیں گور و خر
تجھ کوں دیوے قادر ملکِ ختن — بلکہ دریا ملک خشکی سیر کر
پادشاہ امرا مینیں توں یوں ہے — (برابر پڑھا نہیں جاتا)

۱۹ ورق - ۱۹ سطور فی صفحہ - ۸½" × ۵" -

۵۸۶ - دیوان پروانہ - شاہ ضیاء الدین حسینی پروانہ - قریب سنہ ۱۱۷۵ھ — کلام اردو

شاہ ضیاء الدین حسینی پروانہ کے آبا و اجداد برہان پور کے رہنے والے تھے ۔ وہ بھی غالباً وہیں پیدا ہوئے اور بچپن میں اورنگ آباد آگئے اور یہیں نشو نما پائی ۔ غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد اور شاہ سراج الدین سراج کے مرید اور خلیفہ ہوئے ۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے ۔ اپنے ایک اردو قصیدے میں اپنے دوستوں ذکا ، مہربان ، ارشد ، سامی ، سید ، متین ، نثار ، افتخار ، امداد ، سید مراد ، وفا ، روشن ، رضا ، صوفی ، فتوت ، اللہ یار ، ضیا ، محبوب ، کمتر ، گوہر ، یکجان ، صاحب ، کی طویل فہرست منظوم کی ہے ۔ کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ۲۲ دوستوں میں سے چار یعنی ذکا ، ضیا ، مہربان اور پروانہ کے آپس میں بہت یگانگی اور قربت تھی اور یہ لوگ اکثر ملتے رہتے تھے ۔ پروانہ بسلسلۂ ملازمت مختلف مقامات مثلاً احمد نگر اور بیجاپور میں قیام پذیر رہے ۔ چنانچہ شاہ سراج کے آخری زمانہ میں بیجاپور ہی میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے ۔ اور سنہ ۱۱۷۷ ہجری میں جب سراج فوت ہوئے تو پروانہ اورنگ آباد آئے اور ان کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا ۔ یہ گنبد مرور ایام کے ساتھ سنہ ۱۳۵۵ ہجری میں نہایت شکستہ و ریختہ ہوگیا تھا ۔ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے

کوشش کر کے اس کی تعمیر و ترمیم کرائی گئی۔ اور بالکل نیا بنا دیا گیا ہے۔
پروانہ نے اس تکیہ کے اُس مکان کو بھی پختہ بنا دیا تھا جس میں سراج رہا کرتے تھے لیکن اب اس مکان کے صرف کھنڈر رہ گئے ہیں۔

اپنے مرشد کی درگاہ اور تکیہ کی تعمیر کے بعد پروانہ بیدر چلے گئے اور وہاں اپنے لئے ایک تکیہ تعمیر کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ وہاں کے حکام اور شرفا ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے غالباً بیدر ہی میں سنہ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ یہ سنہ عبدالجبار خاں نے قرائن سے معلوم کیا ہے۔ اور ان کے حالات محبوب الزمن جلد اول میں (صفحات ۳۱۵ - ۳۱۹ پر) تفصیل سے لکھے ہیں اور فارسی و اُردو کلام کا وافر انتخاب درج کیا ہے۔ پروفیسر سروری نے بھی کلیات سراج کے دیباچہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ کتب خانہ نواب سالارجنگ میں پروانہ کا دیوان نہیں ہے البتہ کتب خانہ خانقاہ عنایت الٰہی میں پروانہ کا وہ مرتبہ دیوان سراج اور اس کے ساتھ خود ان کا دیوان محفوظ ہے جو سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں انہوں نے یکجا کیا تھا۔ اس کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دوست ان کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ سراج کے کتنے شعر ان کو یاد ہیں۔ چنانچہ ان کے حافظے میں سراج کا جتنا کلام محفوظ تھا اس کو انہوں نے سنہ ۱۱۸۰ھ میں ردیف دار مرتب کیا اور اس کا تاریخی نام آتشکدۂ محبت رکھا۔ یہ مخطوطہ مکمل ہے اور بہت عمدہ کاغذ پر خاص اہتمام سے لکھا ہوا ہے۔

ادارے کا زیر نظر مخطوطہ ناقص الاول ہے۔ اس پر اوراق کے نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی ۳۱ ورق کم ہیں۔ ورق ۳۲ ب کی پیشانی پر حاشیہ چھوڑ کر بسم اللہ کے ساتھ یہ نسخہ اس طرح شروع ہوتا ہے گویا کتاب کو ابتدا سے شروع کیا ہے۔ حالانکہ یہ ردیف نون سے شروع ہوتا ہے اور اس ردیف کی بھی وہ تمام غزلیں اس میں موجود نہیں ہیں جو خانقاہ عنایت الٰہی کے نسخہ میں درج ہیں۔

پروانہ نے اس حصۂ دیوان میں بھی کئی جگہ اپنے مرشد شاہ سراج کا ذکر کیا ہے۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ؎

پروانہ جاں نثار سراج نبی کا ہے   اے شمع اوس سیں رشتۂ الفت نہ توڑیے   (۲۴ ب)
جلدی سے خبر لیجئے گا پیر سراج الدیں   آتش میں جدائی کے جلتا ہے یہ پروانہ   (۳۶ ب)
ہے سراج آل احمد پہ نثار   کیوں نہ پروانہ کو بولیں حیدری   (۳۸)

یقین کامل ہے پروانہ کی سب حاجت روا ہوئے
سراج الدین مرشد شاہ مرداں مشکل آساں سے   (۳۹)

جلا کر آپ کو پروانہ ہو گیا ہے سراج — فنا ہوا جو بقا اس کو جاودانی ہے (۴۴ب)

ایک رباعی میں بھی سراج کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں ؎

ثابت قدمی میں ہم بھی صاحب دم ہیں — ہم سے بھی تو اس جہاں میں عاشق کم ہیں
مجنوں فرہاد اور وامق مر گئے — پروانہ سراج کے مجدد ہم ہیں

سراج کے علاوہ پروانہ نے سودا اور میر ذکا اور مہربان کا بھی اس کلام میں ذکر کیا ہے۔ سودا کا ذکر اس شعر میں ہے ؎

جل شمع پہ پروانہ سودا کا پڑھا شعر — عاشق کی بھی کتنا ہیں کیا خوب طرح تم ہیں

ذکا کا ذکر ایک قطعہ بند غزل میں اس طرح کیا ہے ؎

اک روز اپنے گھر سے نکل کر میں صبح کو — ملنے گیا تھا میر ذکا نامدار سے
فرمایش اس زمین میں کی مجھکو شعر کی — سنتے ہی میں وہ سید عالی تبار سے
دو چار شعر دیں میں کہا ہوں بھلے بھنے — گر دل بھلے پسند کریں اسکو پیار سے
بھیجیں دعائے خیر کے گل میری قبر پہ — اور آب آفریں کو لب آبدار سے

ایک بار جب احمد نگر یا بیجاپور میں تھے تو اورنگ آباد کی یاد ستانے لگی تو ایک غزل میں یہ قطعہ بند شعر لکھے ؎

یاد آتا ہے خجستہ بنیاد — مہرباں میر ذکا میں دل ہے
آج پروانہ کا یا پیر سراج — صدق سے تیری رضا میں دل ہے

ذکا میر اولاد محمد بلگرامی کا تخلص تھا جو میر غلام علی آزاد کے بھائی میر غلام امام کے فرزند تھے ۱۱۵۱ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۱۶۲ھ میں اورنگ آباد آئے تھے۔ پانچ سال اپنے چچا کے یہاں رہ کر تعلیم و تربیت پائی اور بلگرام کو واپس ہوئے۔ دو سال بعد پھر اورنگ آباد آئے اور آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کے دربار میں منصب و خطاب سے سرفراز ہوئے ۱۲۰۲ھ میں حیدرآباد آئے اور لچھمی نارائن شفیق کے یہاں قیام کیا۔ میر عبدالولی عزلت نے ان کے نام پر اعتراض کیا تھا جس کا مدلل جواب دیا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے اچھے شاعر تھے۔ محبوب الزمن میں کلام کا اچھا انتخاب درج ہے۔

مہربان کا نام عبدالقادر تھا۔ ۱۱۵۱ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور میر غلام علی آزاد بلگرامی سے تعلیم پائی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد روضۂ خلد آباد کے قاضی بنے۔ اور درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں زندگی بسر کی۔ متعدد منظوم رسائل لکھے۔ مثلاً کحل الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر (پندرہ ہزار بیت) وقایع کربلا (دس ہزار بیت) دیوان قصائد و مناقب (اردو ہزار

بیت) مراۃ الشہود (سات ہزار بیت) عدیم المثال فی تجد والامثال (دو ہزار بیت) مناقب مرتضوی (تیرہ ہزار بیت) نفز الوظایف (سولہ ہزار بیت) دیوان غزل (پانچ ہزار بیت)۔

مہربان ۱۱۹۹ھ میں اورنگ آباد سے مدراس گئے۔ نواب والا جاہ نے بڑی قدر و منزلت کی اور ان کے لئے میلاپور میں ایک خانقاہ تعمیر کرادی جو اب تک موجود ہے۔ ۱۲۰۴ھ میں وفات پائی اور خانقاہ ہی میں مدفون ہوئے۔ ان کی اولاد اب تک مدراس میں موجود اور مرفہ الحال ہے محبوب الزمن میں ان کے حالات اور نمونۂ کلام فارسی درج ہے۔ (جلد دوم صفحات ۱۰۰۰-۱۰۰۵)۔

پروانہ نے اپنے ان دو دوستوں کے علاوہ اس دیوان میں شہر دلی اور رائے سینا کا بھی ذکر کیا ہے۔ یقین سے نہیں معلوم کہ وہ خود دلی گئے تھے یا کسی دلی والے سے دوستی تھی جس کا ذکر کیا ہے۔ ان کے شعر یہ ہیں ؎

اے دلی والے کچھ خبر عاشق کی ہے تجکو   جہان آباد میں تو اور وہ جمنا پار مرتا ہے (۴۱)

کل رائے سینا میں کہتا تھا یہ شمع ستی پروانہ جل

مجھ کو نہ جلا رو رو کر تو اے ردنی صورت بس ہے (۴۲)

زیر نظر دیوان پروانہ حرف نون کے ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

لبوں اوپر ہیں مجبوروں کے مسی کی بھی دھڑیاں
کہ برگوں پر گلوں کی پنکھڑیاں سوسن کی آبھریاں

قیامت ساعتیں ہیں یا پہریا روز یا ہفتے
مہینے سال بلکے یا قرن جگ ہجر کی گھڑیاں

یہ دیوان ناقص الآخر بھی ہے۔ بحالت موجودہ یہ ایک مخمس کے حسب ذیل بند پر ختم ہوتا ہے ؎

ہات سے تیرے اگر میری شہادت ہوجائے   سرخ روئی مری دو جگ میں سوثابت ہوجائے
شرم آوے تجھے قاتل تو قیامت ہوجائے   خون جاں میں ہے کہیں تجکو ندامت ہوجائے

مار کر مجکو مبادا تو پشیماں ہووے

یہ دیوان خط نستعلیق شکستہ میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات اور شاعر کا تخلص سرخ روشنائی میں ہیں چونکہ ناقص الآخر ہے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاغذ اور روشنائی سے ۱۲۵۰ھ کے قریب کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

۱۶ ورق - ۱۵ شعری صفحہ - ۸½ × ۵½ -

۵۸۷ - دیوان ایماں - شیر محمد خاں ایماں قبل ۱۲۰۷ھ - کلام اردو -

شیر محمد خاں ایماں (متوفی ۱۲۲۰ھ) نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد کے ملک الشعرا، شاہ تجلی (۱۱۵۱ - ۱۲۱۵) کے شاگرد اور حیدر آباد کے مشہور استاد سخن تھے۔ ان کے حالات ادارے کے مطبوعہ مرقع سخن، ایماں سخن اور تذکرہ مخطوطات جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں -

ایماں کا ایک مکمل کلیات ادارے میں نمبر ۱۴۱ پر موجود ہے اور اس تذکرے کی جلد اول کے صفحات ۱۱۰ - ۱۱۱ پر اس کی تفصیلات درج ہو چکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر دیوان اس کلیات سے پہلے مرتب ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ اس میں غزلیں اور قصیدے وغیرہ مذکورہ کلیات سے کم ہیں۔ اس میں غزلوں کا حصہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

کب مجھ سے شکر ہووے بیاں اوس کریم کا | عالم نواز جو کہ ہے گنج عمیم کا
دریا نوال یہ کہ ہمیں جس کے فیض سے | ہے شب چراغ ہات میں در یتیم کا

اس میں غزل کے ۱۵۰۰ اشعار ہیں۔ مذکورہ کلیات میں تقریباً ۳ ہزار شعر ہیں۔ غزلوں کا اختتام اس مخطوطے میں ان اشعار پر ہوتا ہے ؎

آہستہ صبا باغ میں سوتا ہے وہ گل رو | کلیوں کی چٹک خواب سے بیدار چلے گی
سنبل کی غم و پیچ کو مت دیکھیو اے دل | کوئی زلف بنی سر سے گرفتار چلے گی

اس کے بعد ترکیب بند لکھے گئے ہیں جو ۹ صفحات پر مشتمل ہیں۔ پھر مثنوی "برق تاب بارش" لکھی ہے۔ اس کے سلسلہ میں مثنوی اشتیاق نامہ اور مثنوی فراق نامہ بھی درج کرکے قصائد کا آغاز کیا ہے۔ پہلا قصیدہ نعت رسول، دوسرا منقبت حضرت علی، تیسرا سالگرہ نظام الدولہ چوتھا مدح نظام الملک آصفجاہ، پانچواں مدح نظام وارسطو جاہ اور چھٹا اور ساتواں مدح ارسطو جاہ میں لکھے گئے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ کلیات میں دس قصیدے ہیں۔ ارسطو جاہ کی سالگرہ اور ان کی صاحبزادی جہاں پرور بیگم کی شادی کے قصائد اس دیوان میں شامل نہیں ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان اس شادی سے پہلے یعنی قبل ۱۲۰۷ ہجری میں مرتب کیا تھا اور اس کے مرتب ہونے کے بعد جو مزید کلام لکھا تھا اس کو یکجا کرکے کلیات کی شکل دی تھی غرض اس دیوان اور کلیات کے تقابلی مطالعہ سے ایماں کے ابتدائی اور بعد کے کلام کا پتہ چل جاتا ہے اور تحقیق کرنے والوں کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آخر عمر میں کیا اور کس قسم کا کلام لکھا تھا -

یہ دیوان شکستہ نستعلیق خط میں بے پروائی سے لکھا گیا ہے۔ کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ کتابت۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ تمام شد لکھنے کے بعد دوسرے ورق سے پھر اسی دیوان کی مکرر نقل شروع کر دی ہے۔ اس دوسری نقل کے اس مخطوطہ میں صرف دو صفحے شریک ہیں کاغذ قدیم اور جلد چمڑے کی بہت عمدہ ہے جس پر کشمیری کام کے نقش و نگار کئے گئے ہیں۔

ورق۔ ۱۷ اشری صفحہ۔ ۹ ½ × ۵ ½۔

۵۸۸۔ دیوان مفتوں۔ میر محمد شریف اورنگ آبادی ۱۱۹۴ھ — کلام اُردو

مفتوں تخلص کے حسب ذیل اُردو شاعروں کے نام اور حالات کا پتہ چلتا ہے:۔

۱۔ شیخ صفی الدین عرف غلام مصطفیٰ مفتوں (تذکرہ ریاض الفصحا مصحفی)
۲۔ کاظم علی مفتوں الہ آبادی (گلزار ابراہیم و گلشن ہند)
۳۔ شیخ عبدالرحیم مفتوں لکھنوی (تذکرہ قاسم)
۴۔ میاں علی بخش مفتوں پٹنوی (تذکرہ شورش)
۵۔ میاں بدرالدین مفتوں دہلوی شاگرد میر فرزند علی موزوں (تذکرہ قاسم)
۶۔ شاہزادہ کریم بخش مفتوں (گلشن بے خار)
۷۔ پنڈت موتی رام مفتوں کشمیری شاگرد ممنوں (تذکرہ سرور)
۸۔ سید امیر مفتوں گجراتی (تذکرہ مخزن شعرا)

لیکن اورنگ آباد کے اس بلند پایہ شاعر کا ذکر کسی تذکرے میں درج نہیں ہوا۔ تعجب ہے کہ خود اورنگ آبادی شعرا کے لکھے ہوئے تذکروں میں بھی ان کا نام و تخلص درج نہیں ہے۔ اسی وجہ سے جب ان کا ایک ناقص دیوان سالارجنگ مرحوم کے کتب خانہ میں ملا تو مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی نے اس کے بارے میں لکھا کہ:۔

> "مفتوں تخلص ایک شاعر کا تذکرہ گلشن ہند میں ہوا ہے جن کا نام کاظم علی اور وطن الہ آباد ظاہر کیا ہے۔ ممکن ہو اسی کا دیوان ہو۔ دکن میں کوئی شاعر مفتوں تخلص کا نہیں گذرا ہے۔" (وضاحتی فہرست ص ۴۳۴)

ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانہ میں قلمی نسخوں میں جب یہ دیوان میری نظر میں آیا اور میں نے اس کا تفصیلی مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک اورنگ آبادی شاعر تھے اور اسد علی خاں تمنا (متوفی ۱۲۰۴ھ) کے دوست۔ انہی کی طرح آخر عمر میں حیدرآباد آگئے تھے اور لچھمی نارائن شفیق (۱۱۵۷۔ ۱۲۱۵ھ) کے ساتھ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بڑے فرزند میر احمد خاں

عالی جاہ امیر الامرا اسد الملک اسعد الدولہ نصرت جنگ (۱۱۹۹ھ-۱۲۱۰ھ) کے متوسلین میں شامل ہوگئے۔ عالی جاہ بڑے علم دوست اور فنون لطیفہ کے قدرداں تھے۔ ان کے یہاں قدیم کتابوں اور تصویروں کا ایک بڑا خزانہ تھا۔ لچھمی نارائن شفیق سے خواہش کی تھی کہ تمام تصویروں کے بارے میں اشعار اور نظمیں لکھیں۔ چنانچہ ان کے دیوان خانہ کی ہر تصویر کے ساتھ شفیق کا کلام بھی آویزاں کیا گیا تھا۔ چونکہ ان کی طبیعت میں غیر معمولی جودت اور امنگ تھی۔ اور ان کا کوٹھہ (یعنی کوٹھۂ عالی جاہ جو چار منار کی مشرقی سڑک کی آخری حد پر واقع تھا۔ اور جس کے آثار اور کھنڈر عرصہ تک موجود تھے۔ اس کی جگہ اب ایک محلہ اسی نام سے مشہور ہے) بڑے بڑے شاعروں عالموں اور صاحبان کمال کا مرکز تھا۔ اور جن کو اعظم الامرا ارسطو جاہ کا ان کے والد آصف جاہ ثانی پر غیر معمولی اثر و اقتدار ناپسند تھا۔ ارسطو جاہ یہ چاہتے تھے کہ آصف جاہ ثانی کے دوسرے فرزند سکندر جاہ سے اپنی پوتی جہاں پرور بیگم کی شادی کریں اور ان کو آصف جاہ ثانی کا جانشین بنائیں۔ چنانچہ آخر کار وہ اس منصوبے میں کامیاب ہوگئے اور ۱۲۰۷ھ ہجری میں یہ شادی ہوگئی تو عالی جاہ کو ان کے مصاحبوں اور دوستوں اور خاص کر بدیع اللہ خاں ناظم الملک اور سدایو ریڈی زمیندار میدک نے مشورہ دیا کہ نظام علی خاں کے بعد تو ان کو تخت ملنا مشکل ہے۔ مناسب یہ ہے کہ زندگی ہی میں بغاوت کرکے ریاست پر قبضہ کرلیا جائے۔ چنانچہ ۱۲۰۹ھ ہجری میں انہوں نے باپ کے خلاف بغاوت کی مگر شکست پائی اور گرفتار ہوگئے مگر ۱۲۱۰ھ ہجری میں ان کو زہر دے کر ختم کردیا گیا۔ اور یہ مشہور کردیا گیا کہ انہوں نے خود ندامت سے زہر کھالیا۔ عالی جاہ کی بغاوت اور وفات اور ان کے اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا کتب خانہ، تصویر خانہ اور فنون لطیفہ کے ذخیرے پراگندہ اور ان کے متوسل شعرا معتوب اور تباہ ہوگئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتوں بھی جو ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے باوجود مشہور نہ ہوسکے اس کی ایک اہم وجہ عالی جاہ کا یہ توسل ہی تھا۔ ورنہ سکندر جاہ اور ناصر الدولہ کے عہد میں جو تاریخیں اور تذکرے لکھے گئے ان میں ضرور ان کا ذکر رہتا اور کلام کی تعریف کی جاتی۔ تعجب ہے کہ گلزار آصفیہ میں ان کا نام تک نہیں لیا گیا۔ حالانکہ اس عہد کے اکثر شاعروں کا تذکرہ ہے۔

مفتوں عالی جاہ کے خاص مداحوں اور ارسطو جاہ کے مخالفوں میں تھے اور شاید اسی لئے انہوں نے ارسطو جاہ کی تعریف میں کوئی قصیدہ نہ لکھا ورنہ جیسا کہ میں نے داستان ادب حیدر آباد میں لکھا ہے کہ بہت سے شاعر محض ارسطو جاہ کی مداحی کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

"عام طور پر شاعروں اور ادیبوں کی وجہ سے ممدوحوں کی یاد محفوظ ہو جاتی ہے لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے۔ ارسطو جاہ ایسے ممدوح ثابت ہوئے جن کی وجہ سے بہت سے

شعرا کا نام اور کلام باقی رہ گیا۔" (ص)

حسن اتفاق سے ادارے میں مفتوں کا مکمل دیوان محفوظ ہے اور قیاس غالب یہ ہے کہ یہ شاید انہی کا مکتوبہ بھی ہے۔ اس میں بعض جگہ حاشیوں پر اضافہ ہے اور بعض جگہ سادہ صفحات بھی درمیان میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

عبدالجبار خاں ملکاپوری نے محبوب الزمن جلد دوم میں ان کی نسبت چند سطریں لکھی ہیں اور فارسی کے پانچ شعر نقل کئے ہیں۔ ان کو غالباً تذکرہ بہار و خزاں سے آشنائی معلوم ہوا تھا۔ یہ تذکرہ آج کل کمیاب ہے۔ اس کی رو سے مفتوں ۱۱۰۰ھ میں زندہ تھے اور میر بلیغ کے شاگرد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں کے شاعر تھے۔ لیکن اردو کلام ان کو نہیں ملا تھا۔

خود اس کلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوں تمنا کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے اور اورنگ آباد میں یہ لوگ اکثر ایک جگہ مل بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ایسی ہی ایک صحبت سے متعلق ایک غزل میں قطعہ بند شعر لکھے ہیں جو یہ ہیں ؎

ہوا تھا مجمع احباب شام کو لب بام	کہ دیکھی چوک میں اک نوشباب کی صورت
سفید پوش نزاکت خرام بحرِ حسن	بہ رنگ موج عجب پیچ و تاب کی صورت
پکار خان تمنا نے اس کے تئیں پوچھا	بندھی ہے دل پہ ترے اضطراب کی صورت
زمیں پر آنکھ فلک پر دماغ موتیہ پہ نقاب	کہاں چلا ہے او شرم و حجاب کی صورت
مثال ماہ بہ ابر سیہ نکلتے ہو	کبھو تو ہم بھی بھلا دیکھیں آپ کی صورت
دیا جواب کہ ہم بے حجاب ہوتیں ابھی	اگر تو دیکھ سکے آفتاب کی صورت

سبھی کی آنکھیں بھر آئیں یہ سنتے ہی مفتوں
رہی نگہ میں سوال و جواب کی صورت

مفتوں اگرچہ متعدد اورنگ آبادی شعرا اور ارباب کمال کی تقلید میں حیدرآباد کے پایہ تخت بننے کے بعد یہاں چلے آئے تھے مگر یہ شہر شفیق اور تمنا کی طرح ان کو بھی پسند نہ آیا۔ اور وہ بھی اپنے وطن کو ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ چنانچہ اس دیوان میں اکثر اشعار میں اس کی طرف اشارے کئے ہیں۔ اس قسم کے بعض شعر یہ ہیں ؎

ہے مجھ سے راحت دل بعد مشرقین کی راہ	میں تجھ سے دور ہوں اور دور ہے وطن مجھ سے (۱۱۲)
مفتوں کہاں کہاں سے کہاں آگئے ہیں دیکھ	ہے یہ بھی مثل آئینہ اک آب وناں کی بات (۱۹ ب)

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پایہ تخت باقی نہ رہنے کی وجہ سے اورنگ آباد کی صحبتوں اور لوگوں میں بڑا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں ؎

مفتوںؔ کی تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا لیکن اگر وہ عالی جاہ کی بغاوت اور وفات تک زندہ تھے تو یہ شعر غالباً اس کے بعد لکھے گئے ہیں ؎

نہ مجھے اب تئیں مفتوںؔ جہان و ما فیہا — کدھر کا عزم کریں آہ ہم کہیں کہ نہیں (۴۲)
دیکھتے ہی دیکھتے کیا کیا تماشے ہو گئے — کیا کہوں میں تجھ سے مفتوںؔ آہ دنیا کچھ نہیں (۱۰ب)

ایک زمانہ میں وہ اپنی شعر و شاعری سے بھی دل برخواستہ ہو گئے تھے ؎

حصول یہ ہے سوادِ بیاض سے مفتوںؔ — کہ نامۂ عمل اپنا سیاہ کرتے ہیں (۴۴)

اسی قسم کا خیال ایک رباعی میں بھی ظاہر کیا ہے جو یہ ہے ؎

تجھ پاس نہ کچھ متاع سودا مفتوںؔ — نہ حشمت دیں نہ جاہ دنیا مفتوںؔ
کہنے کو جو ایک دل سو تجھ سے ہے بری — پھر کا ہے کو عشق کی تمنا مفتوںؔ

مفتوںؔ نے اپنے کلام میں سرزمین دکن کا بھی کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ انہیں اپنے دکنی ہونے پر فخر ہے اور اس کا احساس ہے کہ دکن میں بھی اب اعلیٰ پایہ کے شاعر نمودار ہیں۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ؎

یہ سبزہ خط سخن میں ہے ایسے شکر فشاں — طوطیِ دکن کو آتی ہے ہندوستاں سمجھ (۱۳ب)
ہوا سے زلف پہ ہے گو کہ ہند کا کوچ — بحلقۂ دکھن اب مار کھائیے اور بس (۵۰)
کوئی زور محلہ ہے چھوٹا سا دکن مفتوںؔ — اس کوچہ سے اب کیا کیا انسان نکلتے ہیں (۶۷)

مرزا سوداؔ کی ایک غزل پر مخمس لکھا ہے جس میں کہتے ہیں ؎

ہے بندگی کی راہ تو ملک دکن میں اب — صورت پرست بھی ہیں تو معنی کے ان میں ڈھب
پتھر سے دل لگائے کوئی ورنہ کیا سبب — بت چیز کیا کہ جس کو خدا مانتے ہیں سب
خوش اعتقاد ہوتے ہیں ہندستاں کے لوگ (۱۵۸ب)

مفتوںؔ کے اس دیوان میں نعت و منقبت کے قصاید کے بعد آصف جاہ ثانی کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جس میں جشن نوروز کی مبارکباد دی گئی ہے اور دوسرا قصیدہ خود نواب عالی جاہ کی شادی پر لکھا گیا تھا۔ یہ شادی میر محمد شریف خاں شجاع الملک شجاع الدولہ بسالت جنگ فرزند پنجم آصف جاہ نظام الملک اول کی لڑکی صاحب جی المخاطب بہو بیگم سے سنہ ۱۱۸۹ھ میں۔ بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اس قصیدے میں ۵۰ شعر اور تین مطلعے ہیں۔ مطلع اول یہ ہے ؎

تو دیکھ آئینہ کو اور چرخ کی تنگ کار فرمائی — کہ یہ پتھر کو دیتا ہے بتاں کے ساتھ ہمتائی

اٹھارہ شعر لکھنے کے بعد دوسرا مطلع لکھا ہے کہ ؎

نہ ٹھہرے ایک کے گھر میں جو ہووے یار ہر جائی — کرے ہے آئینہ بے وجہ اپنی آپ رسوائی

اس شعر سے گریز نہایت عمدہ کیا ہے ؎

طلوعِ سیر سے صبحِ سعادت ہو جہاں آرا اسد کے برج میں سعدین کی ہوتی ہے یکجائی

نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو شہنشاہ دہلی نے اسد جنگ خطاب دیا تھا اور عالی جاہ کا خطاب اسدالدولہ تھا۔ اس مناسبت سے اسد کے برج یا گھر میں مبارک دلہا دلہن کی یکجائی بیان کی ہے۔ پھر جشنِ چراغاں، آتش بازی اور بہار کا ذکر ہے۔ عالی جاہ کی مدح نہیں کی اور نہ کسی انعام و اکرام کی خواہش ظاہر کی بلکہ الٹا یہ لکھا ہے کہ ؎

کوئی ہے طرز ترتیب سخن کچھ ہے زباندانی کرتا منظور خاطر جس سے ہو تحسین ہر جائی
اور اسپر بھی ہے کیا موقوف بر تقدیر کوئی سچ تو داد شعر اب کیا پائیں گے اور آگے کیا پائی
پس اس صورت میں کیا لازم سمجھ اس بات کو بیکار کسی کے سامنے کیجے گر اپنی نظم آرائی
خدا جیتا رکھے تجھ کو کہ اٹھے تجھ سے انس تجھے سناتے ہیں تجھے کوئی بات اگر اپنے سے بن آئی
میاں مفتوں کو کچھ درکار نہیں ایک تو ہی مجکو بس کہی جاتی ہے تجھ سے بات اپنے جی کی اکتائی

معلوم ہوتا ہے کہ مفتوں میر تقی میر کی طرح ایک قلندر مزاج اور بے باک و نازک دماغ شاعر تھے غالباً خانہ نشین بھی ہو گئے تھے۔ دربار داری اور نام و نمود کے خواہاں نہیں تھے۔ نہ ہرجائی تحسین و آفرین کے خواہشمند تھے۔ اس قصیدہ کے مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ متعدد غزلوں میں بھی انہوں نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے اس قسم کے چند شعر یہ ہیں ؎

نسبت نہیں سخن کو مرے سیم و زر کے ساتھ اس پارۂ خزف کو جواہر میں تولئے (۱۱۷)
صلہ قصیدے کا مرے ملے موافق عرض نہ چاہئے ہے دکن نے دوآبہ و پنجاب (۲۵ب)
مفتوں یہ شوق شعر کا اور یہ مشق گفتگو شاعری و تمیز و فہم اور یہ ڈھنگ کیا کیا (۴۷ب)
کیا ہمکو خدا نے صاحب سیفِ سخن مفتوں دوات اب جہل سے واقف علم سے بے قلم محرم (۶۰ب)
دفور گریہ سے اجرائے کار ہے مفتوں ہمارے پاس اگر سیم و زر نہ ہو تو نہ ہو (۸۰ب)

ممکن ہے کہ جاہ و مال و منال سے یہ بے پروائی افتادِ طبع کے علاوہ تصوف و فقر کے باعث بھی ہو۔ اس لئے کہ ان کے بعض شعروں سے سراغ ملتا ہے کہ وہ چشتی سلسلے میں کسی پیر کے مرید تھے۔ ان کے شعر ہیں ؎

مفتوں مجاز و عشق حقیقت سے کام کیا رکھے تو اپنے پیر کو سینے میں اور بس (۱۴۷ب)
مفتوں مرا تو حال یہ کچھ ہے کہ ہے عیاں کس منہ سے ہائے قافیہ باندھوں میں چشت کا (۲ب)

یہ صرف اشارے ہیں۔ لیکن پورے دیوان میں تصوف و عرفاں سے زیادہ رندی و عشق مجازی نمایاں ہے۔ یہ اپنے کلام کی خوبیوں کو اپنے استاد کا فیض ظاہر کرتے ہیں۔

ریختہ کہہ کے انہیں کیوں نہ سناؤں مفتوںؔ کہ کرشمہ ہے مرے حضرت استاد کے تئیں (۶۹)

چونکہ پیر تیغ فارسی کے شاعر تھے اور ریختہ میں اصلاح نہیں دی تھی۔ اس کے باوجود مفتوںؔ اپنے اعلیٰ پایہ ریختہ لکھنے کو بھی استاد ہی کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔

اپنے پیر اور استاد کے بعد مفتوںؔ نے اپنے کلیات میں سوداؔ کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ ان کی غزلوں پر غزلیں لکھیں، ان کی تضمین مخمس یا مسدس کی شکل میں کی اور قصیدے بھی زیادہ تر انہی کی زمینوں میں لکھے ہیں۔

چونکہ دیوان مفتوںؔ کا مکمل مخطوطہ اور کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے اس لیے اس کی نسبت تفصیلات درج ذیل کی جاتی ہیں۔

قصاید۔ یہ کلیات قصیدوں سے شروع ہوا ہے۔ کل ۶ قصیدے ہیں جن میں تقریباً ۵۰۰ شعر ہیں۔

۱۔ پہلا قصیدہ نعتیہ ہے۔ اس میں ۹۱ اشعار ہیں۔ مطلع اور آخری شعر یہ ہیں ؎

مطلع:۔ برنگ بسمہ سراسر ہو جس میں غلطانی تیز ہو سکے کیا اس کا اول و ثانی

آخری شعر:۔ رہے فیوض سے تیرے جہان مالا مال بقا کو پہنچے کہ جب تک یہ گیتی فانی

۲۔ دوسرا قصیدہ بھی نعتیہ ہے۔ اس کا عنوان ہے "تمہید آداب بجناب فیض مآب بانی دین متین امی ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" اس میں ۵۷ شعر ہیں۔

مطلع:۔ اے عشق اب مجھے تو گل زعفران سمجھ اور دل کے تئیں میرے داد ارغواں سمجھ (؟)

آخری شعر:۔ مفتوںؔ خاکسار کا اب سجدۂ نیاز ہووے قبول خاک رہ بندگاں سمجھ

۳۔ تیسرا قصیدہ بھی نعت میں ہے۔ اس کا عنوان ہے "ابیات چند بطور قصیدہ دربیان شمہ از زوعات شان نعت بحسب تفہیم خود" اس میں ۶۲ شعر ہیں۔

مطلع:۔ دل ہمارے کو نہیں جوش تمنا و منی خوب نبتیں ہم سے فلک کا وش ہمتا دمنی

آخری شعر:۔ گذر ہستی سے آداب فنا تک یارب نگہ غور میں ہو مجھکو سینسا دنی

۴۔ چوتھا قصیدہ منقبت حضرت علی میں لکھا ہے۔ اس میں ۱۱۲ شعر ہیں۔

مطلع:۔ شب کہ ایک خواب سے آنکھوں میں مری آئی جھپک

مشعل افروز ہوئی جلوۂ جاناں سے پلک

آخری شعر:- عشق بن اور نہ ہو دل کو مرے سوز و گداز
جاؤں گر زیر زمین یا کہ ہوں زیر فلک

۵۔ **پانچواں قصیدہ** منقبت حضرت امام حسین ہے۔ اس میں ۱۰۲ شعر ہیں۔

مطلع:- یہ کس کے گریہ سے یارب ہے خلق عالم آب
کہ آسمان ہے دریا و مہر و مہ گرداب

آخری شعر:- خیال روضۂ پرنور کے ترے درکار
نیاز سجدۂ تسلیم کو ہے محراب

۶۔ **چھٹا قصیدہ** نظام الملک آصف جاہ ثانی کے جشن نوروز کی مبارکباد میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ۵، شعر ہیں۔

مطلع:- جو کوئی زندہ دل ہے عیش اوس کو جاوداں ہے
مشہور یہ مثل ہے دل ہے تو سب جہاں ہے

آخری شعر:- دیکھو طلوع ویسے مہر و سپہر دیں کو
آبادیا الٰہی جب تک کہ یہ جہاں ہے

۷۔ **ساتواں قصیدہ** نواب عالی جاہ کی شادی پر لکھا ہے۔ اس میں بھی ۵، شعر ہیں اور اس کا ذکر اوپر بھی گذر چکا ہے۔

مطلع:- تو دیکھ آئینہ کو اور چرخ کی ٹک کارفرمائی
کہ یہ پتھر کو دیتا ہے بتاں کے ساتھ ہمتائی

آخری شعر:- الٰہی دیجیے ربط محبت ہم کو اپنے سے
کہ تجھ بن نیئں ہمارا والی دینی و دنیائی

قصیدوں کے بعد غزلیں شروع کی ہیں جو ۱۰۸ صفحات پر درج ہیں۔ ان میں اندازاً ڈھائی ہزار شعر ہیں۔ غزلیں بہت اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ یہ دراصل غزلگو شاعر تھے۔ متعدد غزلیں قطعہ بند بھی ہیں۔ یہ جملہ ردیفوں میں اور اکثر مشکل زمینوں میں ہیں۔ چھوٹی بحروں کی بعض غزلیں تو اردو کے ادب عالیہ میں شمار پا سکتی ہیں۔

غزلوں کے ختم پر ۱۲ رباعیاں اور ۶ قطعات اور ایک صفحہ فردیات ہیں اسی حصہ دیوان کے

آخر میں ترتیب دیوان کی تاریخ کا حسب ذیل قطعہ لکھا ہے ؎

سفّوس مجھے اعداد میں گو نہیں ہے شعور
کچھ فکر تو کیا چاہیے تا مقدور
موقوف نہیں کچھ اس پہ دو کم ہی سہی
دیوان کی تاریخ ہے لیکن منظور
۱۱۹۴

لفظ منظور سے ۱۱۹۶ بنتے ہیں۔ مگر پہلے مصرعہ میں دو کم کرنے کا اشارہ کیا ہے اور خود منظور کے نیچے ۱۱۹۴ سرخ روشنائی میں لکھا ہے۔ سوائے اس قطعۂ تاریخ کے اور کوئی تاریخ نہیں نکالی ہے۔ اس طرح شاعر کا یہ لکھنا صحیح ہے کہ اس کو اعداد میں شعور نہیں تھا۔

قصاید، غزلیات، رباعیات اور قطعات کے بعد ترکیب بند شروع ہوتے ہیں جو ۲۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مثلث جس میں ۶ بند ہیں اور جس کا پہلا بند یہ ہے ؎

بجز چشم کی مخموری نرگس کو ہے رنجوری　　ہے مجھکو تو مسروری لیکن ہے غضب دوری
تا چند یہ مہجوری اے مایۂ مسروری

۲۔ مخمس۔ ۱۴ بند ہیں اور بہت عمدہ نمونۂ کلام ہے۔ پہلا بند یہ ہے ؎

کہیں آنکھوں میں بس دیکھا تو وہ ناز آفریں کچھ ہے
کسی کے گوشۂ خاطر میں رہ وہ دل نشیں کچھ ہے
کسی کا نام کر دینے میں جوں نقش نگیں کچھ ہے
کسی کی بات کہنے میں اشارا نازنیں کچھ ہے
کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے

۳۔ دو بند مخمس۔ اس عنوان سے دو نظمیں ہیں یعنے چار بند۔ ہر مخمس کا ایک ایک شعر یہ ہے ؎

مخمس اول۔ صبح ہووے ہو آفتاب نہ ہو　　تو ہو اور میں ہو بیچ حجاب نہ ہو
مخمس دوم۔ ہم بھی اس در پہ میاں بیٹھے ہیں　　کہ خبر ہی نہیں یہاں بیٹھے ہیں

۴- **مختصر تضمینیں-** بطور مخمس دو دو بند لکھ کر استادانِ قدیم کے اشعار کی ۳ تضمینیں لکھی ہیں ان میں مرزا مظہر کی دو اور ایک فارسی شعروں کی تضمین بھی شامل ہے۔

۵- **بڑی تضمینیں-** چھوٹی تضمینوں کے بعد مخمس ہی کی شکل میں ۲۰ بڑی تضمینیں لکھی ہے جو بہم ضمائم پر پھیلی ہوئی ہیں اور اردو کے مشہور اساتذہ سخن درد، یقین، تمنا اور سودا کی غزلوں کی ہیں۔ زیادہ تعداد سودا کی غزلوں کی ہے۔ جو مفتون کے پسندیدہ شاعر تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں دیوان میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ اس قسم کے دو شعر یہ ہیں ؎

سودے میں سخن کے جو کہیں ہے مفتونؔ — سودا ہی کی ہے نظم کا دیوانہ اگر ہے
نظم سودا ہی سے ہنگامہ ہے مفتونؔ لیکن — یہ ردیف ایک یقیں سے ہوئی منظومِ یوم

تمنا چونکہ ان کے ہم وطن اور شریک حال شاعر تھے اس لیے ان کی غزل پر جو تضمین لکھی اس کا پہلا بند لکھا جاتا ہے ؎

مجھ پہ کب التفات ہے فرہاد — بات پر یہاں برات ہے فرہاد
منع کی شب رہی بات ہے فرہاد — ہجر کی سخت رات ہے فرہاد
شیریں خسرو کے ہات ہے فرہاد

۶- **ترکیب بند-** ایک فارسی شعر کی تضمین ۷ بندوں میں کی۔ جن میں سے ہر بند میں پانچ شعر ہیں جن کے آخر میں فارسی شعر لکھا ہے۔ چونکہ یہ طویل مسلسل نظم ہے اس لیے اس کا پہلا بند بطور نمونہ درج ذیل ہے:۔

میکدے کی طرف ایک روز گیا میں بخرام — دیکھتے ہی مجھے ساقی نے بچند یں اکرام
جو شش تام سے فرمائی مدارات جسام — لے کے میں ہات سے ساقی کے جھکا کر کے سلام
واقفیت تو مجھے مے سے نہ تھی بلکہ بہ نام — کہ وہ ہی نشہ میں لے آن کہ باجوشش تمام
ہو کے سرشار لیا واں سے رہ شارع عام — ایک زاہد نے مجھے دیکھ کے با چشم تمام
کہا کیا کام کیا تونے کہ ہے بادہ حرام — میں کہا حضرت من اب تو ہوا مجھ سے یہ کام

من بے چارہ کجا و مے و مے خانہ کجا
خواہش مغفرت دوست گنہ گارم کرد

یہ گویا اس دیوان کی آخری نظم ہے لیکن اس کے بعد پھر ضمیمۂ دیوان شروع ہوتا ہے جس سے

پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۳ھ میں دیوان مرتب کرنے کے بعد جو غزلیں اور نظمیں مفتوں نے لکھی تھیں ان کا بھی اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اس ضمیمۂ دیوان میں پھر ردیف وار غزلیں لکھی گئی ہیں جو ۸۰ صفحات اور اندازاً ۵۰۰ اشعار پر مشتمل ہیں۔ پھر رباعیاں ہیں اور سودا کی غزلوں پر مخمس۔ آخر میں ایک ایسے دوست کے نام خط اور اس کا جواب ہے جس نے لشکر کے ساتھ بیدر میں جا کر قیام کیا تھا اور اس کی دوری احباب کو ناگوار تھی۔ چونکہ مفتوں کے ممدوح نواب عالی جاہ حیدرآباد سے بیدر ہی گئے تھے اور وہیں ٹھہر کر فوجیں جمع کی تھیں اور نظام علی خاں اور ارسطو جاہ کی فوجوں سے پہلا مقابلہ وہیں کیا تھا۔ اس لئے اندازہ یہ ہے کہ یہ نظم انہی کے بارے میں لکھی گئی ہے اور ان ہی کا ذکر بطورِ محبوب کیا ہے۔ اس میں متعدد سیاسی اشارے اور کنائے ہیں۔ چنانچہ جب تک اس دور کے تاریخی پس منظر سے کوئی واقف نہ ہو اس نظم کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے چند منتخب شعر بطورِ نمونہ درج ہیں:

نامہ

لشکر نے جا کے جب کہ بیدر پر کیا مقام ۔۔۔ فرقت نے دوستوں کے جگر کو کباب کی
نہ ربط ہے کہیں نہ کسی جائے اختلاط ۔۔۔ نہ سیر باغ کی ہے نہ الفت کتاب کی
خاطر پہ انتشار نے یہاں تک کیا ہجوم ۔۔۔ نہ رغبت خورش ہے نہ فرصت ہے خواب کی
گر روز ہے تو چشم پہ خاطر کے ہے غبار ۔۔۔ ور شب ہے اور دل پہ ہے صورت تعب کی
دو چار مہرباں کہ محبت ہے جن کے سات ۔۔۔ ایک ایسے ہم نے طرز نئی انتخاب کی
اون میں سے اک بزرگ نے پہلے کیا پیام ۔۔۔ مضمون نامہ یہ کہ تمنا ہے آپ کی
نسبت نہیں وفا کے تئیں کیف و کم کے سات ۔۔۔ اتنی ہی بات نے مرا خانہ خراب کی
کتنے ہو اور مشفق و محسن ہیں قدرداں ۔۔۔ ان کے مزاج میں یہ عتاب و خطاب کی ہے

جواب نامہ (انتخاب)

بعد از سلام و شوق و دعا و ثنائے دوست ۔۔۔ یہ عرض ہے مرے دل حسرت مآب کی
اسباب کا معاملہ الفت میں تنگ ہے ۔۔۔ پھر چاہ ایسے موذی حاضر جواب کی
فرحت چمن چمن مجھے نامے سے ہوئی حصول ۔۔۔ کچھ بوے گل سے کم نہیں نکہت گلاب کی
اخلاص و اتحاد کی بنیاد ہے وفا ۔۔۔ جس میں نہ بو ہو یک سر و پیچ و تاب کی
شایانِ حیثیت جو طریقے ہیں ربط کے ۔۔۔ اون کی طرف ہو رہے کو رخصت طرب کی

ورنہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں یہ رسم ولہ — باتیں بھری ہوئی ہیں جہاں میں عذاب کی
آتی ہے یاد صحبت احباب اس طرح — جیسے ترنگ دماغ میں تار رباب کی
اب دیکھئے کہ پھر ہو ملاقات کس طرح — اور کب تئیں فلک دے یہ مہلت حساب کی

اس کے بعد چند اور رباعیاں اور قطعات اور اردو و فارسی شعر "راقم" لکھ کر اضافہ کئے ہیں۔ ممکن ہے کہ راقم سے مراد خود مفتون ہوں۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۱۹۰ ورق۔ ۱۴ سطورفی صفحہ۔ ۹ × ۵½۔

۵۸۹۔ دیوان میر۔ میر تقی میر۔ قریب سنہ ۱۲۰۰ھ۔ کلام اُردو

میر تقی میر (۱۱۳۷۔ ۱۲۲۵ھ) اُردو کے بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کا پہلا اُردو دیوان جو دیوانِ فارسی کے ساتھ ان کی زندگی میں دلی ہی میں سنہ ۱۱۹۳ھ میں لکھا گیا تھا ادارے میں موجود ہے اور اس کی تفصیلات جلد اول صفحات ۱۰۸۔ ۱۱۰ میں شایع ہو چکی ہیں۔ ایک اور منتخب دیوان بھی نمبر ۴۴۳ پر موجود ہے اور اس کا ذکر بھی اسی جلد کے صفحہ ۲۰۸ پر چھپ چکا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ میں ان کا اور ایک دیوان لکھا گیا ہے جو ان کے وفات کے صرف چار سال بعد ہی نقل ہوا ہے۔ خط نستعلیق شکستہ پختہ ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں درج ہیں۔ قدیم کتابت اور صحیح لکھا جانے کی وجہ سے یہ نسخہ بہت اہم ہے۔

یہ دیوان صرف غزلوں پر مشتمل ہے اور اس میں تقریباً تین ہزار شعر ہیں۔ پہلی غزل کے ابتدائی شعر یہ ہیں:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا — خورشید میں بھی .... کا ذرہ ظہور تھا
ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا — پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا

آخری شعر یہ ہیں:

اچنبا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے — اگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے
بھرا ہے دل مرا جام لبالب کی طرح ساقی — گلے لگ خوب روؤں میں جو مینائے شراب آوے

یہ دیوان نواب شمشیر بہادر کے ملازم امیر بیگ منصبدار نے سنہ ۱۲۲۹ ہجری میں میر کی وفات کے چوتھے ہی سال نقل کیا تھا۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے:

"دیوان حضرت میر صاحب علیہ الرحمان بتاریخ بیست وچہارم شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۲۹ ہجری بروز آخری چہارشنبہ بدست امیر بیگ منصبدار ملازم سرکار نواب صاحب شمشیر بہادر

بوقت یک پاس گھڑی روز برآمدہ بانصرام رسید۔ تمام شد"

اس ترقیمہ کے برابر کسی صاحب نے ۱۲۹۳ھ ہجری میں یہ تحریر لکھی ہے اور بطور علوی اس کے نیچے دستخط کر دیئے ہیں جو غالباً سید محمد حیدر حسین پڑھے جاتے ہیں۔

"این کتاب دیوان میر صاحب باستصواب لطیف علی شاہ قادری بقیمت ہشت آنہ خریدی بعمل آمد۔ فقط"

اوراق ۱۰۱۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ½۹ × ۶۔

۵۹۰۔ دیوان ناسخ۔ شیخ امام بخش ناسخ۔ ۱۲۴۵ھ۔ کلام اردو

شیخ امام بخش ناسخ (م ۱۱۸۷۔ ۱۲۵۴ھ) فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے اور لکھنؤ میں بحیثیت استادِ سخن شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ ادارے کے کتب خانہ میں ان کے دو دیوان (اول و دوم) نمبر ۴۱ پر موجود ہیں اور ان کی تفصیلات جلد اول صفحات ۲۳۲۔ ۲۳۲ پر چھپ چکی ہیں۔

یہ ناسخ کا تیسرا دیوان ہے جس کا ابتدائی ایک ورق غائب ہے۔ غزلوں سے شروع ہوتا ہے اور اسی صنف میں پانچ ہزار شعر ہیں۔ ورق ۱۵۰ ب سے رباعیات شروع کی گئی ہیں۔ پہلی دو رباعیاں لکھ کر مٹادی گئی ہیں۔ ابتدائی رباعیاں حضرت علی اور حضرت امام حسین سے متعلق ہیں۔ جملہ ۶۳ رباعیاں نقل کرنے کے بعد ایک فارسی قطعہ تاریخ ہے جس میں اپنی جلاوطنی ۱۲۴۳ھ کا ذکر لکھا ہے۔ اس کے بعد مزید ۵ قطعات تاریخ ہیں۔ جو سب فارسی میں ہیں۔ وفات پسر حسام الدولہ (۱۲۴۴ھ) کے قطعات تاریخی پر یہ دیوان ختم ہوتا ہے۔

یہ دیوان ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ۔

یہاں آسرا ہے ساقی کوثر کی ذات کا	ہے ساغر شراب سفینہ نجات کا
زخم دہان خلق کو ہے اس سے التیام	مرہم سے ہے زیادہ اثر میری بات کا

اس قطعۂ تاریخ پر ختم ہوتا ہے ۔

زیں وادی پر خار بساغ فردوس	پیش گرار رفت انعام علی
گفتم تاریخ فوت او سید پاک	زیں وارے واے رفت انعام علی

۱۲۴۴

یہ دیوان نہایت ہی خوشخط نستعلیق میں بہت احتیاط سے لکھا گیا ہے۔ کاغذ قدیم اور خط پاک صاف ہے۔ کاتب نے کوئی ترقیمہ نہیں لکھا ہے۔ ۱۲۵۰ھ ہجری کے قریب کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

ورق ۱۵۷۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔ ۹ × ۶۔

۵۹۱ - دیوان درد - خواجہ میر درد - قبل ۱۱۹۹ھ -　　کلام اُردو

حضرت خواجہ میر درد (متوفی ۱۱۹۹ھ) دہلی کے اعلیٰ پایہ کے استاد سخن تھے۔ ان کے دیوان کے تین اور قلمی نسخے ادارے میں نمبر ۴۹۸ - ۴۹۹ اور ۵۲۳ پر موجود ہیں - اور ان کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۰۱ اور جلد دوم صفحات ۱۵۰ و ۱۵۱ پر چھپ چکی ہیں۔ ان کی ایک کتاب نالۂ درد کا مخطوطہ نمبر ۵۰۲ پر محفوظ ہے اور اس کی تفصیل اسی جلد میں آگے گذر چکی ہے۔

درد کا زیر نظر مخطوطہ نہایت ہی خوش خط نستعلیق میں بہت اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ کسی مشہور اور اعلیٰ پایہ کے خوشنویس کا لکھا ہوا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ ابتدا اس غزل سے ہوتی ہے ؎

مادیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا　　امیان ہے مظاہر ظاہر ظہور تیرا
اے درد بنسا ہے ہر سو کمال اس کا　　نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

غزلیں ورق ۹۰ پر ختم ہوتی ہیں - اس کے بعد فردیات و متفرقات ہیں۔ ورق ۹۳ ب سے وہ ترکیب بند شروع ہوتا ہے جس میں دس دس شعروں کے ساتھ بند ہیں - اس کے آخری شعر یہ ہیں

اے درد جہاں کہیں میں دیکھا　　وہ یار میرا ہی جلوہ گر تھا
خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہے نظر خدا کسو کو

اس کے بعد تین مخمس ہیں - اور پھر رباعیاں شروع کر دی ہیں جو کل ۲۰ ہیں - آخری رباعی یہ ہے ؎

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی　　لے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو　　کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

۱۰۷ ورق - ۱۲ سطری فی صفحہ - ۶ × ۹ -

۵۹۲ - سحر البیان - میر غلام حسن حسن - ۱۱۹۹ھ -　　مثنوی اُردو

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے اپنے والد میر ضاحک کے ساتھ پہلے فیض آباد گئے اور پھر لکھنؤ آکر قیام کیا۔ ان کا کلیات اور کئی مثنویاں اور تذکرۂ شعرائے اُردو سب ہی موجود ہیں۔ مگر ان کی مثنوی سحر البیان کی شہرت اور مقبولیت نے ان سب کو ماند کر دیا۔ اور ان کا نام محض اسی مثنوی کی وجہ سے اردو کے اساتذۂ سخن میں شامل ہے۔

اس مثنوی کی مقبولیت کا اندازہ محض اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اس کے سات قلمی نسخے ادارے کے کتب خانہ میں برآمد ہو چکے ہیں اور کتب خانہ میں ان کے نمبر یہ ہیں۔ ۱۴۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۶۳، ۴۰۴، ۵۱۶، ۸۱۵ اور ان کا ذکر جلد اول کے صفحات ۹۵، ۹۶، ۱۱۸ و ۲۷۵ پر اور جلد دوم کے صفحات ۸۷ و ۹۰ پر چھپ چکا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ اس مثنوی کا آٹھواں نسخہ ہے اور یہ تاریخ تصنیف کے صرف ۲۸ سال بعد ۱۲۲۶ھ میں حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ ابتدائی ایک ورق غایب ہے لیکن خط، اور خاص اہتمام کے باعث نہایت عمدہ اور قابل قدر نسخہ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ ہر صفحے پر درمیان میں یعنے دونوں مصرعوں کے درمیان سرخ روشنائی میں حد فاصل بنائے ہیں۔ اگرچہ خط شکستہ نستعلیق ہے مگر صحیح اور صاف لکھا ہے۔

یہ مخطوطہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے ؎

نہاں سب سے ہے اور ہے آشکار　　یہ سب اوس کے عالم ہیں پردہ ہزار
ورے اس سے سب ہیں وہ ہے سب پیش　　ہمیشہ سے وہ ہے رہیگا ہمیشہ

یہ مثنوی آخر میں مکمل ہے اور خاتمہ کی ابیات یہ ہیں ؎

غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا　　حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف ہیں گے کہیں گے یہی　　نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا کبھی

اس کے کاتب ہیرا لال ہیں۔ انہوں نے یہ ترقیمہ لکھا ہے :۔

"بتاریخ بست و یکم شہر ربیع الثانی ۱۲۲۶ھ در بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد این مثنوی میر حسن بخط خام بندہ ہیرا لال باتمام رسید"

اس صفحے کے نیچے ایک مستطیل مہر ثبت ہے جس پر ہیرا لعل ۱۲۱۶ھ کندہ ہے۔ اس صفحہ کے حاشیہ پر مرزا خلیل کے مادہ تاریخ کی ۶ ابیات کی مثنوی بھی لکھی ہے اور دوسری طرف اپنی پسند کے ۶ مختلف اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ صفحے کی پیشانی پر میاں مصحفی کے مادہ تاریخ کی ابیات بھی قلمبند کر دی ہیں۔ اس صفحے کی پشت پر بھی دو رباعیاں اور ایک شعر لکھا ہے۔ آخری رباعی سودا کی ہے جو حسب ذیل ہے ؎

افسوس اکھوں میں کس سے اپنے گھٹ کی　　قالب سے ہے پھرے روح بھٹکی بھٹکی
اس آنکھ نے جیسے چین کھویا سودا　　یہ خانہ خراب حسن سے اٹکی اٹکی

۷۶ ورق۔ ۱۵ اشعری صفحہ۔ ۹ × ۶ ۔

۵۹۳۔ دیوان سیف وانور۔ ۱۲۹۲ھ۔　　کلام اردو

سیفؔ حیدرآباد کے ایک غیر معروف شاعر تھے جن کا نام غالباً غلام دستگیر تھا اور جو حیدرآباد کے قدیم امیر راجہ کراجایان راجہ شیوراج دھرم ونت بہادر کے متوسل تھے۔ چنانچہ اس دیوان میں ان کی مدح میں سیفؔ کا ایک قصیدہ بھی موجود ہے۔ جس میں بہاریہ تشبیب لکھی ہے۔ اور راجہ شیوراج کے محل کرن باغ کی رونق و سرسبزی کو سراہا ہے۔ اس کے چند منتخب شعر یہ ہیں :-

قصیدہ در مدح راجہ شیوراج بہادر

پھر ہوا آج ہی جاتی ہے نے دل کی لگن　　ابر کے ہاتھ ہے پھر کوہ فلک کا دامن
شہرۂ زلف غزالان دکن کے دمن میں　　سوے آبادی چلی آتی ہے ہر سوے ہرن
چرخ کج رو یہ عجب مست ہے یہ پیر کہن　　اونٹ کی طرح سے آتا ہے اٹھائے گردن
لی ہے انگور نے بدعت کی تعلقداری　　دختر رز نے گلابی کا بھی سیکھا ہے فن
کچھ برانڈی کے تو پینے سے طبیعت نہیں سیر　　دل کدو سے مے اردوئے معلائے دکن
ساقیا مجھ کو چڑھے خوب نشہ کونٹے کا　　ہو کے مسرور لکھوں تا صفت باغ کرن
یہ ہے وہ باغ کہ جس کی سرو سبزی دیکھے　　باغ نورس سا بنے چرخ کہن کا بھی چمن

یہ قصیدہ نامکمل ہے مگر اب بھی اس میں ۶۳ شعر ہیں۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ ہجری کو کسی تقریب میں سنایا گیا تھا۔

اِس قصیدے کے علاوہ اس دیوان میں سیفؔ کی ردیف وار غزلیں درج ہیں جن کے درمیان میں سادہ صفحات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود شاعر اپنا کلام اس میں درج کر رہے تھے۔ لیکن مکمل نہ کر سکے تھے کہ فوت ہو گئے۔ ان کے بعد کسی اور شاعر انورؔ کے قبضہ میں یہ دیوان آیا تو انہوں نے جگہ جگہ سیفؔ کا لفظ مٹا کر اپنا تخلص انورؔ لکھدیا اور وزن بٹھانے کی خاطر مصرعوں میں کچھ رد و بدل بھی کیا ہے۔ سیفؔ کا نام مٹانے کی پوری کوشش کے باوجود بعض جگہ نام باقی رہ گیا اور جہاں مٹایا گیا ہے وہاں بھی دھندلا سا موجود ہے۔

معین الدولہ اعانت جنگ معینؔ امیر پائے گاہ آسماں جاہی کے یہاں بھی ایک شاعر سیفؔ موجود تھے۔ جن کے فرزند میر بہادر علی خنجرؔ شاگرد صفیؔ اورنگ آبادی کا دو سال قبل انتقال ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ دیوان ان کی زندگی میں دستیاب نہیں ہوا ورنہ ان کو دکھا کر پتہ چلایا جا سکتا کہ یہ ان کے والد سیفؔ کا دیوان ہے یا کسی اور سیفؔ کا۔ ان سیفؔ صاحب کی سفارش میں بہادر

سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ نے نواب معین الدولہ مرحوم کے نام جو خط لکھا تھا وہ ادارے کے خزینۂ نوادر میں موجود ہے۔ اور خنجر صاحب کا عطیہ ہے۔

اس دیوان کے مصنف سیف بھی ایک پختہ مشق شاعر تھے۔ انہوں نے بعض مشکل زمینوں میں بھی غزلیں لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر چند غزلوں کے مطلعے اور مقطعے یہ ہیں ؎

ہے قہر و رحمت میں مبتلا دل کبھی بہ آب و کبھی بہ آتش
ہمیں ہے خوف و رجا کی منزل کبھی بہ آب و کبھی بہ آتش

عرق میں آلودہ آتشیں رخ پہ دیکھو ابرو کو تیرے تا دم
ہو سیف کو آب و تاب حاصل کبھی بہ آب و کبھی بہ آتش

دام میں گر گر کے جوں مرغ بد انجام قفس　　زلف میں ہم پھنس گئے اور ہے ہمارا کام قفس
آہ و نالہ سیف کا محفل میں سن کر چرخ دوں　　کر رہا ہے ہاتھ میں لے پھر وہ کا جلم نگیں

پائے رنگیں اسقدر ہوتے ہیں روشن آب میں　　صاف دکھلاتے ہیں جوں مرجاں کا نمونہ آب میں
شعلہ رویوں کا عرق آلودہ ابرو کیوں نہ ہو　　ہاں بجھاتے سیف ہیں حداد آہن آب میں

پوچھتے ہو مجھکو تم گم تھے کہاں دو چار دن　　دور ہو رہتے ہو تم ہم سے یہاں وہاں دو چار دن
سیف تیری طبع جولاں رہتی ہے پیری میں بھی　　ل نہیں رہتے کبھو پیر و جواں دو چار دن

سیف کے کلام کو کسی دوسرے شاعر انور نے تخلص کی تبدیل سے کس طرح اپنا بنالیا ہے اس کے بھی چند نمونے درج ذیل ہیں ؎

تحریف کردہ انور	اصل شعر سیف
سایہ رکھتے نہیں جز آپ کے ہم اب انور کہتے یہ ہیں کہ رہے آپ کا داماں سر پہ	سایہ رکھتے نہیں جز آپ کے ہم بے سروپا کہتے ہو آپ یہ لو سیف کا داماں سر پہ
انور کا ہے حاضر دل صد چاک لے جاناں کہدو ہمیں یا دل جو سوے شانہ ہوا خط	ہے سیف کا حاضر دل صد چاک لے جاناں کہدو ہمیں یا دل جو سوے شانہ ہوا خط

تعلیم صاعقہ کو بھی سرعت کی کیوں نہ ہو	تعلیم صاعقہ کو بھی سرعت کی کیوں نہ ہو
لے سیت دیکھے تجھکو کبھو اضطراب میں	انور جو تجھکو دیکھے کبھو اضطراب میں

اس دیوان میں سیت کی غزلوں کو بدل کر اپنی غزلیں بنانے کے علاوہ انور نے خود بھی چند غزلیں اپنے قلم سے لکھی ہیں جو زیادہ تر پنسل کی لکھی ہوئی ہیں۔ ایسی چند غزلوں کے مطلعے یہ ہیں:

عشاق کا خوں بہار ہے رہو — مہندی نہیں تم لگا رہے ہو

ہوتے ہیں ہجر یار میں جب بیقرار ہم — ہاتوں سے تھام لیتے ہیں دل بار بار ہم

دہن زخم جگر دار کے قابل ہوگا — مستعد قتل پہ جب ہیجے وہ قاتل ہوگا

انور کی زیادہ تر غزلیں بطور بیاض لکھی گئی ہیں اور سیت کا کلام دیوان کی شکل میں ہے۔ اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ سب کلام خود ان دونوں شاعروں ہی نے لکھا ہے۔

۱۲ سطور فی صفحہ۔ ½ ۲ × ½ ۵۔

۵۹۴۔ دیوان انشا۔ میر انشاء اللہ خاں سنہ ۱۲۲۴ھ۔ کلام اردو۔

میر انشاء اللہ خاں (متوفی سنہ ۱۲۳۳ھ) دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر لکھنؤ میں عروج حاصل کیا۔ اردو کے جدت پسند اور بڑے شاعر تھے۔ ان کے دیوان کا ایک اور مخطوطہ ادارے میں نمبر ۲۱۵ پر اور کلیات کا نسخہ نمبر ۵۲۴ پر موجود ہے۔ دونوں کا ذکر تذکرہ جلد اول صفحات ۱۰۷ - ۱۰۸ پر چھپ چکا ہے۔

انشا کا یہ دیوان بھی نامکمل ہے۔ اور صرف غزلوں پر مشتمل ہے۔ کاغذ اور کتابت و سیاہی قدیم ہے۔ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے:

میں غش ہو اکہا جو ساقی نے مجھ سے ہنسکر — یہ سبز جام تیرا اور سرخ جام میرا

پوچھا کسی نے مجھکو اوس سے کہ کون ہے یہ — تو بولے ہنسکے یہ بھی ہے ایک غلام میرا

آخری اشعار یہ ہیں:

جھولتے ہیں یہ جھوٹے میں سچ کہتے ہیں مجھے — ایک وعدہ پہ تجھے برسوں جلا سکتے ہیں

اپنے ڈھب کے جو توانی ہیں ہم ان میں انشا — اک غزل اور بھی چاہیں تو سنا سکتے ہیں

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ خط نستعلیق عمدہ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔

۱۰ ورق۔ ۹ سطور فی صفحہ۔ ۸ × ۵۔

۵۹۵- دیوان درد- خواجہ میر درد- قبل ۱۱۹۹ھ- کلام اردو

دیوان خواجہ میر درد کے چار اور قلمی نسخے ادارے میں موجود ہیں۔ ان کا ذکر ابھی مخطوطہ نمبر ۵۹۱ کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔ یہ دیوان دراصل منتخب دیوانِ درد ہے جس کو کسی شاعر نے اپنے لئے کئی اور شعرا مثلاً حفیظ، شاداں اور سودا کے منتخب دواوین کے ساتھ ایک ساتھ نقل کیا ہے گویا ان میں سے ہر ایک کے دیوان سے اپنی پسند کے اشعار ردیف وار نقل کرلئے ہیں۔ کتابت ۱۲۵۰ھ کے قریب کی ہے۔ خط شکستہ نستعلیق ہے لیکن قرینے سے نقل کیا ہے۔ کاغذ قدیم ہے اور پوری کتاب کرم خوردہ ہے۔ بڑی احتیاط سے جلد بندی کرائی گئی ہے۔

دیوان درد کا آغاز ان اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبود چرخ جو دیکھا سواری کے نہیں قابل
تہہ نوے ہے پیدا عیب اس کی بدرکابی کا

یہ دیوان جس مخمس پر ختم ہوتا ہے اس کا آخری بند یہ ہے ؎

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب — ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی ہے نہیں جہاں میں معیوب — آتے ہیں میری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

ورق ۱۸۱- ۱۳ سطور فی صفحہ- ۹" × ۱/۲ ۵"

۵۹۶- دیوان حفیظ- شیخ محمد حفیظ دہلوی- قبل ۱۲۴۵ھ- کلام اردو

شیخ حفیظ دہلوی مہاراجہ چندو لال کے زمانہ میں حیدرآباد کے ملک الشعرا تھے۔ دلی میں ایک سپاہی پیشہ خاندان میں پیدا ہوئے اور شعر و سخن کے فطری ذوق کے باعث بہت جلد شہرت اور اہمیت حاصل کرلی۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے اچھے شاعر تھے۔ دلی سے اورنگ آباد آئے اور راجہ ہیبت رام کے دربار میں قدر و منزلت حاصل کی۔ یہ راجہ انگریزوں کی نظر میں کھٹکتے تھے اور تاریخ آزادی ہند کی تعمیر میں بڑا حصہ لیا تھا۔ جب انگریزوں کی سیاست نے ان کو سنبھلنے نہ دیا تو ان کے متوسلین بھی پریشان حال ہوگئے۔ چنانچہ حفیظ بھی اورنگ آباد سے حیدرآباد آئے اور یہاں مہاراجہ چندو لال کے دربار میں باریاب ہوئے۔ مہاراجہ نے حسبِ عادت

بڑی قدر کی اور ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کر دی۔

شیخ حفیظ نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے دربار میں بھی باریاب ہوئے اور نذر کے ساتھ یہ رباعی سنائی ؎

کوئی نام خدا لیکے حرم تک پہنچا　　　کوئی پوجتے ہی دیر صنم تک پہنچا
خوش طالعی میری ہے کہ لے کر میں نذر　　　تجھ رشک سکندر کے قدم تک پہنچا

شیخ حفیظ بڑے نفیس مزاج، قلندر منش اور فیض رساں بزرگ تھے۔ ہمیشہ عمدہ لباس پہنتے۔ اور ہر وقت غریبوں اور حاجت مندوں کی مہاراجہ کے یہاں سفارش کر کے فیض پہنچاتے۔ وہ بہت اعلےٰ پایہ کے شاعر اور استاد سخن تھے۔ سمجھا جاتا ہے کہ اس دور میں دلی میں ذوق۔ لکھنو میں ناسخ اور حیدر آباد میں حفیظ ہم پایہ اور برابر کے استاد تھے۔ مگر حیدر آباد ہمیشہ سے ارباب کمال اور صاحبان فضل و ہنر کے لئے کان نمک ثابت ہوا ہے۔ حفیظ کی شہرت و عظمت بھی اسی کان نمک میں دفن ہو کر نمک بن گئی اور آج ہندوستان میں کوئی ان کو نہیں جانتا۔ شمال کے کسی تذکرہ نویس نے ان کا ذکر نہیں لکھا۔ تذکرہ سرور میں تخلص لکھ کر صرف شاعر دکن لکھ دیا ہے لہ بس۔ ان کا دیوان بھی اب تک نہیں چھپا۔ حیدر آباد میں ان کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ اور وہ اپنی زندگی میں شہرت و عظمت کے انتہائی مدارج تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے ان کے دیوان اردو کی نقلیں بعض کتب خانوں میں محفوظ رہ گئیں۔ چنانچہ کتب خانہ آصفیہ میں تین اور کتب خانہ سالار جنگ میں دو دیوان قلمی موجود ہیں۔ شیخ حفیظ اپنے عروج ہی کے زمانہ میں ۱۲۴۷ھ میں فوت اور غالباً دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد اور تلامذہ میں حیدر حسین خاں حیدر (متوفی ۱۲۸۵ھ) میر عباس حسین خاں ششدر (متوفی ۱۳۱۷ھ) اور سید عبداللہ حسینی انسر اور سید اعظم اللہ حسینی اطہر مشہور شاعر گذرے ہیں۔

حفیظ کے دیوان کا زیر نظر مخطوطہ منتخب دیوان ورد کے سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں اکثر مقطعوں میں تخلص حفیظ کی جگہ کاتب نے خالی چھوڑ دی ہے تاکہ بعد میں سرخ روشنائی میں درج ہو۔ لیکن بعض جگہ روانی میں لکھ بھی دیا ہے۔

اس دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حفیظ واقعی بہت بڑے پایہ کے غزل گو تھے۔ اور ان کا دیوان اس قابل ہے کہ اس کو شائع کیا جائے۔ انہوں نے بعض مقطعوں میں اپنے محسن مہاراجہ چندو لال شاداں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں ؎

برنگ غنچہ ہیں دل تنگ اہل زر حفیظ اکثر　　　ہوا اوتار چندو لعل دولت مند لوگوں میں
اے حفیظ ایسے کرم ہیں جناب شاداں　　　ہند میں روم میں کابل میں نہ بنگالے میں

حفیظ اب دور چندو لعل راجہ کا ہے تنگی
کرن کا اور حاتم کا کہیں مذکور مت کیجو

یہ ضخیم دیوان ہے۔ اگرچہ منتخب معلوم ہوتا ہے۔ جملہ ردیفوں میں کلام موجود ہے۔ آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

اٹھتے ہیں ناتوانِ غم اپنی عصائے آہ
چرخ سے کب سنبھل سکا کوئی شکستہ پا گیا

ظلم تراہے اسقدر خلق ہو تو ہو اور لعل
اپنی تو وہ صلاح ہے جس میں کہ ہو بھلا تیرا

آخری شعر یہ ہیں ؎

دماغ آشفتہ ہو دے بلبلوں کا نکہت گل سے
ابھی وہ گلبدن سیر چمن کو گر نکل آوے

پھریں تاراج ہوتی عصمتیں پردہ نشینوں کی
اگر بے برقع گھر سے وہ پری پیکر نکل آوے

۵۰ ورق ۔ ۱۲ سطوری صفحہ ۔ ۹ × ۵½ ۔

۵۹۷ ۔ دیوان شاداں ۔ مہاراجہ چندو لال شاداں ۔ (۱۱۷۵ ۔ ۱۲۶۱) کلام اردو

مہاراجہ چندو لال شاداں کے حالات اور نمونۂ کلام ادارہ کی مرتبہ کتاب مرقع سخن کی جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں۔ ادارے میں ان کی تالیف عشرت کدۂ آفاق نمبر ۳۰۴ پر موجود ہے اور اس کی تفصیلات تذکرۂ جلد دوم صفحہ ۱۴۲ پر چھپ چکی ہیں۔ وہ حیدر آباد کے دیوان، شاعر اور شاعروں کے قدرداں تھے۔ ان کی سخاوت کے چرچے زبان زد خواص و عوام ہیں۔

زیر نظر مخطوط ان کے دیوان کا ابتدائی حصہ ہے جو ان کے درباری ملک الشعرا شیخ حفیظ کے دیوان کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ یہ خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں درج ہیں۔ اس میں صرف ردیف الف کی غزلیں شامل ہیں اور ہر غزل کی ابتدا میں اس کی بحر لکھی گئی ہے۔ ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

مثال ماہ پردہ سے اگر دلدار ہو پیدا
زمین و آسماں سے روشنی اک بار ہو پیدا

اگر غواص ساحل پر رہے تو ہاتھ کیا آئے
ہزاروں کھائے غوطے جب در شہوار ہو پیدا

آخری اشعار یہ ہیں ؎

چشم بینا ہو جسے وہ ہی تماشا دیکھے
باغباں باغ میں ہر رنگ سے سنبل کترا

اپنی شوخی سے کبھو شوخ نہ چوکا زنہار
دلم الفت کا بچھا کر تیشا ناٹل کترا

چونکہ یہ مخطوط ناقص الآخر دستیاب ہوا ہے اس لیے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ تقریباً ۱۲۵۰ھ کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔ کاغذ قدیم ہے اور بہت کرم خوردہ ہو گیا ہے۔ اس جلد کے سب دیوان مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔ اے مدرس گولکنڈہ ہائی اسکول کا عطیہ ہیں۔

۱۰۹ ورق ۔ ۱۱ سطوری صفحہ ۔ ۹ × ۵½ ۔

۵۹۸۔ دیوان سودا۔ (فارسی) مرزا رفیع سودا۔ کلام فارسی

سودا کے اردو دیوان اور منتخب کلام کے کئی مجموعے ادارے میں موجود ہیں اور اسی جلد میں نمبر ۵۲۰، ۵۲۵، ۵۳۵ وغیرہ پر ان کی تفصیل درج ہو چکی ہے۔

اس جلد میں سودا کے فارسی دیوان کے چند اوراق دیوان درد، دیوان حفیظ، اور دیوان شاداں کے ساتھ شامل ہیں۔ ان میں ردیف الف کی ۶ اور ردیف ت کی ۵ غزلیں درج ہیں۔

اوراق۔ ابتدائی اشعار یہ ہیں ؎

جز نمک پاشی بخاطر رہ نمی یابد علاج بر جراحت ہائے تیغ عشق مرہم تا کجا
ہمت نفترم نخواہد شاہی ناپائیدار زیں کہ برخود حباب آسا ببالم تا کجا

آخری شعر یہ ہیں ؎

ماہ زشوق وصل در اثنائے رہ خواہیم مرد
طاقت از بامی رود صبر و قرار از دست رفت
توبہ دیشب کردم و امروزے از جوشش غم
آں قدر خوردم کہ سیر لالہ زار از دست رفت

چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب کا عطیہ ہے۔
۴ ورق۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۹ × ½۵۔

۵۹۹۔ قصاید سودا۔ مرزا رفیع سودا۔ کلام اردو

سودا کے فارسی دیوان کا ذکر ابھی مخطوطہ نمبر ۵۹۸ پر گذر چکا ہے۔ زیر نظر مخطوطہ میں سودا کے اردو قصائد درج ہیں جو رواں نستعلیق خط میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے ؎

۱۔ ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی۔	۴۸ شعر
۲۔ چہرۂ مہروش ہے ایک سنبل مشک فام دو۔	۲۹ شعر
۳۔ بستان واندہ رو یسدہ ایک بار گرہ۔	۴۱ شعر
۴۔ سنگ کو اتنے لئے کرتا ہے پانی آسماں۔	۱۲۹ شعر
۵۔ بار و مہتاب و گل و شمع بہم چاروں ایک۔	۳۵ شعر
۶۔ اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل۔	۱۴۹ شعر
۷۔ زخمی ہیں ترا اور گلستاں ہے برابر۔	۵۳ شعر

۸۔ سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت وستار۔ ۹۵ شعر
۹۔ ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک۔ ۱۰۰ شعر
۱۰۔ اگر عدم سے نہ ہمراہ ساتھ فکر روزی کا۔ ۱۰۲ شعر
۱۱۔ مستغنی ذاتی نہ ہوس کے ہوں تسخیر (ناقص الآخر) ۶۳ شعر
۱۲۔ روشن ترے جمال سے ہو چشم مومناں (ناقص الاول) ۴۲ شعر
۱۳۔ جوں غنچہ آسماں نے مجھے بہر عرض حال۔ ۶۹ شعر
۱۴۔ کھے ہمیشہ تری تیغ کار کفر تباہ۔ ۲۵ شعر
۱۵۔ کہے ہے کاتب دوراں سے منشیٔ تقدیر۔ ۵۲ شعر
۱۶۔ فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک۔ ۱۱۹ شعر
۱۷۔ برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار۔ ۱۲۳ شعر
۱۸۔ ہجوش کا ہو دل تو رہے دہر سے تنگ۔ ۴۵ شعر
۱۹۔ ہے سخن سنج یک جوان متیں۔ ۵۰ شعر
۲۰۔ تاثیر گردش آج کواکب کی صبح کو۔ ۱۲۶ شعر
۲۱۔ جب کہے مورد تحسین میں اکثر اشعار۔ ۵۵ شعر
۲۲۔ اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے۔ ۹۵ شعر
۲۳۔ سنا ہے میں یہ کسی نے بہ مدعائے فساد۔ ۵۸ شعر
۲۴۔ ساجدا کیوں نہ وہ پرواز کرے تا بہ فلک۔ ۳۱ شعر
۲۵۔ کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی۔ ۳۶ شعر
۲۶۔ ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار۔ ۸۰ شعر
۲۷۔ ہے اشتہار مجھ سے مرا اے فلک جناب۔ ۲۹ شعر
۲۸۔ مرغ معنی کے اگر صید پہ اپنا ہو خیال۔ ۵۸ شعر
۲۹۔ خوں مرے دل میں نہیں تشنہ ہے گو تیرا ناز۔ ۶۷ شعر
۳۰۔ میں گوہر سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ۔ ۴۰ شعر
۳۱۔ اشجار کا بستان جہاں کے ہے عجب ڈھنگ۔ ۴۴ شعر
۳۲۔ آیا عمل میں تیغ سے تیرے وہ کارزار۔ ۵۳ شعر
۳۳۔ احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر۔ ۱۵ شعر
۳۴۔ علم ظنی ہے طبابت تو یہ سن رکھ ہمدم۔ ۲۸ شعر

۳۵۔ ترے سایہ تلے ہو تو وہ بہشت۔ ۲۵ شعر
۳۶۔ گر فلک اب یہ مہرباں ہووے۔ ۵۸ شعر
۳۷۔ سودا یہ جب جنوں نے کیا خواب و خور حرام۔ ۴۵ شعر
۳۸۔ کیا قلم کو رقم سے ہے منظور۔ ۳۹ شعر
۳۹۔ صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرہ عام۔ ۶۵ شعر
۴۰۔ عزیز عقل کو سودا کی تھی جدائی شاق۔ ۲۴ شعر

یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ غالباً مہاراجہ چندو لال کے لئے اس کی نقل کی گئی تھی۔ کتابت ۱۲۵۰ھ کے قریب ہوئی ہے۔ ان قصاید کے آگے سودا کی ۴ فارسی غزلیں بھی درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ نمبر ۵۹۰ میں جو فارسی کلام ہے وہ اسی سے مسلسل ہے۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب کا عطیہ ہے۔

ورق ۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ "۸½ × "۵½ ۔

۶۰۰۔ دیوان کمال۔ شاہ کمال الدین۔ متوفی ۱۲۲۴ھ۔ کلام اردو

سید شاہ کمال الدین ولد سید جمال الدین شاہ نور (بیجا پور) کے رہنے والے تھے۔ بعد کو کڑپہ اور کرنول میں مقیم ہوئے۔ ۱۱۸۶ھ میں ارکاٹ کا سفر کیا اور خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ سے استفادہ کیا۔ یہ اپنے بڑے بھائی شاہ میر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ولی اور خواجہ میر درد کے رنگ میں لکھتے ہیں۔ صوفی شاعر تھے اور تصوف ان کے کلام پر حاوی ہے۔ ۱۲۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ اور گوریم کنڈہ ضلع کڑپہ میں دفن ہوئے۔ اردو دیوان "مخزن عرفاں" کے علاوہ فارسی دیوان اور کلمات کمالیہ اور کمال المعرفت منظوم وغیرہ متعدد تصانیف موجود ہیں۔ ان سے متعلق سخاوت مرزا صاحب کا ایک مضمون رسالہ اردو بابت اپریل ۱۹۳۹ء میں شایع ہوا ہے۔

دیوان شاہ کمال کا زیر نظر مخطوطہ بہت قدیم ہے اور غالباً دو تین کاتبوں نے مختلف اوقات میں اس کو مکمل کیا ہے۔ ورق ۵۰ تک نہایت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد بالکل رواں شکستہ لکھا ہے۔ ورق ۵۱ سے کسی تیسرے کاتب نے جلی قلم میں لکھنا شروع کیا ہے اور ورق ۵۹ سے پھر کسی اور کاتب نے لکھا ہے۔ ایک جگہ "شمشیر خاں محب اللہ شاہ بخاری ابن سید فضل اللہ بخاری غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ" لکھا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک حصہ کے کاتب یہ تھے۔

یہ دیوان مکمل ہے اور اس میں جملہ ردیفیں شریک ہیں۔ حاشیہ پر بعض صفحات میں فارسی غزلیں بھی درج ہیں۔ ابتدا میں غالباً ایک ورق کم ہے۔ یہ اس غزل سے شروع ہوتا ہے جس کا مقطع ہے ؎

منت وصل حق کا پایا ذوق — قال ہشیر سے کمال گدا

اس دیوان کا اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے ؎

شکر خدا کہ حضرتِ شہ میر کو دیا — ہر شیخ سے سلوک و معارف میں فائق

باوصف غیر خلق کو حق جان لے کمال — کر دفع اپنے دل سے خیالات ما بقی

اس کے بعد دوسرے صفحہ سے ایک مثنوی حضرت شہ میر کی مدح میں لکھی ہے۔ پھر ۹ فارسی غزلیں اور چند اردو غزلیں اور کچھ متفرق شعر اور عبارتیں اور تعویذ شامل ہیں۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۸۸ ورق۔ کیس ۱۹ اور کیس ۱۷ اشعر فی صفحہ۔

۶۰۱۔ غزالان الہند۔ غلام علی آزاد بلگرامی۔ ۱۱۷۸ھ۔ صنائع وبدائع ہندی بزبان فارسی

غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ھ۔ ۱۲۰۰ھ) اورنگ آباد کے مشاہیر اساتذۂ سخن اور مصنفین میں سے ہیں۔ ان کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:-

(۱) ید بیضا (فارسی شعرا کا تذکرہ) سن تصنیف "طبع کلیم ید بیضا نمود" ۱۱۴۸ھ۔ قلمی۔
(۲) مآثر الکرام فی التاریخ بلگرام (ہندوستان کے علماء اور سادات کا تذکرہ، خصوصیت سے بلگرام کے سادات اور علماء کا ذکر) سن تصنیف ختامہ مسک (۱۱۶۶ھ) مطبوعہ۔
(۳) سرو آزاد۔ (ہندوستان کے متاخر شعرا اور بلگرام کے شعرا کا ذکر) ۱۱۶۶ھ۔ مطبوعہ۔
(۴) خزانۂ عامرہ (فارسی شعرا کا تذکرہ) ۱۱۷۶ھ۔ مطبوعہ۔
(۵) روضۃ الاولیا (خلد آباد شریف کے اولیا کا تذکرہ) تصنیف ۱۱۶۱ھ۔ مطبوعہ۔
(۶) انیس المحققین (بلگرام کے پیر طریقت حضرت سید لطف اللہ المعروف بہ شاہ لدھا کے حالات زندگی) قلمی۔
(۷) سند السادات فی حسن خاتمۃ السادات۔ قلمی۔
(۸) شجرۂ طیبہ (سادات واسطی بلگرام کا نسب نامہ) قلمی۔
(۹) شرح قطعہ ہجو شادی کامگار خاں۔ قلمی۔
(۱۰) غزالان الہند۔ سن تصنیف ۱۱۷۸ھ۔
(۱۱) مجموعہ میر غلام علی آزاد۔ قلمی۔

(۱۲) کشکول - میر غلام علی آزاد - قلمی -

(۱۳) دیوان آزاد بلگرامی -

(۱۴) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (عربی) مطبوعہ -

زیر نظر کتاب غزالان الہند کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے ۱۱۷۷ھ میں ارادہ کیا کہ ایک کتاب ہندستان کے بارے میں تالیف کی جائے جس کی فصل اول میں ہندستان بہشت نشان کا ذکر ہو - دوسری فصل میں احوال علمار ہند ہو - تیسری فصل میں صنایع و علم بدیع ہندی درج ہو - اور چوتھی فصل میں فن نائکا بھید لکھا جائے - چنانچہ یہ کتاب لکھی گئی اور اس کا نام سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان رکھا گیا - اس اثناء میں میر عبد القادر مہربان اور لالہ لچھمی نارائن شفیق نے خواہش کی کہ آخری دو فصلوں کو فارسی میں بھی منتقل کیا جائے تاکہ ہندیوں کو فائدہ پہنچے - اس بنا پر ۱۱۷۸ھ میں یہ کتاب لکھی گئی اور اس کا تاریخی نام غزالان الہند رکھا گیا -

اس کتاب کے خاتمہ میں آزاد نے اپنے حالات زندگی بھی مختصر طور پر لکھدئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :-

۲۵ صفر روز یکشنبہ ۱۱۱۶ھ میں بلگرام صوبہ اودھ میں پیدا ہوئے - سلسلۂ نسب زید شہید بن امام زین العابدین تک پہنچتا ہے -

پانچ استادوں میر طفیل محمد - میر عبد الجلیل - میر سید محمد خلف علامہ عبد الجلیل - شیخ محمد حیات اور شیخ عبد الوہاب طنطاوی سے تعلیم پائی - میر سید لطف اللہ بلگرامی سے بیعت کی اور ان سب بزرگوں کے حالات مآثر الکرام اور سرو آزاد میں درج کئے -

تمام عمر میں تین سفر کئے - پہلا سفر شاہجہان آباد کا کیا تاکہ علامہ میر عبد الجلیل سے جو وہاں مقیم تھے تعلیم حاصل کریں - یہ سفر ۱۱۳۴ھ میں میر عظمت اللہ بے خبر بلگرامی کے ساتھ کیا تھا - اور دو سال تک علامہ کی خدمت میں رہ کر بلگرام واپس ہوئے تھے -

دوسرا سفر سیوستان (سندھ) کا ۱۱۴۲ھ میں کیا تھا - شاہجہان آباد، لاہور، ملتان اور اُچ ہوتے ہوئے گئے اور اپنے خالو میر سید محمد کی خدمت میں رہے جو وہاں بادشاہ دہلی کی طرف سے میر بخشی اور وقایع نگاری کی خدمت پر مامور تھے - سید محمد نے آزاد کو ان دونوں خدمتوں کا کام سپرد کر کے اپنے وطن بلگرام کا سفر کیا اور چار سال بعد سیوستان واپس ہوئے - اس کے بعد آزاد وسط سال ۱۱۴۷ھ میں جس راستہ سے سندھ آئے تھے اسی راستہ سے شاہجہان آباد واپس ہوئے - وہاں معلوم ہوا کہ ان کے والد اور دوسرے اعزہ الہ آباد میں مقیم ہیں تو آزاد دلی سے آگرہ جا کر وہاں سے راست الہ آباد پہنچے اور وہاں سے دو وقت اپنے وطن بلگرام ہو آئے -

تیسرا سفر حرمین شریفین کا اس وقت کیا جب الہ آباد سے دوبارہ بلگرام گئے تھے۔ چنانچہ ۱۱۵۰ھ میں حجاز کے لئے روانہ ہوئے اور حج اور زیارتِ مدینہ سے مشرف ہو کر ۱۱۵۲ھ میں دکن آئے اور اورنگ آباد میں قیام پذیر ہو گئے۔ قیام اورنگ آباد کے زمانہ میں دکن کے مختلف شہروں اور علاقوں کا بھی سفر کیا۔

نواب ناصر جنگ شہید اور صلابت جنگ اور آصفجاہ ثانی نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور دکن کے اکثر امراء اور عمائد ان کے قدردان، معتقد اور شاگرد تھے۔ آخر کار ۱۲۰۰ھ اورنگ آبادہی میں وفات پائی اور دولت آباد میں مدفون ہوئے۔ اورنگ آباد کے جملہ تذکروں میں ان کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اورنگ آباد کی علمی دنیا کے وہی روح رواں تھے۔

غزالان الہند کا یہ مخطوط غالباً اورنگ آباد ہی میں آزاد کی وفات کے ۲۵ سال بعد بہت ہی خوش خط نقل کیا گیا ہے۔ کاغذ دولت آبادی نہایت دبیز استعمال کیا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر سرخ و کبود روشنائی میں جدولیں کھینچی گئی ہیں۔ عمدہ نستعلیق خط میں قلمبند ہوا ہے۔ عنوانات اور ترقیمہ سرخ روشنائی میں درج ہیں۔

ابتداء اس عبارت سے ہوتی ہے :-

"سر آمد محسناتِ کلام ستایشِ صانع کہ خلوت کدۂ تنزیہ را وجود او نواخت و نگار خانۂ تشبیہ را نزول او مزین ساخت۔"

آخری عبارت یہ ہے :-

"اکنوں در دارالامن اورنگ آباد گوشہ گیرم و از خاک آستان فقر سرمہ کش دیدۂ ضمیر عمرِ تنگ مایہ بشصت و سہ کشیدہ و آفتاب زندگی بلب بام رسیدہ۔ حق تعالیٰ خاتمہ بخیر گرداند۔ و پروانۂ بے بال و پر را بشعلۂ دیدار رساند۔"

ترقیمہ یہ ہے :-

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب از دست محمد حسن بتاریخ چہارم شہر رمضان المعظم شنبہ ۱۲۲۵ ہجری باتمام رسید۔"

۶۴ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ - ۸ × ۵ -

۶۰۲ - قصۂ جمجمہ ترجمہ عطار - فیض محمدؔ - قریب سنہ ۱۲۰۰ھ -   مثنوی اُردو

یہ ایک ناقص الاول مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ ۴۳ ابیات ہیں - اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے جمجمہ کو زندہ کیا اور اس نے زندہ ہو کر عیسوی مذہب اختیار کیا اور دین داری میں زندگی گذار دی -

اس مثنوی کے آخری حصہ میں اس کے مصنف فیض محمدؔ نے جو غالباً کوئی ارکاٹ شاعر معلوم ہوتے ہیں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے عطار کی فارسی مثنوی سے دکھنی میں ترجمہ کیا ہے - اس حصہ کی ابیات یہاں درج کی جاتی ہیں جن سے اس مثنوی کی زبان و اسلوب بیان کا بھی اندازہ ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ کن ابیات پر ختم ہوتی ہے ؎

فارسی نسخہ ہوا عطار سے   عطر پروردہ کیا ہے ہر کسے
فارسی نیں جانتے ہیں مرد و زن   کاں سمجھ سکتے ہیں اسرار سخن
اس لئے میں نے کیا دکھنی زباں   تا یہ سمجھیں ناقصان و جاہلاں
اب دعا کر اس کے حق میں کتریں   جن کیا تیار اسخن کرسی نشیں
یا الٰہی مقصدیں اس کی برار   از طفیل خواجہ کان و چار یار
نام اوس کا اس منے سن نا شہور   فیض سے پر ہے محمد کا ظہور
اس لئے نسخہ ہوا طیار یو   آفریں سن کے کہے استاد تو

اس نسخے میں یہ مثنوی ان ابیات سے شروع ہوتی ہے ؎

کئی ہزاراں بار چلتے ہوں کتے   جب میں نکلوں سیر کوں سب ساتھ تھے
کئی ہزاراں اُشتراں کے تھے قطار   رات دن حاضر کھڑے تھے زیب دار
مطبخی نعمت پکاوے صبح و شام   دیوے مسکیناں کوں محتاجاں طعام

اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے - کاتب نہایت غلط نویس اور بدخط ہے - اور اس نے مسلسل تین رسالے نقل کئے ہیں - چنانچہ اس کے بعد ہی پندنامۂ خاتون جنت نقل کیا ہے جو قدیم نثر اُردو میں ہے -

۳ ورق - ۸ اسطور فی صفحہ ۹″ × ۵½″ -

۶۰۳- پند نامہ، بی بی فاطمہ - مصنف نامعلوم - قریب سنہ ۱۲۰۰ھ - نثر اردو

قدیم اردو نثر میں یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے ۔ جس میں آنحضرت سرورِ کائنات اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ علیہا السلام کو شوہر کی اطاعت و خوشنودی کے بارے میں نصیحتیں فرماتے ہیں۔ یہ غالباً ارکاٹ کے کسی مصنف نے لکھا ہے ۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

"حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا نزدیک باپ اپنے آکر کہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تئیں خبر کرو مرد کے تئیں اپنے کس طرح کا ادب و خدمت کرنا۔"

آخری عبارت یہ ہے :-

"فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی سے کچھ کہی۔ الغرض اس بات سے خفا ہوئے ہیں۔ تب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی خفا ہو گئے۔"

اس کا کاتب بہت بدخط اور کم علم ہے ۔ اکثر لفظ غلط لکھے ہیں اور املا بھی غلط ہے ۔ بغیر کسی ترتیب کے اس نے اس کے بعد ہی بلی اور چوہے کی مثنوی لکھنی شروع کر دی ہے ۔

۲ ورق - ۱۸ اسطور فی صفحہ - ۹ × ۵½ -

۶۰۴- چوہے بلی کا قصہ از غلام حسین - نتھر نگر - قریب سنہ ۱۲۰۰ھ - مثنوی اردو

رسالہ پند نامہ ہی کے کاتب نے اسی کے سلسلہ میں یہ دکنی اردو مثنوی بھی نقل کی ہے ۔ موش و گربہ نام کی ایک مثنوی کے کئی نسخے نواب سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہیں۔ لیکن یہ مثنوی اس سے بالکل جدا ہے اور نتھر نگر (ترچناپلی) میں لکھی گئی ہے ۔

اس کا مصنف کوئی اچھا شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس نے قوت متخیلہ سے کام لے کر ایک نشہ میں مست چوہے کی ترنگوں، اس کے ساتھیوں کی پریشانی، گھونس سے مشورے اور بلی کی گفتگو اور چالاکی کو بڑے دلچسپ اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے ۔ آخری ابیات میں اپنا نام اور مقام بھی لکھ دیا ہے ۔

اس مثنوی کی ابتدا ان ابیات سے ہوتی ہے :-

حکایت ہکوں ایک ایسی بھی ہیں سنے پر سو ہوئے خوشی دل کے تئیں
چوہے اور بلی کا ہکوں ایک قصہ کہ جو کوئی سنے پر سو ہوئے حصہ

آخری ابیات یہ ہیں :-

یہ مسلہ دنیا میں گئے مکل بلی چوہے سات سو کھا کے حج کو چلی

کہ بابا نتھر کا ہے جو یک نگر ۔۔۔ اوسی جا بنایا ہے قصہ منگر
کیا غلام حسین نے یہ قصہ تمام ۔۔۔ اچھو بگ میں ثابت او پیارا کلام
یہ قصہ چوہے اور بلی کا جو ہے ۔۔۔ شروع کر اسے قصہ کیا ہے تمام
میں تمت کیا ہوں مبارک گھڑی ۔۔۔ بمبئی میں عطرے گھڑی مشتری

آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت نہیں لکھا۔ خط معمولی اور املا غلط ہے۔ اس میں تقریباً ۲۰۰ ابیات ہیں۔

۶ ورق۔ ۱۸ سطور فی صفحہ۔ "۹ × "۵ ۱/۲۔

۶۰۵۔ شرح میر شمس الدین۔ حافظ میر شمس الدین محمد فیض سنہ ۱۲۵۳ھ۔ عروض فارسی

شمس الدین فیض (۱۱۹۵ھ۔ ۱۲۰۳ھ) کی پانچ اردو و فارسی قلمی کتابیں، چشمۂ فیض ۱۲۳۰ھ۔ شرح الفیض ۱۲۴۹ھ۔ شرح میر شمس الدین ۱۲۵۳ھ۔ فیض جاری ۱۲۵۶ھ اور اعمالِ معما ۱۲۵۶ھ ادارے میں موجود ہیں اور ان کے لیے دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطہ نمبر ۵۳۰۔

زیر نظر کتاب کا ایک اور نسخہ ادارے میں نمبر ۵۳ پر موجود ہے۔ وہ ۱۲۵۶ھ کا مکتوبہ ہے اور یہ مخطوطہ اس سے دو سال قبل ۱۲۵۴ھ میں نہایت خوش خط اور صحیح نقل ہوا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں درج ہیں۔

فیض حیدرآباد کے بڑے استادِ سخن اور اردو کے بڑے ادیب محقق اور شاعر تھے۔ اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولوی ولی محمدؐ کی فرمایش پر یہ رسالہ علم عروض و قوافی و صنایع کے موضوع پر ۱۲۵۳ھ میں قلمبند کیا تھا۔ اپنے فرزند کے نام ضیاء الدین محمد کی مناسبت سے اس کے ابواب کو انہوں نے ضیا سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ اس میں تین ضیا اور ایک فیض یعنے چار باب ہیں۔ ضیائے اول میں تعریف شعر، ضیائے دوم میں قافیہ، ضیائے سوم میں صنایع اور فیض (یعنے باب چہارم) میں جدول اور دائرہ نوبہی سے بحث کی ہے۔

اس رسالہ کے کاتب نے اپنا نام ترقیمہ میں نہیں لکھا لیکن جس احتیاط اور اہتمام سے نقل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے اپنے لیے نقل کرایا تھا۔ ابتدا میں چار صفحات میں فہرست مضامین درج ہے۔ اور اس کے بعد رسالہ شروع کیا ہے۔

ترقیمہ یہ ہے :-

"رسالہ مسمی بشرح میر شمس الدین در عروض و قوافی و صنایع و بدایع تصنیف حافظ محمد شمس الدین صاحب المتخلص بفیض بتاریخ سلخ ذیحجہ الحرام سنہ ۱۲۵۴ ہجری۔

از تحریر باتمام رسید۔"

۴۵ ورق۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۵ × ۸½۔

۶۰۶۔ تاریخ چار پیر و چہاردہ خانوادہ۔ عاشق دکنی قریب ۱۰۱۲ھ۔ مثنوی اُردو

عاشق کی ایک دکنی مثنوی کا ذکر مخطوطہ نمبر ۵۰۰ کے بیان میں کیا جا چکا ہے اور وہاں لکھا گیا تھا کہ وہ شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) کے قریبی زمانہ کے صوفی شاعر تھے۔ اس بیان کا ثبوت زیر نظر مثنوی کے مطالعہ سے فراہم ہوگیا۔ اور عاشق کی نسبت بھی مزید معلومات اس کے مطالعہ سے حاصل ہوئیں۔ اس میں حمد و نعت کے بعد عاشق نے اپنے پیر کی منقبت اس طرح لکھی ہے۔

در منقبت پیر (شاہ صبغۃ اللہ)

کہا منقبت پیر کا بالضرور	محمد کا دستا ہے او عین نور
جسے ناؤں ہے صبغۃ اللہ کر	مریداں سمجتے ہیں اس اللہ کر
محمد کوں ہم پیر سوں پائے ہیں	کدیں حق ہو ہمنا کو دکھلائے ہیں
خلیفے محمد کے روشن ضمیر	دو بے شک دسے صبغۃ اللہ پیر
نہ یہوں کو کوئی چوں پتیں پہری	او اس واسطے چوں ہو کر آئے ہیں
او سایہ مریداں پو قایم اچھو	خصوصاً میرے پر تو دایم اچھو

مجد الدین شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ (۹۵۲ھ۔ ۱۰۱۵ھ) شاہ روح اللہ حسینی کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز کی نواسی اور شاہ کمال صوفی حسینی کی صاحبزادی تھیں۔ بھروچ میں پیدا ہوئے۔ احمد آباد میں شاہ وجیہ الدین علوی سے تعلیم پائی۔ اور بیعت کی۔ گجرات کے ایک وزیر چنگیز خاں کی دختر سے شادی کی۔ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں سے ۱۰۰۰ھ میں بیجاپور آکر قیام پذیر ہوئے۔ ابراہیم عادل شاہ معتقد تھا اور بیجاپور کے اکثر امرا اور صاحبان علم و فضل مرید ہوگئے۔ انہی میں زیر نظر مثنوی کے مصنف عاشق بھی شامل تھے اور جیساکہ مندرجہ بالا ابیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے مرشد کے قیام بیجاپور کے زمانہ ہی میں یہ مثنوی لکھی گئی۔

شاہ صبغۃ اللہ آخری زمانہ میں یعنے ۱۰۱۲ھ میں پھر مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے حالات زندگی اور خرق عادات ان کے ایک خلیفہ شاہ حبیب اللہ کے مرید عبد الفتاح نے مناقب حبیب اللہی میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ اور عبد الجبار خاں

ملکاپوری نے غالباً اسی سے اپنی کتاب تذکرہ اولیائے دکن کی جلد اول (صفحات ۲۶۴ - ۲۷۰) میں ان کا ذکر لکھا ہے۔
شاہ صبغۃ اللہ کے ایک خلیفہ حسن فراقی بھی تھے جن کا کوئی کلام ابھی تک نہیں ملا ہے۔
عاشق اس دور کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کو زبان اور بیان پر اچھی قدرت تھی۔ زیر نظر مثنوی میں تقریباً ۲۷۰ ابیات ہیں۔ اور بہت ہی عمدہ ترتیب کے ساتھ اس کو قلمبند کیا ہے۔ چونکہ یہ مثنوی کسی اور کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوئی ہے اور اس میں بجائے فقہ یا مذہبی معلومات کے تاریخی حالات لکھے گئے ہیں۔ اس لئے اس کے عنوانات یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔
حمد۔ نعت۔ منقبت پیر۔ مناجات۔ احوال چہار پیر۔ احوال زیدیاں۔ احوال چشتیاں۔ احوال ہبیریاں۔ احوال ادھمیاں۔ احوال عباسیاں۔ احوال جبیباں۔ احوال طیفوریاں۔ احوال کرخیاں۔ احوال سقطیاں۔ احوال جنیدیاں۔ احوال زودنیاں۔ احوال طوسیاں۔ احوال فردوسیاں سلسلۂ دیگراں۔ سلسلۂ قادریہ۔ قصیدہ مدح حضرت شاہ صبغۃ اللہ۔
ان تمام عنوانات کے تحت مفید تاریخی معلومات عمدہ طریقے پر منظوم کئے ہیں۔ ضرورت شعری کے تحت الفاظ کو مسخ نہیں کیا۔ اس کی ابتدا حمد کی ان ابیات سے ہوتی ہے:۔

خدا کا ہریک حمد ہریک ثنا ۔۔۔ گرہنار ہے سب بڑا ہور نھنا
ہریک شے بھی تسبیح سوں مشغول ہے ۔۔۔ نہ کوئی چیز رب تے کدیں بھول ہے
خدا سارے عالم کوں پیدا کیا ۔۔۔ خلافت ولے آدمی کوں دیا
خلافت کا انسان ہے مستحق ۔۔۔ اپڑتا ہے حقدار کوں آکے حق

اس مثنوی کا اختتام ان ابیات پر ہوتا ہے:۔

لعل ہے خدا کا ہور آخر کوں پیر ۔۔۔ یہی بول کر کہیں روشن ضمیر
اول مدح حق کا کیا ہوں عیاں ۔۔۔ پچھیں پیر کا ہے قصیدہ یہاں

اس قصیدے کے پندرہ شعر اس مخطوطے میں درج ہیں اور چونکہ اس دور کے قصاید کم ملتے ہیں اس لئے اس سے بطور نمونہ کچھ زیادہ شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

مدح حضرت شاہ صبغۃ اللہ

اس دور میں نیں ہے ولی کوئی صبغۃ اللہ سار کا ۔۔۔ مرشد مرا کامل ہے او ہور پیر ہے ہنکار کا
اس کوں محمد کی خلافت ہوئی مدینہ میں عطا ۔۔۔ عالی نسب فرزند ہے او حیدر کرار کا

تیرے فقیراں کوں سدا الفقر فخری کا ہے دم | ہر یک ولی خدمت کرے بے بھیس خدمتگار کا
بیعت ترے سوں جو کرے ہور پھر ڈھنڈے ارشاکیا | او راہ سٹے گمراہ ہوا نا آر کا نا پار کا
تیری نگاہ سرسری اکسیر ہے تاثیر کی | جس پر پڑے کنچن ہوا کیا گھر کا ہور کیا بھار کا
جس دل کے گھر میں توں اچھے جم جم وو گھر بستا رہے | جس گھر میں تیرا نئیں گذر لایق ہے او گھر دار کا
تیرے مریداں کی قدر کیا جانتے ہیں عام یو | خاصاں کی صف میں دیکھنا ہر ہر ہے اک اسرار کا
تج اسم اعظم پر اثر پڑتا ہوں میں ہر وقت میں | منج کوں اتیا کچھ کام نئیں کس ذکر ہور اذکار کا
دنیا منے سب ہیں بڑے پن منج نظر میں کائی نئیں | شیراں پہ دھرتا ہوں شرف کتا ہوں اس سے دار کا
ستارو پا یاقوت ہور موتی تو سب مانٹی دسیں | ہیرا تو یوں دستا منجے پتھر ہے جانو گار کا

تج عشق کے میدان میں عاشق کلانا سخت نئیں
منج بچ گریباں چاک ہوں ہور ہوش نئیں دستار کا

اسی زمین میں، بیجاپور ہی کے ایک اور شاعر نصرتی نے علی عادل شاہ ثانی کی بھی مدح لکھی تھی۔ لیکن یہ نقش اول ہونے کے باوجود نصرتی کی ٹکر کا قصیدہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی قصیدے پر یہ مخطوطہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دو صفحے سادہ چھوڑ کر اسی کاتب نے عاشق کی وہ مثنوی نقل کی ہے جس کا ایک مخطوطہ ادارے میں نمبر ۵۰۰ پر بھی موجود ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ پاکیزہ خط ثلث میں نقل کی گئی ہے۔ کتابت بہت قدیم ہے۔

۱۸ صفحات۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۸″×۵″۔

۶۰۷۔ اعتبارات خمسہ۔ عاشق۔ قریب ۱۰۱۲ھ۔ مثنوی اردو

یہ مثنوی بھی عاشق مصنف مخطوطہ نمبر ۶۰۶ ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس کا ایک اور نسخہ ادارے میں نمبر ۵۰۰ پر موجود ہے اور اس کی تفصیلات اسی کے بیان میں درج ہو چکی ہیں۔ اس کے آخر میں بھی کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ اس کا خط نہایت عمدہ ثلث ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ کاغذ بھی قدیم ہے اور کتابت بھی بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کے سلسلہ میں ایک اور شاعر حسن کی مثنوی تاریخ مقبول ادھورا شروع کر دی گئی ہے۔

۴ ورق۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۸″×۵″۔

۶۱۸- مقبول مہجوریہ- تاریخ بزرگاں- حسن صبغۃ اللٰہی- قریب ۱۱۳۰ھ- مثنوی اردو

مثنوی اعتبارات خمسہ کے پیچھے ہی سے یہ مثنوی شروع کردی گئی ہے اور اس کا آغاز مناجات سے کیا گیا ہے۔ اس میں متعدد صوفیائے کرام کے تاریخی حالات، خصوصیات اور روز و تاریخ و سنہ وفات منظوم کئے گئے ہیں۔

اس تاریخی مثنوی کے مصنف حسنؔ کی نسبت صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ وہ شاہ صبغۃ اللہ ثانی کے مرید تھے۔ یہ شاہ صبغۃ اللہ شاہ زین الدین بیجاپوری کے فرزند تھے جو شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ (دیکھو ذکر مخطوطہ نمبر ۶۰۶) کے برادر زادہ میراں سید محمدؐ مدرس بیجاپوری کے بڑے فرزند تھے۔ اور اپنے دادا سید محمد کے ساتھ مدینہ منورہ گئے تھے۔ اور وہیں ان کی وفات ۱۰۶۵ھ کے بعد ان کے جانشین بنائے گئے تھے۔ ان کے نانا سید شاہ موسیٰ قادری (متوفی ۱۰۷۴ھ) تھے جو بیجاپور کے مشاہیر اولیاء میں شامل ہیں اور بیجاپور کے باہر علی پور دروازے کے پاس دفن ہیں۔

غرض شاہ صبغۃ اللہ زوال بیجاپور کے وقت کے بہت بڑے صوفی اور مرشد تھے اور ان کے اجداد پدری و مادری میں بڑے بڑے علماء اور بزرگان دین گذرے ہیں۔ وہ خود مدینہ منورہ کی کئی بار زیارت کر آئے تھے پہلی بار تو اپنے دادا کے ساتھ گئے تھے اور ایک بار اپنے والد شاہ زین الدین کے ساتھ گئے اور عجب اتفاق کی بات ہے کہ پہلے سفر میں دادا فوت ہوگئے اور دوسرے سفر میں والد بھی اسی راہ میں ۱۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ اس سے قبل ۱۱۱۹ھ میں ان کے چچا شاہ عبدالرحمٰن بھی فوت ہوچکے تھے جن کو ان کے دادا سید محمد مدرس نے سفر مدینہ کے وقت بیجاپور میں اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس طرح شاہ صبغۃ اللہ ہی اس پورے خاندان کے والی و وارث اور سب بزرگوں کے جانشین قرار پائے اور اپنی خاندانی خصوصیات رشد وہدایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا۔ شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ کی طرح ان کے بھی متعدد مرید تھے چنانچہ اس مثنوی کا مصنف بھی ان کا مرید تھا اور اس نے سبب تالیف سے پہلے لکھا ہے کہ ؎

محمدؐ کی تاریخ دکھنی میں لیا　　کرنہار مشہور ہوں جابجا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب سے قبل حسنؔ نے کوئی اور تاریخ جو غالباً سید محمد مدرس کی سوانح عمری ہوگی دکھنی میں لکھی تھی۔ اس کے بعد سبب تالیف کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

میں بالعموم غزلیں لکھتا تھا مگر تاریخ کا چونکہ ذوق ہے اس لئے ایک وقت ایک فارسی تاریخی کتاب میرے ہاتھ میں تھی۔ میرے پیر بھی اس کو دیکھ کر مخطوظ ہوئے اور فرمایا کہ اس کو پڑھنے

کے بعد ایک ایسی ہی کتاب اُردو میں لکھو۔ چنانچہ امتثال امر کے طور پر یہ کتاب منظوم کر رہا ہوں۔
اس عنوان کی چند منتخب ابیات یہ ہیں ؎

مرے ہاتھ اک فارسی تھی کتاب — لکھے تھے تواریخ کے اس میں باب
مرے پیر اک دن اُسے دیکھ کر — پڑے ہور محظوظ ہوئے سر بسر
بلا بھیج بندے کو بولے بڑے — پڑیا پر لے نظم دکھنی کرے
مرے پر سبب بہوت مشکل ہوا — تفکر میں پر دنگ مرا دل ہوا
تفکر مرا دیکھ فرمائے یوں — یہی فکر میں توں پڑیا ہے سو کیوں
ہمیشہ تجے حق مددگار ہے — شروع کر محمد کا کرتار ہے

اس کے بعد پیر کی مدح لکھی ہے اور اصل کتاب تاریخ شروع کر دی ہے۔
کتاب کے آخری حصہ میں اپنا اور کتاب کا نام ان ابیات میں لکھا ہے ؎

رکھیا اس کا مقبول ہجور نام — بزرگاں کا ہے اصل میں یو کلام
بزرگاں کی تاریخ ہے مدعا — پڑے پر حسن کوں کرو سب دعا

سن تصنیف نہیں لکھا۔

اس مثنوی میں آنحضرت، خلفائے راشدین، اہل بیت کرام، ائمۂ اثنا عشر کے بعد حضرت حمزہ، عباس، اویس قرنی، حسن بصری، حبیب عجمی، امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل، سفیان ثوری، داؤد طائی، شقیق بلخی، فضیل عیاض، معروف کرخی، یحییٰ معاذ، مسلم محدث، ابراہیم ادہم، بایزید بسطامی، منصور حلاج، جنید بغدادی، شیخ شبلی، ابو سعید ابوالخیر، حسن خرقانی، عبداللہ انصاری، غزالی، غوث اعظم، عطار، نجم الدین کبریٰ، شہاب الدین سہروردی، معین الدین چشتی، محی الدین عربی، بختیار کاکی، شمس تبریز، بہاء الدین ذکریا، فرید الدین گنج شکر، حمید الدین ناگوری، مولانائے روم، سعدی، نظام الدین اولیا اور ان کے بعد کے بزرگوں کے حالات اور تاریخ وفات اور مدفن کا ذکر لکھا ہے۔ بعض بزرگوں کی تاریخیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن کا ذکر دکن کی کتابوں میں اکثر آتا ہے۔

مخدوم جہاں گشت	تاریخ وفات	۱۲ ذی الحجہ سنہ ۸۰۱ھ
مولانا مغربی		۱۰ رجب سنہ ۸۰۶ھ
محمد حسینی گیسو دراز		۱۶ ذیقعدہ سنہ ۸۱۰ھ
شاہ نعمت اللہ ولی		۲۵ رجب سنہ ۸۳۴ھ

قاسم انوار	تاریخ وفات	۸۳۸ھ
شاہ بدیع الدین مدار	۱۸ جمادی الاول	۸۶۰ھ
عبداللہ احرار	۲۹ صفر	۸۹۰ھ
مولانا جامی	۲۹ ربیع الآخر	۹۲۵ھ
شاہ عالم محبوب عالم گجراتی	۲۰ جمادی الآخر	۸۷۹ھ
شاہ وجیہہ الدین گجراتی		۱۰۰۱ھ
شاہ ابوالحق دہلوی (عبدالحق)		۱۰۰۱ھ
شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ	۱۹ جمادی الاول	۱۰۱۵ھ
سید محمد مدرس بیجاپوری	۱۲ شوال	۱۰۸۵ھ
شاہ زین الدین قادری بیجاپوری	۲۲ صفر	۱۱۲۴ھ
سید عبدالرحمن قادری محقق	۱۰ ربیع الآخر	۱۱۱۹ھ
سید کریم محمد قادری	۲۴ جمادی الآخر	۱۱۱۰ھ
شاہ موسیٰ قادری بیجاپوری	۱۴ جمادی الآخر	۱۰۷۴ھ
شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری	۱۲ جمادی الآخر	۱۲۱۹ھ

اس تاریخی مثنوی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

الٰہی ہمیشہ ہمرا یار ہو　　کٹھن وقت پر آمددگار ہو
ترے باج بھی کوئی نیں ہے بجے　　مرے سار کے کئی ہیں بندے تجے
میری طبع روشن کر اے ذوالمنن　　جو بولوں کسی وقت موزوں بچن
منجے علم کا کچھ تو مایہ نہیں　　سخن بولنے کا تو پایہ نہیں

آخری ابیات یہ ہیں ؎

نہ کوئی اس منے کم زیادہ کرو　　لکھیا ہوں سو آتا چہ ہر کوئی پڑو
پڑے پر خطا کوئی کاڑو نکو　　اپے بول کر کچھ بگاڑو نکو
بزرگاں کی تاریخ ہے مدعا　　پڑے پر حسن کوں کرو سب دعا
موے پر پڑو فاتحہ کو نام　　بحق محمد علیہ السّلام

اس اہم تاریخی مثنوی میں تقریباً ۰۰، ابیات ہیں۔ اور اس کے کسی اور نسخے کا اب تک کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلا۔ اس کے اور اس سے پہلے کی مثنویوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح شاہ میراں جی، شاہ جانم اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے سلسلۂ مریدین نے

بیجاپور میں اُردو کی خدمت کی۔ اسی طرح شاہ حبیب اللہ اوّل و دوم کے مریدوں نے بھی اُردو میں بہت کام کیا۔

اِس مخطوطے میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ خط ثلث میں سنہ ۱۱۵۰ھ کے قریبی زمانہ میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں اور بہت صحیح لکھا گیا ہے۔

۴۴ صفحات۔ فی صفحہ ۱۶ سطور۔ "۸ × "۵۔

۶۰۹۔ گلشن عشق۔ ملا نصرتی بیجاپوری۔ سنہ ۱۰۶۸ھ۔ مثنوی اُردو۔

اس کتاب کا ایک اور نسخہ اِدارے میں ۵۶۵ پر موجود ہے اور اس کا اور اس کے مصنف کا ذکر اسی کتاب کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔

گلشن عشق کا زیر نظر نسخہ مکمل ہے اور سنہ ۱۱۹۸ھ میں بہ مقام قلعہ کلیانی نقل کیا گیا ہے اس میں چار ہزار سے زیادہ ابیات ہیں۔ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں درج ہیں۔ درمیان میں جگہ جگہ خط ثلث میں بھی بعض ورق لکھے ہوئے ہیں۔ ابتدا اس قصیدہ کے ان اشعار سے ہوتی ہے جو بطور عنوان ہر نئی فصل کے اُوپر درج کیے گئے ہیں ؎

ثنا صانع کی ہے جن ہو کتاب عشق کا بانی ... دیا ہے حسن کوں خلقت کی ہر یک جز یہ عنوانی
رکھیا ہوں نام گلشن عشق اس رنگین قصے کا ... کرے جس چھب کے پھولاں کی فلک شوقوں سوں گردانی
صفت اس کی قدرت کی اول سراؤں ... دھریا جس نے یو گلشن عشق ناؤں
کیا کرکم عشق کا نقش اجمال ... یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال

آخری ابیات یہ ہیں ؎

لکھیا ہوں جو یو قصہ خوش دھات سوں ... علی شاہ عادل کے رے ناؤں سوں
تلک جگ میں مقبول اچھو یو مدام ... بحق محمد علیہ السّلام

ترقیمہ سے قبل کاتب نے غالباً نصرتی ہی کی یہ رباعی لکھی ہے ؎

بے گل ہے نزاکت کا اس بن میں ... یک رنگ کا پیالہ ہے اس پن میں
ہر طبع معطر سیں رنگین نظر ... جن سیر کرے عشق کے اس گلشن میں

ترقیمہ یہ ہے ؎

"تمام شد بتاریخ بست و پنجم جمادی الاول سنہ ۱۱۹۸ ہجری، بروز جمعہ بوقت استوی از دست شیخ نصیر الدین بقصبۂ کلیانی، لنہ و کرہ۔"

ورق ۱۲۷۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔ "۸ × "۹۔

۶۱۰ - جوہر عشق - ملک محمود جوہر - سنہ ۱۲۴۲ھ - مثنوی اُردو -

ملک محمود جوہر (ولادت سنہ ۱۱۹۴ھ) ولد قاضی عیدروس ولد قاضی احمد ثانی قاضی بیگن پلی حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی کے شاگرد تھے۔ نواب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ آصفجاہ ثالث کے عہد میں حیدرآباد میں مقیم تھے۔ لیکن ان کا ذکر حیدرآباد کی تاریخوں اور تذکروں میں ہمیں نظر سے نہیں گذرا۔ حسن اتفاق سے خود انہوں نے اپنے خاندانی حالات اس مثنوی میں بعنوان "کیفیت آباو اجداد خود" کے تحت لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

ملک محمود جوہر تخلص عرب قوم نوایت میں حضرت جعفر طیار کی اولاد سے تھے۔ ان کے جد امجد مُلا احمد علی عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور آئے۔ ان کی اولاد میں ملا سعید اور ملا یحییٰ اور فاضل خاں وزیر مشہور گذرے ہیں۔ زوال بیجاپور کے وقت فاضل خاں وزیر کبیر تھے اور اورنگ زیب عالمگیر ان کو بھی بیجاپور کے دیگر عمایدکی طرح اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ چنانچہ وہ اثنائے سفر میں ہی وفات پاگئے۔ ان کے فرزند ملا احمد کو اورنگ زیب نے کرنول کا قاضی بناکر روانہ کیا۔ ان کے دو فرزند تھے۔ غلام علی اور محمود۔ غلام علی اور ان کی اولاد تو کرنول ہی میں مقیم ہوگئے لیکن بڑے فرزند ملا محمود بیگن پلی چلے گئے اور ان کے فرزند قاضی احمد بیگن پلی کی مسند قضاءت اور انعام سے سرفراز ہوئے۔ ان کے فرزند صبغۃ اللہ اپنے باپ کی جگہ قاضی بنے۔ ان کے فرزند قاضی عیدروس ملک محمود جوہر کے والد تھے۔ چنانچہ جوہر کے بڑے بھائی بیگن پلی کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں ریاست بیگن پلی کے نوابوں مرزا محمد، فضل علی، حسین علی خاں، منصور الدولہ، احمد علی خاں کی تعریف لکھی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جوہر کے خاندان کے قدرداں اور مربی تھے۔ خود جوہر کے سرپرست شہیار الملک تھے۔ جو اس وقت نواب بیگن پلی تھے۔ ان کو افسوس ہے کہ وطن چھوڑ کر حیدرآباد آنا پڑا۔ نواب احمد علی خاں کی مدد سے وہ حیدرآباد سے بہرہ ور ہوئے اور یہاں کے شاعروں کے فیض صحبت سے شعر و سخن کی طرف دل مایل ہوا اور آخر کار یہ مثنوی لکھی۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ ان کے آل و اولاد تھی اور بھائی بند حیدرآباد، کرنول اور بیگن پلی میں موجود تھے۔

جوہر عشق کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا ہے۔ ان عنوانات کے بعد نواب سکندر جاہ کی توصیف لکھی ہے جس کی منتخب ابیات یہ ہیں ؎

توصیف نواب سکندر جا

کرو دل کیوں نہ وصف رئیس دکن   کہ گوہر شرف کا ہے دُر عدن

چراغ علو خانۂ نقشبند | دُرِ تاج شاہانِ نقشبند
جہاں میں ہے مشہور اس کا خطاب | نظام علی خاں سکندر نواب
سخاوت کی اس کی کروں کیا بیاں | کہ ہے کامیاب اس سے سارا جہاں
غرض ہے سخی بن سخی بن سخی | جہاں میں نہیں کوئی اس بن سخی
شجاعت میں ایسا ہے وہ بے نظیر | کہ مردوں کی صف میں ہے شیر دلیر
وطن اس کا فرخندہ بنیاد ہے | جو مشہور اب حیدر آباد ہے
خدایا بحق علی ولی | سلامت رہے دولتِ ہمنی

بادشاہ کی مدح کے بعد اپنے استاد حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی کی تعریف کی ہے جو اس زمانہ میں حیدر آباد آکر ماہ لقا بائی چندا کی ڈیوڑھی میں مقیم تھے۔ اس کی چند ابیات یہ ہیں:

قصیدہ میں عرفی غزل میں غنی

صلاح سخن ہے انہیں درد ہے | وہ نو مجمل جن کی ہر فرد ہے
وہ حافظ ہیں اور تاج الدین ان کا نام | تخلص ہے مشتاق مشہور عام
وہ باشندہ دہلی کے مدت سے ہیں | غرض آلِ ختم نبوت سے ہیں

جوہر عشق ایک بہت طویل مثنوی ہے۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار ابیات ہیں۔ غالباً اتنی طویل مثنوی حیدر آباد میں جوہر کے بعد کسی شاعر نے نہیں لکھی۔ اس مثنوی میں ملک مغرب کے ایک بادشاہ کا حال لکھا ہے جس کا نام شاہ عالم تھا اور جس کے کروفر، شہر کی رونق اور خدم وحشم کی خوبیاں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اس کے چار وزیر ہوش مند، فرزانہ، سخن اور میر تھے۔ اس کے دو توام فرزند تھے۔ جن کے نام کام دار اور نام دار تھے۔ ان لڑکوں کی صورت وسیرت کی تفصیلات بہت طویل لکھی ہیں۔ دونوں ایک ہی صورت اور طبیعت کے تھے۔ ان کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اتنا شکار کرتے تھے کہ شہر کے چھوٹے بڑے سب ہی مچھلی کھاتے تھے۔ بادشاہ ان کو اس شکار سے منع کرتا تھا اور پرندوں کے شکار کی طرف رغبت دلاتا تھا۔ (اس جگہ اس مثنوی کے تقریباً ۳۰ ورق یعنے ۵۰۰ شعر غائب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جلد بندی کے وقت یہ اوراق تلف ہو گئے)۔

اس کے بعد کے صفحات میں شہزادہ کامدار کا ذکر جاری ہے جو ہر فن میں ماہر اور علم میں کامل تھا اور جو اجنبی اس کے شہر میں آتا اس سے نئے نئے ملکوں اور شہروں کے قصے پوچھتا تھا۔ ایک وقت ایک اجنبی تشریف لایا۔ جو ملک مشرق کے ایک شہر گلزار کا باشندہ تھا۔ اس نے اپنے وطن کی خصوصیات شہزادے سے بیان کیں اور اپنے وطن کے بادشاہ کی

لڑکی وردانہ کی تعریف شروع کی اور اوس کا سراپا بڑی خوبی سے پیش کیا اور اس وقت تک شاعروں نے جن حسینوں مثلاً مدمالتی، من ہرن، چندر بدن، گوہر، بدر منیر، ماہ رخ، شیریں ماہ لقا، زہرہ جبیں وغیرہ کے قصے لکھے تھے۔ ان سب سے موازنہ کیا ہے۔ ان ناموں کے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوہر نے یہ سب قصے پڑھے یا سنے تھے۔ اس کے بعد اس اجنبی نے شہزادی وردانہ کے خانہ باغ کی توصیف کی اور بتایا کہ وہ اس کا استاد تھا اور سب علم اس کو پڑھائے تھے۔

ایک نئے عنوان (ورق ۲۰) کے تحت ملا شریف خود اپنی سرگذشت اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک فقیر میرے یہاں آیا۔ جس کو دستِ غیب کا عمل معلوم تھا۔ ملا نے یہ عمل اس سے سیکھا اور پڑھنے لگا۔ لیکن اس میں خلل آگیا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش و حواس ہوگیا۔ اور جنگل میں پھرتا رہا۔ آخر کار اس بادشاہ مغرب کے ملک میں آکر اس کے حضور میں پہنچا۔ شہزادہ کامگار شہر گلزار کی شہزادی وردانہ کی تعریف سن کر اس کا دیوانہ ہوگیا اور بادشاہ اور اہل ملک بڑے فکرمند ہوئے۔ آخر ملا سے اس شہر کا پتہ پوچھ کر وہاں قاصد روانہ کیے اور آخر کار بڑے طول طویل واقعات اور حادثات کے بعد شہزادہ کامگار کی شہزادی وردانہ سے شادی ہوگئی اور چونکہ وردانہ کے والد کو کوئی لڑکا نہ تھا اس لیے آخر وقت میں اس نے اپنی بیٹی اور داماد کو بلاکر شاہ مشرق بنانا چاہا لیکن بادشاہ مغرب نے کہا کہ کامگار اور وردانہ تو ملک مغرب کی بادشاہت کریں گے اس لیے دوسرا لڑکا نامدار ملک مشرق کا بادشاہ بناکر روانہ کیا گیا۔ وردانہ کے والد اور والدہ ماہ بانو بیگم اسی کے ساتھ ملک مغرب میں رہنے لگے۔

جوہر نے یہ دلچسپ قصہ سادہ اور دلچسپ انداز میں بہت روانی کے ساتھ لکھا ہے۔ اس کو زبان پر عبور تھا اس نے شاعرانہ نزاکتوں سے جگہ جگہ کام لیا ہے۔ اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

جو مصحف میں الحمد و اخلاص ہے ۔۔۔ ترا حمد تو نے کہا خاص ہے
اوسے بھی سمجھنے نہ طاقت مجھے ۔۔۔ کہ جیسا ہے ویسا ہے بولوں تجھے
غرض جانتا ہوں کہ خالق ہے تو ۔۔۔ دو عالم کا بخشندہ رازق ہے تو

آخری ابیات یہ ہیں جن میں نام اور سنہ تصنیف بھی درج ہے ؎

وہ القصہ جوہر یہ نقشہ ہوا ۔۔۔ بفضل پیمبر یہ قصہ ہوا
خدا دیوے سب کی بھی ایسی مراد ۔۔۔ کہ بر لایا ان کی ہے جیسی مراد
جو یہ سال ہجری ہے اے دوستو ۔۔۔ ہزار و دو صد اور چہل پر بیاد

بفضلِ خدا و رسولِ کرام ۔ کہ اس کا ہوا جوہرِ عشق نام
الٰہی جہاں میں یہ مشہور ہو ۔ مرا نام نیکی سے مذکور ہو
مرا تحفہ جس کے ہو خاطر پسند ۔ خدایا تو کر اوس کے طالع بلند
اب آگے مرا وِرد ہے صبح و شام ۔ یہ جوہر جو سعدی کا ہے خوش کلام

اس سلسلہ میں سعدی کے تین شعر لکھے ہیں۔

چونکہ اس مثنوی کا کوئی اور نسخہ اب تک نہیں ملا اس لئے اس کے قصہ کا مجمل خلاصہ بھی لکھدیا گیا ہے۔ اس کو تین چار کاتبوں نے منشی مظہر علی، غلام محمد، غلام حیدر اور وینکٹ راؤ متصدی نے یکے بعد دیگرے نقل کیا ہے۔ چنانچہ ان ۲۲۷ اوراق میں جگہ جگہ قلم اور خط بدلا ہوا ہے۔ سب نے نستعلیق خط اور ایک ہی قسم کی روشنائی استعمال کی ہے۔ عنوانات سرخی میں ہیں۔ کاغذ انگریزی ہے۔ ۸ رجمادی الثانی سنہ ۱۲۹۰ھ میں کتابت شروع کی۔ اور دس دن میں یعنے ۱۸ رجمادی الثانی تک یہ ۵۴۴ صفحات لکھ ڈالی۔ معلوم نہ ہوا کہ اتنی عجلت کیوں تھی۔ ترقیمہ فارسی میں بہت طویل لکھا ہے جس کے چند منتخب جملے یہ ہیں:۔

"الحمد للّٰہ والمنہ کہ این کتاب مسرت انتساب موسوم بہ جوہر عشق من تصنیف مقبول بارگاہ خداوند جن و بشر امنی ملک محمود جوہر کہ مضامین بہجت قرینش .... بخواہش تملم و سرعت مالا کلام بتاریخ ہشتم ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۹۰ ہجری روز شنبہ وقت عصر شروع گشتہ تحریر آں بہ مقدمہ ہمون شہر مدال ، و تصحیح او در چہار روز یعنے بہ بست دیکم بہ کیف دلکم بحسن انصرام و احسن اختتام رسیدہ ۔ بید صداقت مند ازلی منشی بے نظیر خوشنویس دلپذیر منشی محمد مظہر علی ۔ و صاحب اخلاق ، نیکو سیر ، غلام محمد و غلام حیدر ۔ و ذی ذکاوت تیز زبان وینکٹ راؤ متصدی لساں رزہتم اللہ تعالٰے عماً نافعاً و شوقاً کاملاً و حفظاً بالغاً ۔ تمت تمام شد"

عجیب بات یہ ہے کہ کاتبوں کے نام القاب اور توصیف کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انہوں نے یہ ترقیمہ نہیں لکھا بلکہ ممکن ہے مالک کتاب نے لکھا ہو۔ کیونکہ ترقیمہ کا خط اور قلم بھی اصل کتاب سے جدا ہے۔

یہ مخطوطہ مولوی محمد احمد اللہ خاں بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ مدرس مدرسہ ہائی اسکول گولکنڈہ کا عطیہ ہے۔

۲۲۷ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ ۔ ۱/۲ ۷" × ۱/۲ ۵"

۶۱۱۔ قصہ ابو شحمہ۔ مصنف نامعلوم۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔ قصیدہ اردو

ابو شحمہ کا قصہ دکن کے ایک شاعر امین نے ۱۰۹۰ھ میں بشکل مثنوی لکھا تھا جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (فہرست بلوم ہارٹ نمبر ۱۰۷)

زیر نظر قصہ قصیدہ کی شکل میں ہے اور اس کو کسی غیر معروف شاعر نے منظوم کیا ہے اس کی تفصیلات تذکرۂ مخطوطات جلد اول میں صفحات ۲۴۰ و ۲۴۱ پر شائع ہو چکی ہیں۔ چونکہ وہ جلد اب کم یاب ہو گئی ہے اس لئے اس قصیدے کا ابتدائی اور آخری شعر یہاں درج کیا جاتا ہے

آغاز۔ وصف رب الحمد للہ بولتا ہوں ابتدا　　شوق سوں اپنے دیکھو روشن کیا ہر دو سرا

اختتام۔ سن تما کرختم نظم (؟) فاتحہ پڑ دل سے　　لاویں گے شحمہ نے بی سب دل کھے ملا

یہ کتاب راقم الحروف کی پرنانی حضرت قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانہ کی ہے اور اس کو ان کے بھانجے سید عبد الغفار صاحب نے ۱۳۰۰ھ کے قریبی زمانہ میں نقل کیا ہے۔ موصوفہ کے کتب خانہ کی دوسری کتابوں کی طرح اس کو بھی میں نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔ معمولی خط نستعلیق میں لکھی گئی ہے۔

ورق ۸۔ سطور ۱۰ فی صفحہ۔ ۶ × ۴½"۔

۶۱۲۔ رسالۂ احوال قیامت۔ مصنف نامعلوم۔ قبل ۱۱۰۰ھ۔ نثر اردو

یہ قدیم دکنی نثر میں ایک رسالہ ہے جس میں قیامت کی علامتیں اور تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں بھی اسی موضوع پر ایک قیامت نامہ اردو نثر میں موجود ہے لیکن وہ بہت بعد کی تحریر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کی زبان اس کے مقابلہ میں زیادہ سلیس اور آسان ہے۔

یہ رسالہ ناقص الطرفین ہے۔ اس میں قیامت کے آثار و الائم اور تفصیلات سے متعلق ابن سلام کے سوالات اور آنحضرت سرور کائنات کے جوابات درج ہیں۔ مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ اس مخطوطہ کی ابتداء اس عبارت سے ہوتی ہے :۔

"بھیجیا تھا ہور پیغمبراں بھیجیا ہور بہشت دوزخ سوں خبر دیا تھا۔ ہور لکر ہور فضل میرے سوں تمہارے کوں خبر دیا تھا۔ ہور پیغمبراں تمنا کوں نیکی پلو باٹ دکھلاتے تھے۔ ہور فرماتے تھے کہ جو کوئی کہ بد کرے جاگا دوزخ میں

ہوئے ہور ہے کوئی کہ نیکی کرے جاگا اس کی بہشت ہووے گا۔"

آخری عبارت یہ ہے :-

"رب العزۃ سوں جبرئیل کو حکم آوے کہ اس چار چیز کوں روضۂ خلاصۂ موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے جاوے اور پنہاوے۔ پیچھے جبرئیل حسکم باری تعالیٰ سوں آوے گا زمین صاف ہموار۔"

اس مخطوطہ کا کاغذ نہایت قدیم اور خط نسخ ہے۔ روشنائی بہت عمدہ ہے۔ عنوانات اور قرآنی آیات پر خطوط سرخ روشنائی میں کھینچے گئے ہیں۔ ہر صفحہ کے اطراف سرخ جدولیں ہیں۔ خاص اہتمام اور صحت کے ساتھ عمدہ لکھا گیا ہے۔

۱۶ صفحات۔ ۱۰ اسطور فی صفحہ۔ ۸" × ۴½"۔

۶۱۲۔ اصول التواریخ از حافظ غلام محمود۔ ۱۱۳۷ھ۔

اس ضخیم کتاب میں تاریخ گوئی کے لیے حافظ غلام محمود نے ایک سے ۱۱۳۰ تک الفاظ اور ترکیبوں سے جو اعداد بنتے ہیں اُن کو جمع کر دیا ہے۔ اس قسم کی اور کتابیں گلبن تاریخ وغیرہ بھی چھپ چکی ہیں۔

اس کتاب کے مرتب اور سنہ کتابت وغیرہ کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ خط نستعلیق میں صاف پاک بڑی محنت سے نقل کی گئی ہے۔ اعداد سرخ روشنائی میں درج ہیں۔ کاتب نے کوئی ترقیمہ نہیں لکھا۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

"۱۔ ا، ۲۔ ب، ۳۔ آب۔ اب۔ با۔ پا، ۴۔ آبا۔ ابا۔ آپا۔ آج، ۵۔ باپ۔ بپا۔ جب۔ باب۔ جا۔ دا۔ اد۔ آجا۔"

آخری عبارت یہ ہے :-

"۱۱۳۰۔ دریاے افضال۔ ماہ رمضان۔ تسبیح خواں۔ خصومات۔ باغبان طبع۔ گلدستہ خوابی۔ گستاخانہ۔ افاغنہ۔"

۱۰۶ ورق۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۹" × ۶"۔

۶۱۴۔ رازق باری۔ سید محمد والہ موسوی۔ قریب سنہ ۱۱۵۰ھ۔ نعت اردو و فارسی

سید محمد والہ موسوی کے حالات اور تصنیفات کا ذکر اسی جلد کے صفحات ۹۱ تا ۹۷ پر مخطوطۂ طالب و موہنی کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔ ان کی یہ مثنوی سنہ ۱۲۹۰ھ میں مدراس کے مطبع مظہر العجائب سے شایع ہوئی تھی مگر اب ناپید ہو گئی ہے۔ یہ خالق باری کے طرز میں لکھی گئی ہے اور عرصہ تک مقبول رہی۔ شرفا کے گھروں اور مکتبوں کے نصاب تعلیم میں شریک تھی۔ چنانچہ زیر نظر نسخہ نواب مشرف جنگ فیاض شاگرد نیض کے فرزند نواب عزیز الدین خاں عزیز یار جنگ عزیز شاگرد عصر و داغ نے اپنے زمانۂ طفولیت میں تقریباً سنہ ۱۳۰۰ھ میں نقل کیا ہے۔

اس مثنوی کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

رازق باری حق ہے جان — اوس کا نور نبی پہچان
فہم و خرد ہے دونو عقل — افسانہ کیا ہے کہانی نقل
اولاد آل اور یار اصحاب — قرآن بھیجا حق نے کتاب
رائے فراست دانش گیان — خیال تصور دونوں دھیان

آخری ابیات ؎

پہننا کیا پوشیدن بوجھو — پینے کو نوشیدن بوجھو
چاٹنا کیا ہے لیسیدن — ملنا کیا ہے مالیدن
افشردن اے یار نچوڑنا — پریدن فارسی ہے اڑنا
جس نے پایا ذہن معانی — رازق باری اس کو کافی

ان ابیات کے بعد تمت تمام شد لکھ کر ایک فارسی عبارت لکھی ہے جس میں واضح کیا ہے کہ کس قسم کے عربی و فارسی الفاظ کے ہندی ترجمے اس میں لکھے گئے ہیں۔

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ صرف رقیمہ محمد عزیز الدین لکھا ہے۔ اور اس صفحہ پر کئی جگہ طرح طرح سے اس نام کے دستخط کر دیئے گئے ہیں۔ پہلے ورق پر ایک مستطیل دھندلی سی مہر ہے جس پر محمد عزیز الدین خاں کندہ ہے۔ یہ کاتب عزیز الدین خاں بعد کو عزیز یار جنگ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ ان کے حالات زندگی ادارے کی مرتبہ کتاب مرقع سخن جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں اور ان کا انتخاب کلام راقم الحروف نے متاع سخن میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شایع کیا ہے۔

۱۴ ورق۔ ۱۲ سطور فی صفحہ۔ ۶½ × ۴½۔

۶۱۵- رسالۂ فقہ و عقائد - از محمد اسمٰعیل عاصی - قریب سنہ ۱۲۵۰ھ - مثنوی اردو

یہ دو سو پچیس ابیات کی ایک اردو مثنوی ہے جس میں حمد و نعت کے بعد ایک غیر معروف شاعر محمد اسمٰعیل نے "در بیان سبب بنانے کتاب کے" عنوان میں لکھا ہے کہ عربی اور فارسی میں عقائد اور فقہ کے مسائل موجود ہیں لیکن اُمّی مرد اور عورتیں ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے ؎

میں اوس کے واسطے کرسی کامل — لکھیا دکھنی میں مجمل کر مسائل
کیا ہوں مختصر اس واسطے میں — کہ تا سب مرد و زن حاصل کریں ہیں
رسالہ ہے فقہ کا نام اُس کو — لکھیا سٹکے بہوت عمدہ کتب سو
میرا ہے نام اسمٰعیل عاصی — خدایا بخشنا میرے معاصی

مصنف نے اپنا نام خاتمۂ کتاب سے قبل بھی لکھا ہے اور وہاں بھی اسمٰعیل کے ساتھ عاصی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں ؎

دو صد پچیس بیتاں ہیں سراسر — کیا ہوں مختصر ہور بہوت نادر
میں اسمٰعیل عاصی اور گدا ہوں — حقیر عالم و فقرالہدیٰ ہوں
مجھے ماں باپ کے سایہ میں خوش رکھ — شفقت اور محبت اون سے خوش رکھ
الٰہی بخشوں اور مادر پدر کوں — مرے استاد اور مرشد کے گھر کوں
دنیا میں علم و ایمان واماں دے — ترے دیدار اور جنت وہاں دے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کی تحریر کے وقت اسمٰعیل عاصی کے ماں باپ اور استاد و مرشد بھی زندہ تھے۔ افسوس ہے کہ سنہ و مقام تحریر منظوم نہیں کیا۔ یہ مثنوی مکمل ہے۔ ابتدائی تین ابیات کے آخری مصرعے تلف ہو گئے ہیں۔ پہلے مصرعے یہ ہیں ؎

الٰہی خالق ارض و سماتوں — ....
رکھا ہر ایک کے تئیں ہر کام میں توں — دیا انسان کوں........
جتے ہیں جھاڑ اور کوہاں زمیاں — چرندے اور پرندے......
ترے فرمان طاعت میں ہیں دایم — ولے انسان نیں طاعت پو قایم

آخری ابیات یہ ہیں ؎

پڑے کوئی اس رسالے کو بدل جاں — میری بخشش کیتیں کرنا دعایاں
تمام ہوئی یہ کتاب فضل خدا سے — بحق مصطفےٰ اور مرتضیٰ سے
رہے رحمت خدا کی مصطفےٰ پر — اور اس کی آل اور یاراں صفا پر

الٰہی اپنے افضال وکرم سوں — مصنف اور راقم قاریاں کوں
علم ایمان دولت اور اماں دے — ترے دیدار اور جنت مکاں دے

اس کے بعد تمام شد لکھ کر کاتب نے تین فارسی شعر لکھے ہیں اور آخر میں تمت تمام کتبہٗ لکھ کر تعویذ کی شکل میں اپنا نام سید علی اِس طرح لکھا ہے:۔

د ۴	ی ۱۰	س ۶۰
ی ۱۰	ل ۳۰	ع ۷۰

اس کے نیچے یکصد و ہشتاد و چہار و یکصد و نود و چہار اس طرح لکھا ہے کہ گویا سنہ کتابت ہے۔ مگر یہ کتاب زبان و اسلوب کے لحاظ سے اتنی قدیم نہیں ہے۔ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ ادارے کے مخطوطہ نمبر ۵،۹ شاہ نامہ محمد حنیف کے کاتب محمد اسمٰعیل عاصی ہی اِس کے مصنف ہیں۔ اس لئے کہ اس کے ترقیمہ میں بھی انہوں نے اپنا نام بندہ عاصی محمد اسمٰعیل لکھا ہے۔ ان کے والد کا نام کریم الدین تھا۔

اس کتاب کے بعد ایک اور مثنوی "مسائل اہل سنت" اسی کاتب نے لکھی ہے۔ جس کا ذکر ۶۱۶ کے تحت درج ہے۔ اس کتاب کے درمیانی تین ورق عقاید اہل سنت (۶۱۶) کے بعد جلد ساز نے لگادیئے ہیں۔ یہ عطیۂ مولوی احمد اللہ خاں صاحب ہے۔

۹ ورق - ۱۶ سطور فی صفحہ - ۴½" × ۵" ۔

۶۱- عقاید اہل سنت - از باقر - قریب سنہ ۱۲۵۰ھ - مثنوی اُردو

رسالہ عقاید و فقہ کے کاتب سید علی نے اسی رسالہ کے سلسلہ میں یہ مثنوی عقاید بھی لکھی ہے۔ اس میں اہل سنت کے عقاید منظوم کئے گئے ہیں۔ حمد سے آغاز کیا ہے اور اس عنوان کی آخری ابیات میں مصنف نے اپنا تخلص بھی استعمال کیا ہے:۔

بہوت اسرار اِس تفصیل میانے — بغیر از عارفاں کوئی نہ پچھانے
کر اس تقریر کو باقر تو موقوف — کہ ہر کس پر نہیں یہ بات مکشوف

اس کے بعد "سبب تصنیف ایں رسالہ" کے عنوان میں لکھا ہے کہ:۔

کتاباں ہیں عقاید بیچ ہر کیں — ولے دکھنی زباں میں کیں دسے نیں
عوام الناس کو اور عورتاں کو — نہیں ہے آشنائی فارسی سو
کیا ہیں بے بدل یہ نسخہ منظوم — کہ تا ہر کس کو ہووے جلد مفہوم

کیا ہوں میں بیاں اس نظم للہ | عقاید اہل سنت کا سراسر
کیا نیں میں کبھی دکھنی میں اشعار | مجھے ہے شعر کہنے سوں بہوت عار
ولے یہ نظم بولا بالضرورت | پڑے تا اس کو ہر امی وعورت

اس سے زیادہ اس مثنوی کے مصنف کی نسبت کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ وہ کوئی باضابطہ شاعر نہیں تھے۔ بلکہ شاعری کو عار سمجھتے تھے۔ تمام بزرگوں کی تعظیم کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں سے

سبوں کی شان میں رکھ تو گماں نیک | سبوں کو اعتقاد پاک سے دیک
نہیں تو ہوئے گا تو دیں سیتیں دور | خوارج ہور روافض ہیچ مشہور

یہ مثنوی ناقص الآخر ہے۔ بحالت موجودہ اس میں ۲۴۰ ابیات ہیں۔ ابتدا اس طرح کی ہے سے

ثنا اور حمد ہے حق کو سزاوار | کہ ہے قدرت کا جس کی سب کو بستار
کیا جب اپنی قدرت کو ہویدا | کیا یک کن سوں سب عالم ہویدا
محمد کو کیا سالار ہستی | طفیل اوس کے ہے سب بالا و پستی
کیا سب انبیا کا اوس کو سرور | شرف اس کو دیا سب خلق اوپر

موجودہ حالت میں ان ابیات پر ختم ہوتی ہے سے

پوچھیگا اس کے پیچھے انبیا سے | بزاں پوچھے گا ساری امتاں سے
کہ میں بھیجا اتھا تم پر رسولاں | سکلانے تم کوں حکم دین و ایماں

چونکہ نامکمل ہے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ خط نستعلیق معمولی ہے۔ عنوانات اہتمام سے سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ سید علی کاتب رسالۂ عقاید وفقہ (نمبر ۶۱۵) ہی نے اس کو بھی نقل کیا ہے۔ یہ رسالہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب مدرس گولکنڈہ ہائی اسکول کا عطیہ ہے۔

۱۰ ورق۔ ۱۷ سطور فی صفحہ۔ ½۷" × ۵"۔

۶۱۷۔ روضۃ الشہدا۔ ولی ویلوری سنہ ۱۱۳۷ھ۔ مثنوی اردو

اس کتاب کے پانچ اور مخطوطے ادارے میں نمبر ۰۔ ۱۴۰۔ ۲۰۲۔ ۲۰۵۔ ۲۰۵ اور ۶۱۸ پر موجود ہیں اور ان کا بیان تذکرۂ مخطوطات جلد اول کے صفحات ۵۹۔ ۵۸۔ ۱۱۳ اور ۱۰۸ پر گذر چکا ہے۔ نسخہ نمبر ۶۱۸ کا بیان اس کے بعد درج ہوگا۔
ولی ویلوری کے بارے میں بھی انہی مخطوطوں کے سلسلہ میں معلومات درج کی جا چکی ہیں

اِس لئے یہاں صرف زیرِ نظر نسخے کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ خط نستعلیق میں لکھا ہے اور بہت کرم خوردہ ہے۔ کاغذ پانی اور دیمک سے متاثر ہوکر بودا ہوگیا ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں لکھے ہیں۔ چونکہ آخری اوراق محفوظ نہیں ہیں اس لئے نام کاتب اور سنہ کتابت کا پتہ نہ چل سکا۔

۲۴۴ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ $8\frac{1}{2}$" x ۶"۔

۶۱۸۔ روضۃ الشہدا۔ ولی ویلوری۔ ۱۱۳۷ھ۔ مثنوی اُردو

اس کتاب کے اور پانچ مخطوطے ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو مخطوطہ نمبر ۶۱۷۔ یہ مخطوطہ بھی ناقص الآخر ہے مگر خاص اہتمام سے عمدہ کاغذ پر خط ثلث میں نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں درج ہیں۔ بہت صحیح اور صاف و پاک لکھا ہے۔ مگر کرم خوردہ اور آب زدہ ہوگیا ہے۔

اس کتاب اور اس کے مصنف کی نسبت تفصیلات جلد اول میں درج ہوچکی ہیں۔

۲۳۱ ورق۔ ۱۲ سطور فی صفحہ۔ ۹" x ۶"۔

۶۱۹۔ تحفۃ النصائح فارسی و اُردو۔ شیخ محمد یوسف و قطب رازی۔ ۷۹۵ھ و ۱۰۴۵ھ۔ قصیدہ فارسی و اردو

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے والد شیخ سید محمد یوسف راجو قتال حسینی نے ۷۹۵ھ میں پند و نصائح پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا ترجمہ قطب الدین رازی نے ۱۰۴۵ھ میں قصیدے ہی کی شکل میں کیا تھا۔ ادارے میں ان دونوں فارسی و اُردو کتابوں کے دو دو نسخے موجود ہیں۔ اور ان کا ذکر تذکرۂ مخطوطات کی پہلی دو جلدوں میں حسب تفصیل ذیل گذر چکا ہے۔

۱۔ تحفۃ النصائح۔ فارسی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۷۔ مخطوطہ نمبر ۲۵۰

۲۔ " " " " ۶۲ " " ۲۹۲

۳۔ " " اُردو۔ جلد اول۔ " ۳۵ " ۱۵۷۰

۴۔ " " " " ۶۵ " " ۵۱۵ ب

زیرِ نظر مخطوطے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ہی جگہ دونوں کتابیں یعنے اصل و ترجمہ نقل کئے گئے ہیں۔ پہلے سُرخ روشنائی میں اصل فارسی تحفہ کا شعر لکھا ہے اور اس کے نیچے سیاہی میں اُردو ترجمہ درج ہے۔ اس سے بعض قدیم دکنی لفظوں کا

کا مطلب اور صحیح ترجمہ بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

اس مخطوطے کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اب تک اُردو قصیدے کے جتنے مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں ان سب میں یہ قدیم ترین ہے اور عادل شاہی و قطب شاہی سلطنتوں کے زوال کے صرف پانچ چھ سال بعد ہی سنہ ۱۱۰۴ھ میں نقل کیا گیا ہے اور شاہ راجو کے ایک معتقد سید محمد خان عشرتی کی ملک رہ چکا ہے۔

اس کے کاتب شاہ متوالی ابن شاہ جمال اللہ پنج غیبی ہیں جو غالباً شاہ راجو ثانی کے مُرید تھے جن کا عالی شان گنبد سلطان ابوالحسن قطب شاہ شہر حیدرآباد کے باہر جانب جنوب بنوا رہا تھا اور جو اب بھی ناتمام حالت میں موجود ہے۔ ابوالحسن تانا شاہ بھی ان کا مرید تھا اور انہی کی دعا اور مدد سے اس کو گولکنڈے کی بادشاہت نصیب ہوئی تھی۔

اس مخطوطے میں تحفۃ النصائح کے فارسی اور اُردو دونوں قصیدے مکمل ہیں۔ خط ثلث میں خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے:-

"مرتب شد تحفۂ دکھنی و فارسی این ہردو بدست شاہ متوالی ابن شاہ جمال اللہ پنج غیبی در ماہ رمضان بتاریخ یازدہم روز پنجشنبہ بوقت ظہر سنہ ۱۱۰۴ھ یکہزار و یکصد و چہار سال مرتب شد"

اس صفحہ کی پیشانی پر ایک مستطیل مہر ثبت ہے جس پر محمد خاں ولد دولت خاں سنہ ۱۲۱۰ھ کندہ ہے۔

اس مخطوطے کے پہلے ورق پر سید محمد خاں عشرتی (دیکھو داستان ادب حیدرآباد ص ۴۹۔ ۵۱) کی ایک اُردو غزل میراں محی الدین قطب ربانی کے عنوان سے انہی کی مدح میں درج ہے۔ عشرتی بھی شاہ راجو ثانی کی درگاہ کے متوسلین میں سے تھے۔ اس سے قبل ایک ورق پر تحفہ کے عنوانات لکھے گئے ہیں اور پہلے ورق کی پیشانی پر ملوکہ نفیس عفی عنہ ۱۲۱۰ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ایک بڑا کتب خانہ تھا۔ ان کے کتب خانہ کی اور خود ان کی مرقومہ کئی کتابیں ادارے میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ ان کا نام رفیع الدین تھا اور وہ سید شاہ رحمت اللہ حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت سید شاہ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قندھاری کے برادر نسبتی تھے۔ خود بھی اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ چنانچہ تذکرۂ منعم (مخطوطہ نمبر ۵۶۴) میں ان کے حالات اور نمونہ کلام شامل ہے۔ اور کتاب مشاہیر قندھار دکن مرتبہ اکبر الدین صاحب صدیقی ایم اے میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ ان کے مزید حالات اس جلد میں ان کی مکتوبہ کتب کے سلسلہ میں درج کئے جائیں گے۔

اس کے ابتدائی اور آخری اوراق پر متعدد تحریریں اردو اور فارسی درج ہیں۔
اصل کتاب کے حاشیوں پر بھی متن کے مضامین اور مسائل کی اردو میں شرح لکھی گئی ہے۔ یہ شرح بجائے خود ایک نثری رسالہ ہے اگر علیحدہ نقل کرالیا جائے۔
ان تمام خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب ادارے کے قابل قدر مخطوطوں میں سے ہے۔
۳۴ ورق۔ ۱۲ سطور فی صفحہ۔ ۱۰ × ۶۔

۶۲۰۔ تحفۃ النصائح فارسی و اردو سید محمد یوسف حسینی و قطب رازی بہ ۹۵۰ھ و ۱۰۲۵ھ قصیدہ فارسی و اردو

کتاب نمبر ۶۱۹ کا ایک اور نسخہ ہے مگر اس سے ۲۳۱ سال بعد قلعہ کلیانی میں نقل کیا گیا ہے اس کی ترتیب بھی ویسی ہی ہے۔ مگر اس کے آخری حصہ میں ایک شعر زیادہ ہے۔ یعنے آخری شعر سے پہلے یہ شعر لکھا ہے ؎

شہ بوالحسن کا بندہ یک کاتب بچارہ معتقد
امید دھر تحفہ لکھیا شافع ہوئیں روز حشر

اس کے بعد آخری بیت درج ہے جس میں سنہ تصنیف ہے ؎

ہجرت سے دس سو سال ہور چالیس پر بھی پانچ تھے
تب یہ مرتب سب ہوا تحفہ سو دکھنی نانو در

نسخہ نمبر ۶۱۹ کی آخری بیت بھی یہی ہے۔ اس کے بعد اس مخطوطے میں ایک طویل ترقیمہ لکھا ہے جو یہ ہے :-

"بحمد للہ تعالےٰ ہٰذالکتاب مسمی تحفۃ النصائح بوجب ارشاد سراسر ارشاد حضرت پیر و مرشد حقیقی قبلہ و کعبۂ تحقیقی ہادی رہ رواں منزل حقیقت پیشوائے سالکان طریق و معرفت افضل عارفاں فخر سالکاں مصدر انوار الہٰہ سید خیر الدین شاہ صاحب عالی مراتب بتاریخ چہار دہم ماہ ذیقعدہ ۱۲۳۰ھ بروز چہارشنبہ بوقت عصر در قلعہ کلیان بخط زشت نمط خود خاکپائے بندگان الٰہی رحیم صاحب باتمام رسید ۔"

اس دور میں مولوی خیر الدین صوفی دکن میں بہت مقبول و محترم تھے۔ حیدرآباد کے اکثر امراء ان کے معتقد تھے۔ ممکن ہے کہ انہی کے نام پر نواب کلیانی نے اپنے ایک فرزند کا نام خیر الدین رکھا تھا جو خود بھی صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے ایک بزرگ خیر الدین صاحب کی درگاہ کلیانی میں مشہور زیارتگاہ ہے۔ مگر ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ اس مخطوطہ کے کاتب

نے غالباً انہی خیرالدین کی فرمایش پر اس کو نقل کیا ہے۔ خیرالدین سورتی تو عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری کے بیان کے مطابق ۱۳۰۰ھ میں وفات پا چکے تھے۔

قلعہ کلیانی، بیدر کے قریب ایک مشہور تاریخی قلعہ ہے جہاں کے نواب بڑے علم دوست تھے اور ان میں سے بعض شاعر بھی گذرے ہیں۔ اسی کلیانی کو وہاں کے کاتب رحیم صاحب نے قلعۂ کلیان لکھا ہے۔

۱۶۰ ورق - ۱۰ سطور فی صفحہ - ۲/۱ ۸ × ۶"۔

۶۲۱- شجرۂ آصفیہ وقایع منظمیہ - بدرالدین خاں تمیز - ۱۲۵۲ھ - تاریخ دکن فارسی

حیدر آباد کے مشہور و علم دوست امیر کبیر فخرالدین خاں شمس الامراء کے فرزند بدرالدین خاں رفعت جنگ منظم الدولہ منظم الملک کو بھی علم و فضل کا ذوق تھا وہ حافظِ قرآن اور شاعر بھی تھے۔ اور استاد الشعراء حافظ میر شمس الدین محمد فیض کے تربیت یافتہ۔ ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے دس سال قبل ۱۲۶۹ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کے حالات مرقع سخن جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں۔ بدرالدین خاں کا تخلص تمیز تھا۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ انہوں نے ان تمام شعرا کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں جو اس زمانہ میں استاد مانے جاتے تھے۔ مثلاً میر، سودا انشاء، کنعیر اور سراج۔ اسی طرح ہمعصروں مثلاً ذوق، شادآں، ہمدم، آفاق، طپش اور ظفر کی غزلوں کے جواب بھی لکھے ہیں۔ ہر غزل میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ مثلاً ایک غزل پر لکھا ہے۔

"در جواب مرزا ابوظفر ولیعہد فرزند کلاں اکبر بادشاہ از دہلی آمدہ"

اس غزل کا مطلع ہے۔

باغ میں کوئی بھی بلبل نہ گل اس رنگ کھلا
اس کے ہنسنے سے مرا غنچۂ دل تنگ کھلا

تمیز کی شاعری کا محور غزلگوئی ہے۔ دیگر اصنافِ سخن مثلاً قصیدہ و رباعی وغیرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ ایک غزل مسلسل مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری کی مدح میں لکھی ہے۔ جو خاندان شمس الامراء کے مرشد تھے اور فخرالدین خاں کی خواہش پر دوبارہ اپنے وطن قندہار شریف سے حیدرآباد آئے تھے۔ ان کے ایک مرید و خلیفہ مولانا حافظ شجاع الدین کی کتابوں کا ذکر اس سے قبل گذر چکا ہے۔

تمیز نے شاہ رفیع الدین کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

جب سے بدرالدین ہوا بندہ رفیع الدین کا
تب سے اس کے اور بھی رتبہ ہوا آئین کا

ہے تصور دل کو اسکی چشم فیض آگین کا
یک نگاہِ لطف سے چمکے ہے عالم فیضیاب

دو جہاں کی بادشاہی ہم کو حاصل ہو گئی … منہ سے نکلا ایک ایسا حرف اک تسکین کا
دین و دنیا کے ہیں مالک پیر و مرشد اے تمیز … حامیٔ روزِ جزا ہے کون اس مسکین کا

اِس دیوان کے علاوہ تمیز کی چند اور کتابیں بھی موجود ہیں جن میں سے ایک "تمیز اللسان" فارسی رسالہ ہے۔ جس کے موضوع اور ترتیب کی نسبت خود انہوں نے اس کے دیباچہ میں لکھا ہے :۔

"اما بعد می گوید ذرۂ کمترین محمد بدرالدین المتخلص بہ تمیز ایں رسالہ مشتمل بر لغات عربی، و فارسی، و ترکی و ھندی است برائے مطالعہ طالبانِ اختلافِ السنہ در حیز تحریر برآوردہ تمیز اللسان نام نہادہ بر یک مقدمہ و ہشت باب و یک خاتمہ ترتیب دادم۔"

تمیز کی دوسری کتاب "وقائع منظمیہ" آصف جاہی تاریخوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ۱۲۵۲ھ میں تکمیل کو پہنچی تھی۔ اس میں خاندانِ آصفیہ کے شجرے نہایت تلاش اور صحت سے درج کیے ہیں اور ساتھ ہی خاص خاص افرادِ خاندان کے مختصر حالاتِ زندگی اور خطابات کی تفصیل اور تاریخیں لکھی ہیں۔ یہ ایک بڑا تاریخی کارنامہ ہے جس میں صحت معلومات کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ اس میں مولف نے اپنے والد فخرالدین خاں، اور بھائی رفیع الدین خاں کے علاوہ میر شمس الدین فیض اور میر عبداللطیف حکیم سے بھی مدد لی ہوگی۔ اس کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں :۔

"در ذکر حسب و نسب مغفرت مآب آصف جاہ اول و اولادش و عشائر و اقارب نواب مذکور بہ سعی بسیار و تلاش بے شمار انچہ کہ بدریافت رسید بہ پاس خاطر مولوی میر حافظ شمس الدین فیض و میر عبداللطیف حکیم پرداختم۔"

بدرالدین خاں نے ایک کتاب "علم عروض" پر بھی لکھی تھی جس میں اقسام شعر کی تشریح اور شاعرانِ عجم کا کلام بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ بعض اردو شاعروں کے کلام کی توضیح بھی نہایت سلیس اردو میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۴۶ھ میں شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانہ میں چھاپی گئی تھی۔

بدرالدین خاں خوش نویس، مصوّر اور خطِ ناخن کے بڑے ماہر بھی تھے۔ چنانچہ ان کے ناخن کے لکھے ہوئے متعدد مرقع موجود ہیں جن میں سے ایک کے اختتام پر فیض کا ایک قطعۂ تاریخ بھی درج ہے جو شاید فیض ہی نے اپنے ناخن سے لکھا ہو۔ وہ لکھتے ہیں :۔

از ناخن خود منظم الملک … آراست چو ہمچنیں مرقع
اے فیض سنش بگفت ہاتف … ناخن بدلم زد ایں مرقع

تمیز کی اس اہم تاریخی کتاب شجرۂ آصفیہ وقائع منظمیہ کا یہ نسخہ تصنیف کے صرف ۱۲ سال بعد خوشخط نستعلیق میں خاص اہتمام سے عمدہ کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :۔

"محمدت حمد و سپاس مر آں نقش بند کائنات راکہ از یک تخم کن نہالِ گلشن فیکون را بہ

ابرِ کرمش تازہ و تر گرداند۔"

اس کی آخری عبارت یہ ہے :۔

"پسر دوازدہمی ہمایوں جاہ مرحوم موسوم میر انور علی خاں۔ از ایشاں یک پسر شد موسوم میر فضل علی در ماہ شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ فوت شد۔"

اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ سرورق پر یہ عربی عبارت لکھی ہے :۔

"ہذا الکتاب المستطاب فی تذکرہ السلاطین الاتقیا مسمی شجرۂ آصفیہ من مولفات شجیع الزماں محمد بدرالدین خاں خلف ذوی التدبیر المخاطب بالا میر کبیر فی ملک البحار مفاتح الزماں ناظم دوراں۔ کتبہ فی ۱۲۶۰ھ"

۵۹ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ ۸½ × ۵½۔

۶۲۲- لذت النساء۔ کوکا پنڈت۔ قبل ۱۲۳۴ھ۔ نثر اردو

کوکا پنڈت کی کتاب کے اردو نظم و نثر میں کئی ترجمے کئے گئے ہیں چنانچہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ایک اردو مثنوی بھوگ بل لکھی گئی تھی جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ کلکتہ میں موجود ہے۔

زیر نظر مخطوطے میں کسی مصنف نے اردو نثر میں کوکا پنڈت کا ترجمہ لکھا ہے لیکن نہ تو مترجم نے اپنا نام لکھا اور نہ کاتب نے۔ اس میں جملہ ۲۲ باب ہیں۔ پہلا باب اس مخطوطہ میں موجود نہیں ہے۔ دوسرے باب سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے :۔

"باب دویم۔ انوں کی مباشرت کے وقتاں جانتے ہیں۔ پدمنی ہمیشہ مباشرت کے واسطے وقت خوش رکھتی ہے۔ لیکن رات کا پچھلا پہر اوس سے لذت بہت پاوے۔ اس کی بگل بو بند سے تغیر نیں ہوتی ہے بلکہ تازہ بو ہوتی ہے جیسا کہ مرد خوش دلی تمام اس تیں پاوے۔"

آخری عبارت یہ ہے :۔

"کوکا پنڈت کہتا ہے کہ اے دوست میرے چیزاں عجب کے بہت جمع کیا ہوں اور پچی نکر اے سرانجام دیوں۔ فواید ذوق حاصل کر کر تحصیل کو پہونچیں اور جکوں سات بات خاتمہ کمہ ادعاویں۔"

ترقیمہ یہ ہے :۔

"ہذا الکتاب لذت النساء من تصنیف کوکا پنڈت مرقوم بست و نہم ماہ رمضان المبارک ۱۲۳۴ھ"

کاغذ اور خط معمولی نستعلیق ہے۔ کاتب کم سواد معلوم ہوتا ہے۔
۲۰ ورق ۔ ۱۴ سطور فی صفحہ ۔ ۸" × ۵½" ۔

۶۲۳- گلشن عشق - ملا نصرتی بیجاپوری۔ مثنوی اُردو

نصرتی بیجاپوری کی مشہور مثنوی گلشن عشق کے کئی قلمی نسخے اِدارے میں موجود ہیں۔ (دیکھو بیان مخطوطہ نمبر ۶۰۹)۔

زیرِ نظر مخطوطہ ناقص الطرفین ہے۔ صرف چند ابتدائی اور آخری ابیات اس میں محفوظ نہیں ہیں۔ نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ حاشیہ کی جدولیں اور عنوانات سُرخ روشنائی میں ہیں۔ اہتمام سے نقل ہوا ہے۔ کاغذ اور سیاہی کے لحاظ سے سنہ ۱۱۵۰ھ کے قریبی زمانہ کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

ان ابیات سے شروع ہوتا ہے ۔

دکھا کر کوں نقش بدیع الجمال — دیا مصر کے شاہزادے کوں مال
کدہی پاڑ عذرا کوں وامق سے دور — ڈبایا چلا چک تے ابخواں کے پور

آخری ابیات یہ ہیں ۔

جلک غرواتِ حسن مطلع دکھائے — جلک سلخ مقطع کی خوبی بتائے
جلک دن یہن بیت کے نامدار — دھرے ہر دو مصرع میں صنعت ہزار
جلک نس کر نہار ایسے وافیہ — چندر سور او منتخب قافیہ

یہ نسخہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی اے بی ایڈ کا عطیہ ہے۔
۱۳۶ ورق ۔ ۱۸ سطور فی صفحہ ۔ ۷" × ۵½" ۔

۶۲۴- پنچھی باچھا - حکیم ہدایت اللہ وجدی۔ سنہ ۱۱۴۶ھ مثنوی اُردو

وجدی کی اس پنچھی باچھا کے اور ۶ مخطوطے اِدارے میں محفوظ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو بیان مخطوطہ نمبر ۵۲۶۔

یہ مخطوطہ مکمل ہے لیکن آخری ترقیمہ کا ورق غائب ہے۔ معمولی خط نستعلیق میں کتابت کیگئی ہے۔ عنوانات اور جدولیں سُرخ روشنائی میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وجدی کی وفات کے بعد کسی قریبی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اس کے سرورق پر خط ثلث میں لکھا ہے :-

"ہذا کتاب پنچھی باچھا من تصنیف حکیم ہدایت اللہ مرحوم"

اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ۔

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر — حمد سوں حق کے بلند آواز کر
شوق سوں ایسا اُچا یک یہ صحبا — بے رہے ترلوک کا عالم لوبجا

آخری ابیات یہ ہیں ۔

عارفاں کے پاس او استاد ہے — طالباں کے حق منے ارشاد ہے
فکر سوں جن کوئی کرے اس میں نظر — مقصد دینی سوں ہوئے بہرہ ور

یہ نسخہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب کا عطیہ ہے ۔
۱۴۴ ورق ۔ ۱۵ سطور فی صفحہ ۔ ۸ × ۵½ ۔

۶۲۵۔ تذکرۂ شعرا ۔ شیخ محمد علی حزیں سنہ ۱۱۶۵ھ ۔ — تذکرہ فارسی

شیخ محمد المشتہر علی الجیلانی حزیں اصفہان میں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے تھے اور آخر زمانہ میں ہندوستان آئے اور یہ تذکرہ یہیں مرتب کیا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔

"تسوید ایں اوراق در اواخر سال ہزار دیک صد و شصت و پنج ہجری در وقتے کہ بخت غنودہ در بنگستان ہند تیرہ روزی ست اتفاق افتادہ ۔"

اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ معاصرین کا تذکرہ ہے اس لیے اپنا سنہ ولادت بلکھتا ہوں ۔ اس میں ۱۱۲ شعرا کا ذکر ہے اور چونکہ ان میں سے بعضوں سے ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے صرف اشعار اور اشاروں پر اکتفا کیا ہے ۔ اس تذکرہ کو دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے ۔
۱۔ فرقہ اولے در ذکر علمائے اعلام ۲۔ فرقہ ثانیہ در بیان سایر انام و از دوستان کرام ۔
اگرچہ اس تذکرہ کے اکثر علما و شعرا ایران سے تعلق رکھتے ہیں لیکن متعدد ایسے ہیں جو ہندوستان آئے تھے اور بعضوں نے اردو میں بھی شعر کہے ہیں ۔ فرقہ علما میں پہلے ہی شخص صدرالدین سید علی خاں عبد اللہ قطب شاہ کے داماد نظام الدین احمد دشتکی کے فرزند ہیں اور حیدرآباد میں برسوں رہ چکے ہیں ۔ اس تذکرہ کے علما و شعرا کی اجمالی فہرست حسب ذیل ہے ۔

فرقہ اول ۔ علمائے معاصر

۱۔ السید الکبیر و الفاضل التحریر صدرالدین السید علی خاں بن السید نظام الدین احمد الحسینی ۔
۲۔ استاد العلما اسوۃ الحرفی مولانا شاہ محمد الشیرازی علیہ الرحمہ ۔
۳۔ الفاضل المتقی الصانی الشیخ ابراہیم بن الشیخ عباد اللہ الزاہدی الجیلانی ۔

۴۔ الفاضل العارف مظہر الواطف الشیخ خلیل اللہ الطالقانی۔

۵۔ المولیٰ الہمام خبیر الانام خلف ملا مراد تفرشی۔

۶۔ السید الجلیل قوام الدین محمدؐ السیفی الحسینی القزوینی۔

۷۔ المولی الادیب الفصیح محمدؐ مسیح رحمہ اللہ۔

۸۔ الفاضل الکامل کمال الدین حسین۔

۹۔ جامع الفضایل المیرزا علی خاں علیہ الرحمہ۔

۱۰۔ السید العالم العامل زین الافاضل السید مرتضیٰ العاملی۔

۱۱۔ الفاضل الاوحد المولیٰ محمدؐ علی السکاکی الشیرازی۔

۱۲۔ المؤید بالفیض الربانی المیرزا ہاشم الہمدانی۔

۱۳۔ ذوالمناقب والمفاخر المیرزا باقر طاب مثواہ۔

۱۴۔ العارف باللہ المولیٰ حبیب اللہ طاب ثراہ ساکن عباس آباد اصفہان۔

۱۵۔ الادیب المتادب بآداب المبادی المولیٰ محمدؐ ہادی۔

۱۶۔ السید المسمی سید قاسم یزدجردی۔

۱۷۔ القاضی الفاضل مجد الدین الداوُنی۔

۱۸۔ العالم التحریر القاضی نظام الدین الخوانساری۔

۱۹۔ المولیٰ صدر الدین الجیلانی۔

فرقۂ ثانیہ۔ شعرائے معاصر

۱۔ وحید الزماں میرزا محمدؐ طاہر وحید۔

۲۔ میرزا داؤد خلف مرزا عبداللہ۔

۳۔ میرزا مستوفی موقوفات خلف میرزا محمدؐ شفیع

۴۔ میرزا محمدؐ امین ازل۔

۵۔ میرزا ابراہیم برادر میرزا نجف خاں صدر

۶۔ میرزا اشرف خلف مرحوم میرزا عبدالحبیب

۷۔ میرزا غیاث الدین محمدؐ برادر زادہ میرزا اشرف

۸۔ میرزا ابوالحسن تمنا۔

۹۔ میرزا معز فطرت مشہدی۔

۱۰۔ ملا حاجی محمدؐ گیلانی۔

۱۱۔ میر نجات مرحوم۔

۱۲۔ شوکت بخارائی۔

۱۳۔ ملا محمدؐ سعید اشرف۔

۱۴۔ میرزا محسن تاثیر۔

۱۵۔ شفیعا اثر شیرازی۔

۱۶۔ مخلصا کاشی۔

۱۷۔ نورالدین محمدؐ نجیبا کاشی۔

۱۸۔ میرزا بدیع اصفہانی۔

۱۹۔ میرزا حسن غیور۔
۲۰۔ لطف علی بیگ۔
۲۱۔ افراسیاب خاں۔
۲۲۔ مومن خاں حاکم لار۔
۲۳۔ حکیم محمد تقی شیرازی۔
۲۴۔ حکیم محمد رضا عزت یزد جردی۔
۲۵۔ حکیم شاہ معصوم لاری۔
۲۶۔ حاجی محمد صادق صمامت اصفہانی۔
۲۷۔ میر عبد النبی تعزشی۔
۲۸۔ میرزا مہدی علی مشہدی۔
۲۹۔ میرزا ابو المعالی مشہدی۔
۳۰۔ سید عبد اللہ حالی۔
۳۱۔ میر معصوم امیل۔
۳۲۔ میرزا سید رضا۔
۳۳۔ میرزا ابوطالب جناب۔
۳۴۔ میرزا زاہد علی سخا۔
۳۵۔ میرزا نصیر خراسانی نصرت۔
۳۶۔ شاکرا طہرانی۔
۳۷۔ نورس دماوندی۔
۳۸۔ زایرا شوستری۔
۳۹۔ میرزا محمد تقی بقرمانی ہمدانی۔
۴۰۔ میرزا ہاشم اریشمانی۔
۴۱۔ میرزا اسمٰعیل ایما۔
۴۲۔ میرزا باقر حضور قمی۔
۴۳۔ میر عسکری قمی۔
۴۴۔ میر نور الکبیر۔
۴۵۔ میر عبد المولے اصفہانی۔
۴۶۔ ملا محمد فایض نصیرا۔
۴۷۔ ملا محمد باقر فایض مازندرانی۔
۴۸۔ ملا محمد تقی تیکم مازندرانی۔
۴۹۔ ملا محمد امین واصل گیلانی۔
۵۰۔ آقا رضا۔
۵۱۔ محمد محسن طالع گیلانی۔
۵۲۔ محمد سید ملہر گیلانی۔
۵۳۔ مولانا شمس الدین محمد گیلانی۔
۵۴۔ میر رضی فارغ گیلانی۔
۵۵۔ ملا مختار نہاوندی۔
۵۶۔ میرزا باقر مربع
۵۷۔ میرزا تابحا نامش غلام رضا۔
۵۸۔ میرزا مہدی الٰہی تبریزی۔
۵۹۔ ملک میمن خرم آبادی۔
۶۰۔ ملا غنی عالی اصفہانی۔
۶۱۔ حکیم علی بیگ دیہیم۔
۶۲۔ محمد علی بیگ افسر۔
۶۳۔ ابراہیم خابطا اصفہانی۔
۶۴۔ میرزا محمد جعفر راہب۔
۶۵۔ میرزا فتح اللہ۔
۶۶۔ امتیاز اصفہانی۔
۶۷۔ سید اقصاب۔
۶۸۔ عبد اللہ شغف قمی۔
۶۹۔ سید محمد حسرت۔
۷۰۔ نور الدین محمد کرمانی۔
۷۱۔ حاجی مومن ایمان اصفہانی۔
۷۲۔ محمد مومن صاحب مشہدی۔

۳۔ سراجا محمد قاسم نقاش۔ ۵۔ میرزا محمد رضا یزدجردی۔

۴۔ میرزا عبد الرزاق نشا تبریزی۔ ۶۔ میر سید حسین خالص۔

۷۔ میرزا محمود سبزواری

اس تذکرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اورنگ آباد میں تصنیف کے صرف ۲۴ سال بعد ۱۱۰۹ھ میں لکھا گیا ہے۔ اس کے کاتب سید محمد الحسینی ہیں جنہوں نے مرزا محمد اکرم علی کی فرمایش پر اس کو خود مولف کے اصل نسخہ سے نقل کیا ہے۔ خط نستعلیق شکستہ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاغذ دولت آبادی اور سیاہی روشن ہے۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

" تعالے اللہ حمد بے چونے کہ اوراق پریشانی مجموعہ کون و مکاں برشبۂ ایجاد شیرازہ بستہ۔ و از ترکیب ظلمت و نور عدم و ظہور صفحہ سادۂ امکاں را بچندیں نقش و نگار غرایب آراستہ "

آخری عبارت یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ صرف ۹ دنوں میں مرتب ہوا ہے۔

" رب العزت تعالے ــــ فرصت بخشید کہ در مدت نہ روز۔ بعضے ساعات لیل و نہار را بافردگی و کمال تفرقہ بال کہ ہوشے باسرخیت مصروف دخویش را مشغول تسوید ایں اوراق داشتہ یکصد کس از دوستاں ہم نفس دیاران سخن رس گرامی و اہم سامی فراہم آوردہ و از سخن شان انچہ خاطر آشفتہ مراحمت نمود بزبان قلم داد "

اس کے بعد کاتب نے خود مصنف کے اصلی تذکرے کے ترقیمہ کو نقل کیا ہے جس سے حزیںؔ کے آبا و اجداد کے نام معلوم ہوتے ہیں :-

" حررہٗ المشتاق الے ربہ الغنی محمد المشتہر بہ علی ابن ابی طالب بن عبد اللہ بن علی الزاہدی الجیلانی حامداللہ وحدہ از دیدہ وران چشم اندازد کہ یک نظر شفقت و اصاف بمگرت بدعائے مغفرت یاد فرمایند "

اس کے بعد اس مخطوطہ کے کاتب نے یہ ترقیمہ لکھا ہے :-

" تمت تمام شد بخط فقیر حقیر سید محمد الحسینی بحسب فرمودہ مرزا اکرم علی در اورنگ آباد بوقت سہ پہر بعد چہارشنبہ فی التاریخ بستم صفر المظفر ۱۱۰۹ھ یکہزار و یکصد و ہشتاد و نہ ہجری صورت اختتام یافت "

صفحہ اول کی پیشانی پر ایک عمدہ بیضوی مہر ثبت ہے جس پر مالک کتاب مرزا اکرم علی ۱۱۹۳ ہجری کندہ ہے

۸۲ ورق۔ ۱۳ سطر فی صفحہ۔ ۸½ × ۵ ½۔

۶۲۶ - تواریخ سیر الہند - محمد قادر خاں منشی بیدری - ۱۲۴۶ھ - تاریخ فارسی

منشی قادر خاں (ولادت ۱۱۹۰ھ) بیدر کے رہنے والے تھے اور غلام حسین خاں جوہر مولف ماہنامہ کی طرح بہت بڑے مصنف، مورخ اور شاعر تھے۔ انہوں نے ۱۲۳۱ھ میں ہندستان کی ایک تاریخ بعنوان تاریخ قادری لکھی تھی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب مراۃ المذاہب بھی قلمبند کی جس میں ہندستان اور دکن کے مذہبوں اور مذہبی لڑائیوں کی تفصیلات درج ہیں۔ (دیکھو داستان ادب حیدرآباد)

زیر نظر مخطوطہ ان کی ایک تیسری تاریخی کتاب ہے جو ۱۲۴۶ھ میں تکمیل کو پہنچی، اور جس میں تاریخ ہندستان صوبوں کے لحاظ سے قلمبند کی گئی ہے۔ یہ کتاب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں شانزدہ صوبجات ہند اور دوسری فصل میں شش صوبجات دکن کی تفصیلات لکھی ہیں۔

اس تاریخ کے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی قادر خاں نے نواب کرنول میر سید الف خاں کی خاطر اس کو تالیف کیا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ یہ نواب انہیں کرنول بلاکر سرفراز کریں۔ اور وہاں کی تاریخ نگاری کی خدمت سپرد کریں۔ یہ خاتمہ انہوں نے مثنوی کی شکل میں لکھا ہے اور اس میں نواب الف خاں کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے ذاتی طور پر واقف تھے۔ اور ان کی ہمہ جہتی خوبیوں کے معترف۔ چنانچہ جنگ کھرڈلہ میں وہ ان کے ساتھ تھے جب کہ ان کی عمر صرف ۱۹ سال کی تھی۔

اس مثنوی کی چند منتخب ابیات درج ذیل ہیں۔

مدح الف خاں نواب کرنول

جہاں آفریں تا جہاں آفرید — چو نواب الف خاں نیامد پدید
چو نواب کرنول عالی مکاں — نہ در ملک دکھن نہ ہندوستاں
بہذل و سخا جود و فیض و عطا — نہ بودہ چو ایشاں کسے ہیچ جا
زشاہاں پیشیں سبق بردہ اند — کہ نام سلاطین طے کردہ اند
الہٰی بافضاں بنام رسول — بماناد دایم غلام رسول

اس کے بعد لکھا ہے کہ اسدی نے خواجہ محمود کی تعریف کی تو ایک ایک بیت کے لئے انبار در انبار انعام ملا۔ ابو القاسم فرشتہ نے دکن کی تاریخ لکھی تو تین لاکھ روپے بغیر کسی تکلف کے مل گئے۔ ہم کیں اگرچہ حرص نہیں ہے لیکن ۲ لڑکیاں اور لڑکا ناکتخدا ہیں۔ ان کی شادی کیلئے

کارِ خیر کا امیدوار ہوں۔ بیدر سے کرنول آؤں گا اور وہاں کی ایسی تاریخ لکھوں گا کہ کسی نے ویسی نہ دیکھی ہوگی۔ اس کے بعد فرشتہ اور خافی کی تاریخیں تقویم پارینہ بن جائیں گی۔ میری ایک نشانی اور نواب کی یادگار باقی رہے گی۔

اس تاریخ میں ہر جگہ کے بزرگوں اور مشاہیر کے حالات بھی لکھے ہیں۔ خاص کر دکن کے اکثر شہروں کے صوفیا اور بزرگوں کے حالات تفصیل سے درج ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ صحیح تاریخوں اور سنین کے اندراج کا التزام کیا ہے۔ اس طرح یہ نہ صرف ملک کی تاریخ ہے بلکہ مشاہیر کا تذکرہ ہے۔

اس تواریخ سیر الہند کا یہ مخطوطہ بہت ہی خوش خط عمدہ کاغذ پر صحیح اور صاف پاک لکھا گیا ہے۔ تمام عنوانات اور اہم نام سرخ روشنائی سے درج ہیں۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ تصنیف کے صرف چودہ ماہ بعد نقل کیا گیا ہے۔ ۱۹ر جمادی الثانی ۱۲۴۶ھ میں قادر خاں نے اس کی تکمیل کی اور ۱۶ر رمضان ۱۲۴۷ھ میں اس مخطوطہ کی کتابت ہوئی ہے۔

اس کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے:-

"بعد از حمد خالق اکبر و نعت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم آں کہ بندہ ہیچ مداں امید وار شفاعت محمد قادر خاں المتخلص منشی ساکن بیدر ایں کتاب تواریخ سیر الہند بتاریخ نوزدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۴۶ ہجری ترکیب تازہ تالیف نمودہ"

آخری عبارت مدحیہ مثنوی سے قبل کی یہ ہے:-

"نواب الف خاں بمقابلہ لیں شرز چوں دیوار قلعۂ محکم صف کشیدہ از ابجا حرکت نفرمود و گولہ ہائے اعراب برق شتاب از سرہائے ایشاں گذشتہ بحاذی سرداران عقب ماندہ می افتاد و موجب عبرت و ہراس پس ماندگاں حالت چنیں بود۔"

خاتمہ کی مثنوی کی آخری ابیات یہ ہیں:-

از و منشی دعا قادرا کن قبول — بماناد قایم غلام رسول
از و عالمی فیض یابی کنند — زر و سیم از وہم تکابی کنند

اس کتاب کا ترقیمہ یہ ہے:

"تمت تمت بالخیر کتاب تواریخ سیر الہند قادر خانی بتاریخ شانزدہم شہر رمضان المبارک

۱۲۴۷ھ ہجری "۔

کاتب نے اپنا نام اور مقام کتابت نہیں لکھا۔

۷۷ ورق ۔ ۱۳ سطور فی صفحہ ۔ ۳/۴ ۸ × ۱/۲ ۶ ۔

۶۲۷۔ علم اسطرلاب کروی ۔ رتن لعل ۱۲۵۵ھ ۔ سائنس اردو نثر

رتن لال نواب شمس الامراء امیر کبیر کی سرکار میں ملازم تھے اور انہی کے حکم سے انگریزی کتاب مولفہ حکیم کیت صاحب کو پیش نظر رکھکر کرے کے علم اور اعمال سے متعلق یہ کتاب سترہ جوزہ کی مدد سے تالیف کی تھی۔ اور اس کے لئے خاص نقشے بھی تیار کئے تھے۔ جو اس مخطوطے میں شامل ہیں۔

یہ کتاب حسب ذیل ۴ مقاموں پر مشتمل ہے۔

۱۔ تعریفات کرۂ مصنوعہ اور دوائر۔ ۲۔ اعمال کرۂ ارضی۔

۳۔ کرۂ سماوی کے اعمال۔ ۴۔ سیارات وغیرہ کا بیان۔

یہ کتاب ۱۲۵۶ھ میں ایک بار حیدرآباد میں اور پھر کئی سال بعد مدراس میں بھی چھپ چکی ہے اور اس کے مطبوعہ نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں۔ یہ قلمی نسخہ اصل مسودہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں جو نقشے درج ہیں وہ اعلےٰ درجہ کی فن کاری کا قلمی نمونہ ہیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :۔

" حمد اوس صانع کو لائق ہے کہ جس نے کرۂ فلک کو سیارات اور ثوابت سے آراستہ کرکے ساکنان کرۂ خاک کو دکھلایا "۔

اس کے خاتمہ میں تین صفحات کی ایک جدول ہے جس سے قبل کی عبارت ان جملوں پر ختم ہوتی ہے :۔

" ان ثوابت کے تمام نشان جو یونانی حرفوں سے ہیں انگریزی کرے پر سے دیکھ کر لکھے ہیں تاکہ تا بلاوقت عمل کرنے کے آسمان پر پائیں جائیں گے اور یہ نہ سمجھو کہ ہر منزل کی ابتدا ان ستاروں سے ہوئی ہے بلکہ ہر منزل کے مابین اس طور پر واقع ہیں۔ بعضے شروع منزل بعضے اوسط منزل پر ہیں "۔

کوئی ترقیمہ نہیں ہے البتہ کتاب کے پہلے ورق کے حاشیہ پر ایک مستطیل مہر ثبت ہے جس پر محمد فیاض الدین خاں ۱۲۶۵ھ کندہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوط نواب مشرف جنگ فیاض کی ملک تھا جو نواب عزیز یار جنگ عزیز کے والد اور حضرت فیض کے شاگرد خاص تھے اور جن کا ذکر ادارے کی متعدد کتب داستانِ ادب حیدرآباد ۔ مرقع سخن اور متاع سخن میں چھپ

پچکا ہے۔

۳۰۹ صفحات ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ ۔ ۹" x ۶" ۔

۶۲۸ ۔ مفتاح الاحکام ثابت الاسلام ۔ ترجمہ سید محمدؐ قادری ۔ قبل ۱۲۲۹ھ ۔ اُردو نثر

اس مخطوطہ میں سید محمدؐ قادری کی فارسی کتاب ثابت الاسلام مفتاح الاحکام اور اس کا اُردو ترجمہ ساتھ ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ اس کے کاتب محمدؐ حسین ولد قادر حسین ہی اس کے مترجم ہوں۔ ترجمہ کا سنہ بھی درج نہیں ہے۔ چونکہ آخر میں ایک ورق پر مالک کتاب نے خریدی کتاب کی تاریخ ۱۲۲۹ھ لکھی ہے اس لئے اس کا سنہ کتابت و ترجمہ اس سے پہلے ہی متعین ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب بیجاپور کے قریب سگر قلعہ نصرت آباد میں نقل کی گئی ہے۔

فارسی کتاب اور اس کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ میں پہلے فارسی عبارت لکھی ہے اور پھر اُردو ترجمہ لکھا ہے۔ اُردو عبارت صفحہ ۴ سے اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

"تمام بیان خلاصہ کنز کا مختصر مسئلہ چن چن کر جمع کیا گیا۔ واسطے نمان صغیر و کبیر مرد و عورت اس کتاب کو پڑھیں۔ بر حکم اس کتاب کی پیروی پر قایم اچھیں۔ ہور دعا اس کمین کمترین خاکپائے خلق اللہ کوں کریں"۔

آخری عبارت یہ ہے:۔

"اگر تجھے کوئی پوچھے روز قیامت کوں اول کیا پرسش ہوئے گی مسلمان کوں۔ جواب بولے اول پرسش نماز کی ہوئے گی۔ اللہ تعالٰے مسلمان کو نماز کی توفیق دیوے آمین۔"

ترقیمہ یہ ہے:۔

"تمام شد ایں کتاب ثابت الاسلام بوقت چاشت بروز جمعہ بتاریخ سیوم ربیع الاول۔ کاتب الحروف محمدؐ حسین ولد قادر حسین ساکن سگر قلعۂ نصرت آباد صوبہ دار الظفر بیجاپور قلمی شد۔ ایں کتاب معان اللہ خاں ساکن نارنول"۔

اس ترقیمہ کے نیچے دو جگہ معان اللہ ساکن نارنول نے اپنے دستخط کئے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے:۔

"برائے خواندن برخوردار حسین خاں ولد معان اللہ خاں نوشتہ شد"۔

یہی عبارت سرورق سے پہلے ایک صفحہ پر بھی درج ہے۔ وہاں ساکن نارنول کا اضافہ ہے۔ ترقیمے کے بعد دوسرے ورق پر اس کے دوسرے مالک نے یہ عبارت لکھی ہے جو کسی نے بعد کو

قلمزد کردی ہے:-

"این کتاب سید معراج حسین ـ بقیمت سہ روپیہ گرفتہ شد بتاریخ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ"

یہ کتاب ایک ایسے خط میں لکھی گئی ہے جو ثلث اور نستعلیق کی درمیانی ایک شکل ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔

۱۰۹ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ½۸" × ۶" -

۶۲۹- رسالہ رد کفر از اسمٰعیل کوکنی ۱۲۶۱ھ - نثر اردو

اسمٰعیل کوکنی رتناگیر میں پیدا ہوئے تھے۔ اور علم مناظرہ میں مہارت رکھتے تھے۔ اس رسالہ میں انہوں نے سوال وجواب کے پیرایہ میں اسلام اور ہندومت کی خصوصیات واضح کی ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ ہندو مذہب کے عقاید کیسے ہیں اور اسلام کے کیسے۔ اس کے آخر میں قاضی حسین صاحب کوفی نے فارسی نظم میں ایک تقریظ لکھی ہے جس میں مصنف کے نام اور تاریخ تصنیف کی وضاحت کی ہے۔

اس مخطوطے میں کتاب کا پہلا ایک صفحہ غایب ہے۔ ابتدا اس عبارت سے کی ہے:-

"نازل ہوجیو اس رسول اصدق الصادقین وحبیب رب العالمین پر کہ جس کی رسالت نے مشرق سے مغرب تک اسلام کا جھنڈا گڑا کے شعشعۂ جلالت سے ظلمتِ کفر کو عرصہ خاک سے مٹا دیا"

اس کے بعد آنحضرت سرور کائنات کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے -

پیشوائے انبیا وہ صاحب برہان ہے جس کے پرتو سے منور قصرِ دیں ہر آن ہے

اس کے خاتمہ پر سبب تالیف بیان کیا ہے۔ اور نثر کی عبارتوں کے درمیان میں پھر وہی قصیدہ جگہ جگہ جاری رکھا ہے۔ اس کے ختم پر بعنوان "آغاز مناظرہ مسلمان اور ہندو کا" اصل کتاب شروع کی ہے۔ عبارت سلیس اور سادہ ہے۔

آخری عبارت یہ ہے:-

"کفر وشرک کی برائی اور اسلام کی خوبی اور سوال وجواب کا طریقہ معلوم ہو کر ہمیشہ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بحث وتقریر میں غالب رہیں۔ اللہ توفیق دے ان کو اسلام پر لاویں"

یہ مخطوطہ جلی خط نستعلیق میں لکھا گیا ۱۳۶۹ ہجری میں یعنی تصنیف کے صرف آٹھ سال بعد نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔

ترقیمہ یہ ہے :-

"قلعہ ایلور میں حسب الحکم محمد عزیز الدین خاں بہادر کے اضعف عباداللہ توی متین حسن الدین ابن شاہ تاج الدین قادری عفی اللہ عنہما نے پانزدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۶۹ھ کو لکھا۔"

پھر عربی عبارت میں بھی اسی مضمون کا ترقیمہ لکھا ہے۔ اس کے بعد فارسی منظوم تقریظ ہے۔ جس کا آخری شعر یہ ہے :-

گفت ہاتف بگوش ہوش کہ واہ   رد کفر و چہ سیف اسلام است

۱۲۶۱ھ

۶۱ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۸ × ۵½ -

۶۳۰- ترجمہ آدم فی الحدیث یا وظیفہ دکنی - قریب ۱۲۵۰ھ - نثر اردو

اس کتاب میں مختلف گناہوں کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ مصنف مدراس کے باشندے معلوم ہوتے ہیں اور وہاں کے کسی امیر غالباً نواب ارکاٹ کی فرمایش پر اردو نثر میں یہ کتاب لکھی ہے۔ چونکہ ابتدائی ورق اس نسخہ میں محفوظ نہیں ہے۔ اس لئے مصنف اور ان کے سرپرست کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اس میں حسب ذیل ۱۲ باب ہیں :-

۱- نماز میں سستی کرنے یا نہ پڑھنے کا عذاب۔ ۲- ماں باپ کی نافرمانی کا عذاب۔ ۳- مرداں مردوں کے ساتھ عورتاں عورتوں کے ساتھ مشغول ہونے کا عذاب۔ ۴- زنا کا عذاب۔ ۵- مرد کا حق جورو پر۔ ۶- جورو کا حق مرد پر۔ ۷- خود کو یا دوسروں کو مارنے کا عذاب۔ ۸- زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب۔ ۹- سود لینے دینے کا عذاب۔ ۱۰- شراب خواری کا عذاب۔ ۱۱- رونے پٹنے کا عذاب۔ ۱۲- گناہ کبائر (اس باب میں کتاب تنبیہ الغافلین کا خلاصہ درج کیا ہے)

زیر نظر مخطوطہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

" اوس میں بر محل داخل کر کر بارہ باب اور کتنی فصلوں پر بانٹی گیا اور ترجمۂ آدم فی الحدیث اس کا نام رکھا۔ اور اس میں قرآن کی بعض آیتاں ہیں۔ تفسیر سے اس کا ترجمہ کیا۔ اب پڑھنے والوں سے امیدوار ہوں جو اس گنہگار کے حق میں اور امیر موصوف کے حق میں جو یہ کتاب بنانے کا سبب وہی بڑا ہے دعا خیر سے نبھولے"

سبب تالیف کی بڑی طویل عبارت لکھی ہے اور اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"اس کتاب کو وظیفہ دکنی ہے کر کر سرسری مت جان"

اس ضخیم نثر اردو کی کتاب کی آخری عبارت یہ ہے :-

"حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد از اپنے دیور یعنے سرتاج اولیا حضرت علی کے نکاح میں آئی اور حضرت امام شافعی کی والدۂ مکرمہ امام محمدؒ امام اعظم کے شاگرد کے نکاح میں آئی رہ گیا"

اس کا خط معمولی نستعلیق ہے۔ ہر صفحہ پر حاشیہ کی جدولیں سرخ روشنائی میں کھینچی گئی ہیں۔ ترقیمہ یہ ہے :-

"تمام شد فی التاریخ پانزدہم شہر رمضان المبارک بروز شنبہ ۱۲۰۳ ہجری از دست میر علی سلطان برائے خواندن شرف النسا بی زاداللہ عمرہا ہمشیرۂ خود یعنے دختر نیک اختر فرزند عامی برخوردار میر منور علی

یارب اس کو جہاں میں قایم رکھ نیک نامی سے نام دایم رکھ
کرے حق میں مری دعا بیٹا جب کہ دیکھے گی یہ کتاب اٹھا"

۹۸ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ ½ ۴" × ۶" -

۶۳۱ - تفسیر سورۂ فاتحہ - حضرت سید احمد و مولانا عبدالحی . قریب ۱۲۳۰ھ . نثر اردو

یہ اردو نثر میں ۲۰ صفحات کا ایک رسالہ ہے جس کو حضرت سید احمد صاحب نے تفسیر الحمد للہ کے طور پر اپنی زبان فیض ترجمان سے کہکر مولانا عبدالحی سے لکھوایا۔ ابتداء میں حمد و نعت ہے اور اصل موضوع شروع کردیا گیا ہے۔ آخر میں بطور ترقیمہ جو عبارت لکھی گئی ہے اس کی منتخب سطریں یہ ہیں :-

"تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین امام العارفین سید المسلمین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب ..... آپ اپنی زبان فیض درہدایت ترجمان سے فرماکر جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبدالحی صاحب سے تحریر کروائیے اور حقیقت الصلواۃ کی خوبیاں نماز پنجگانہ سے ..... جسے ایک فاضل کامل حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبان اقدس سے سنکے ہندی زبان میں لکھا ہے۔"

اس کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے :-

"اپنی شکر ہے احسان کا کہ تونے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا۔ ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔"

آخری عبارت یہ ہے:۔

"ہر چند ان سے بھی کبھی کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہوجاوے پر ان کی راہ بھی ہرگز نہیں مانگتا۔ ان کے نصیب وہ رضامندی نہیں کہ جو آخرت میں فائدہ دے"

یہ کتاب پیر خاں اور وارث علی کے اہتمام اور مولوی سید محمود صاحب کی تصحیح سے مولوی بدر علی کے چھاپہ خانہ میں (غالباً مدراس) میں ۱۲۳۰ھ میں چھپی تھی۔ اور یہ مخطوطہ اسی سے نقل کیا گیا ہے۔ خفی خط نستعلیق میں قریب قریب لکھا ہے۔

۱۰ ورق۔ ۱۷ سطور فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$ ۶ × ۶۔

۶۳۲۔ رسالہ ردِّ شرک۔ سید عبداللہ۔ قریب ۱۲۵۰ھ۔　　نثر اردو

اردو نثر میں یہ ایک مذہبی رسالہ ہے جس میں وہابی عقاید بیان کئے گئے ہیں۔ اس کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مولف نے درمیان میں جگہ جگہ نظم میں بھی خیالات ظاہر کئے ہیں۔

باب اول میں شرک سے اور باب دوم میں بدعت سے بحث کی ہے۔ ہر باب میں تین فصلیں ہیں باب اول میں فصل پہلی۔ اشراک فی التقیدہ۔ دوسری فصل۔ اشراک فی العبادت۔ فصل تیسری اشراک فی العادت کے موضوعوں پر لکھی ہے۔

دوسرے باب بدعت میں پہلی فصل بدعت کا پہچاننا۔ دوسری فصل فاتحہ کا بیان۔ تیسری فصل میں نکاح کا بیان لکھا ہے۔

اس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔ ابتدا اس طرح کی ہے:۔

"اللہ ہمارا بہت دور ہے شریکوں سے اگرچہ لوگ اپنی عقل میں آدم مشتِ خاک کو اس مالک عرش و افلاک کا شریک جانتے ہیں"

آخری عبارت یہ ہے:۔

"اب جو اللہ تعالےٰ کا بندہ اللہ سے ڈرتا ہو اور دنیا کو ناپائیدار سمجھتا ہو اس کو ضرور ہے کہ یہ پانچ باتیں موقوف کردے۔ اللہ تعالےٰ اس کو دنیا اور دین میں ہر جگہ آرام دے گا اور عزت بخشے گا"

معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بھی مدراس میں چھپا تھا۔ اس کے خاتمہ پر "قطع بلمزاد نقیر سید عبداللہ عفی اللہ عنہ" کے عنوان سے یہ شعر لکھے ہیں ؎

کیا کروں تعریف اس مقبول کی　　یہ لکھا جس نے رسالہ ردِّ شرک
یوں لکھا جس نے سُنا اس کا بیاں　　توڑ ڈالے میں نے دل سے سد شرک

یہ نسخہ بہت ہی خفی خط نستعلیق میں قریب قریب لکھا گیا ہے۔
۳۰ صفحات - ۱۷ سطور فی صفحہ - ½۴ x ۶ -

۶۳۳- رسالۂ نماز - مصنف نامعلوم - زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ - نثر اُردو

مخطوطات نمبر ۶۳۱ و ۶۳۲ ہی کے کاتب نے یہ رسالہ بھی نقل کیا ہے۔ اس میں نماز کے موضوع پر ضروری امور بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً نماز کی تاکید۔ پانی کا بیان - طہارت - نماز فرض - نماز نفل - نماز جنازہ - اس کی ابتدا اس طرح کی ہے:-

"اللہ تعالیٰ کا رحم بنی آدم پر نہایت ہوا کہ اس کی ہدایت کے واسطے ایسا رسول مقبول بھیجا کہ جب وہ معراج سے مشرف ہوئے تو نماز پنجگانہ کہ پرتو معراج کا رکھتے ہیں ہمارے واسطے بھی حصے آئے"

آخری عبارت یہ ہے:-

"جو مردہ دفن ہو چکا ہے تو نماز اس کی قبر پر جاکر پڑھے اور جو کوئی ایک بھی مسلمان قبر پر کسی طرح حاضر ہو سکے تو دور ہی سے پڑھ لے۔ حدیثیں اس رسالے کی مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب نے خفی نستعلیق شکستہ میں قریب قریب لکھا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں - یہ تینوں کتابیں (۶۳۱ - ۶۳۳) مولوی احمد اللہ خاں صاحب مدرس گولکنڈہ کا عطیہ ہیں۔
۱۶ صفحات - ۱۷ سطور فی صفحہ - ½۴ x ۶ -

۶۳۴- توشۂ عاقبت - منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں - قریب ۱۲۱۷ھ - نثر اُردو

اس کتاب کا ایک ناقص الآخر نسخہ ادارے میں نمبر ۱۵ ج پر موجود ہے اور اس کا بیان جلد اوّل کے صفحات ۵۰ و ۶۰ پر چھپ چکا ہے۔ لیکن زیر نظر مخطوطہ مکمل ہے اور کتاب کے جملہ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۲۵۴ھ میں نہایت صحیح نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اہم ہے۔ یہ کتاب اگرچہ اُردو نثر میں ہے لیکن جگہ جگہ شعر بھی درج کئے ہیں جو خود منور بیگم کی تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔ یہ خاتون رایشر ترناپلی کے حاکم اللہ وردی بیگ خاں کی لونڈی اور بہت لایق و فاضل تھیں۔ اس کتاب کو جس طرح ابواب میں تقسیم کیا ہے اور مختلف مسائل سے متعلق احادیث اور فتوے نقل کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو تصنیف و تالیف

کا عمدہ ذوق حاصل تھا۔ اس کی آخری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُردو کو اس قدیم دور میں بھی بڑی اہمیت دیتی ہیں۔ وہ اپنی منظوم مناجات سے پہلے لکھتی ہیں:۔

"یہ رسالہ زبان ہندی میں کہ بعد زبان عربی کے بہترین زبان ہے تمام ہوا کہ قبر حضرت آدم پیغمبر علیہ السلام کی سرانديپ میں کہ ملک ہندوستان سے ہے موجود ہے۔ رباعی ؂

نعمت ہندی بھی خوش اسلوب ہے   قند سے لذت میں بے حد خوب ہے
مردم ہندی کو اے کابل ہام   بالیقیں ہندی زباں محبوب ہے"

اس کے بعد جو منظوم مناجات ہے اس کی آخری ابیات یہ ہیں ؂

یہی دل میں ہے آرزوئے عظیم   مرا خاتمہ ہو بخیر اے کریم
نہیں لعل یاقوت کی کچھ ہوس   مجھے مغفرت کا نگینہ ہے بس
جواہر کا نیں شوق لیل و نہار   کہ رحمت کا بس گوہر آبدار
لکھنہارے کا نام حیدر علی   ہو سر پہ چھتر نبی و علی

: آخری شعر غالباً کاتب نے بڑھا دیا ہے کیونکہ اس میں قافیہ غلط ہے۔ ترقیمہ یہ ہے:

"تمت الکتاب بعونہ تعالے بتاریخ دہم ماہ ربیع الثانی ۱۲۵۴ھ ہجری۔"

یہ پوری کتاب خط نستعلیق میں بطور بیاض ترچھی لکھی گئی ہے۔ خط بہت خفی اور گٹھا ہوا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں درج ہیں۔ کاغذ نیلگوں ہے۔

یہ مخطوطہ مولوی احمد اللہ خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ نے بطور عطیہ داخل کیا ہے۔

۳۲ صفحات۔ ۲۰ سطور فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$۷ × ۴

۶۳۵۔ مذہب عشق قصہ گل بکاولی۔ نہال چند لاہوری ۱۲۱۷ھ۔ اردو نثر

اس کتاب کے دو اور نسخے ادارے میں نمبر ۹۶ و ۹۷ پر موجود ہیں اور اس کے مولف و مترجم اور خود کتاب کی خصوصیات انہی مخطوطوں کے بیان میں تذکرہ جلد اول کے صفحات ۱۱۵۔۱۱۷ پر شایع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی فرمایش پر ۱۸۰۳ء میں نہال چند لاہوری نے شیخ عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصہ گل بکاولی (۱۱۳۴ھ) سے اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔

ادارے کے مذکورہ بالا دونوں نسخوں میں کچھ اختلافات ہیں لیکن یہ مخطوطہ ادارے کے نسخہ ۹۶ کے مطابق ہے۔ اور اس سے ۴۰ سال قبل سکندر آباد میں نقل کیا گیا ہے۔ یعنے سنہ تالیف

کے صرف نو سال کے اندر اس کی کتابت ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی اہمیت ہے۔
خط صاف اور کھلا نستعلیق ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ ابتدائی چند ورق غائب ہیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:-

"نقاب منہ پہ ہے یار کے نہیں حافظ تو اپنا آپ ہی پردہ ہے بیچ سے اٹھ جا
کلام فضیلت انسان میں دریائے بے پایاں ہے۔ اسی قدر پر اکتفا کیا۔ اے
جمیلہ خاتون وہ اصلی ہے اور ہمارا وجود طفیلی۔ وہ مخدوم ہم خادم۔"

آخری عبارت یہ ہے:-

"جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور شاہ جہاں
نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔"

اس کے آخر میں ایک ترقیمہ ہے لیکن کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا بلکہ صرف تاریخ و مقام کتابت لکھ دی ہے۔

ترقیمہ:-

"بتاریخ بیست و دوم شہر صفر المظفر ۱۲۳۹ ہجری در مقام سکندر آباد از تحریر
ایں نسخہ باتمام رسید۔ روز چہارشنبہ۔ تم۔"

یہ کتاب مولوی احمد اللہ خاں صاحب کا عطیہ ہے۔

۱۱۰ ورق۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ ۸½ × ۶ "۔

۶۳۶۔ پدماوت (شمع و پروانہ) از عبرت و عشرت۔ ۱۲۱۱ھ۔ مثنوی اُردو

رتن سین اور پدماوت کی داستان عاشقی اس طویل (چار ہزار سے زیادہ ابیات کی) مثنوی میں ضیاءالدین عبرت (رام پوری شاگرد نواب محبت خاں خلف حافظ رحمت خاں نے لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن بارہ سو ابیات لکھنے کے بعد وفات پاگئے۔ اس ناتمام مثنوی کو قدرت اللہ شوق (مؤلف تذکرۂ شعرائے ریختہ) کی فرمایش پر میر غلام علی عشرت شاگرد مرزا علی لطف نے تکمیل تک پہنچایا۔ اس کی خصوصیات اور مصنفوں کے حالات تذکرہ جلد اول کے صفحات ۱۸۸۔ ۱۹۱ پر درج ہو چکے ہیں۔ ادارے میں اس کا ایک اور مکمل نسخہ نمبر ۱۵۵ پر موجود ہے۔

لیکن یہ زیر نظر مخطوط زیادہ صحیح اور مکمل ہے اور خاص اہتمام سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا کہ یہ نسخہ پہلے نسخہ کے مقابلہ میں کتنا زیادہ صحیح ہے۔

مخطوطہ نمبر ۱۵۵

لکھوں کیا میں وہ نواب زماں ہے
ہے فن شاعرانہ اسس کا جوہر
وہ بھر کر نقشۂ مضمون رنگین
بہ نیکی جب یہ نام اس کا ہے برہاں
نبی کا اسم پیارا . . . .
دلِ عاشق سدا زنہار نالاں

زیر نظر مخطوطہ

لکھوں کیسا وہ نواب زماں ہے
ہے فن شعر اولیٰ اسس کا جوہر
وہ بھر کر لفظ میں مضمون رنگین
نبی کے حسب نام اس کا ہے برہاں
علی کا اسم ہے از بس کہ اورد
دل عاشق سوا زنہار نالاں

نسخہ نمبر ۱۵۵ سنہ ۱۲۵۱ ہجری کا مکتوبہ ہے اور یہ مخطوطہ اس سے دو سال قبل سنہ ۱۲۴۹ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اس کو تقدم حاصل ہے۔ اس کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

ہر ایک صورت میں وہ آکر نیا جلوہ دکھاتا ہے
کبھی یوسف کبھی لیلےٰ کبھی عذرا دکھاتا ہے

بتاؤں عشق کے کیا اب میں نیرنگ — جو دیکھوں میں اُوسی نیرنگ کے رنگ
ز دریا موج گوناگوں برآمد — ز بے چونی برنگ چوں برآمد

آخری ابیات یہ ہیں ؎

لکھی ہے داستان عشق ساری — کہ ہے دنیا میں یہ بھی یادگاری
یہ لکھکر دل میں کی میں نے جو یہ غور — کوئی تاریخ کہیے اس کی خوش طور
کہا دل نے اسے دیکھے جو شاعر — بلا شک جانے تصنیف دو شاعر

اس کے آخر میں ایک ترقیمہ بھی ہے جس میں کاتب نے اپنا نام تو لکھا لیکن مقام کتابت نہیں لکھا :-

"تمام شد مثنوی من تصنیف میر ضیاء الدین عبرت و میر غلام علی عشرت بتاریخ دوئم شہر ذوالقعدہ سنہ ۱۲۴۹ ہجری مطابق چہاردہم مارچ سنہ ۱۸۳۴ء روز جمعہ بوقت یک نیم پہر روز برآمدہ از خط بے ربط غوث محمد خاں صورت انجام یافت"

یہ مثنوی معمولی خط نستعلیق میں قلمبند ہوئی ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں ہیں۔ ہر صفحہ پر تین کالم ہیں۔ کاغذ قدیم ہے اور جگہ جگہ سے آب زدہ ہونے یا نمی کے باعث رنگ بدل گیا ہے۔

۶۵ ورق - ۲۰ ابیات فی صفحہ - ۱۰ × ۶ ۔

۶۳۷- لوح محفوظ- از اثر- ۱۲۸۲ھ- مثنوی اردو

یہ ایک طویل اردو مثنوی (۳۰۰۰ ابیات) ہے جس میں مجلسی کے فارسی رسالہ رجعت کا ایک غیر معروف شاعر اثر نے منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ نسخہ خود مسودۂ کتاب ہے جس پر کسی اور شاعر قدر نے جگہ جگہ اصلاح دی ہے۔ اور بہت زیادہ کاٹ چھانٹ کی ہے۔

اثر نے اپنا تخلص مثنوی کی پہلی بیت کے علاوہ درمیان میں کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ سبب تالیف اور خاتمۂ کتاب سے بھی اس کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔

سبب تالیف کی چند منتخب ابیات یہ ہیں ؎

میں اک بندۂ ہیچ کارہ و ذلیل — وہ ایک قادر کارساز و جلیل
کیا خانہ زاد نبی و علی — لکھوں کیا۔ جو عزت غلامی میں دی
یہ کچھ آئینۂ دل میں ملحوظ ہے — بنس میں عجب لوح محفوظ ہے
فدائے جناب علی ولی — شب و روز میں میرے ماں باپ بھی
نہیں اے اثر منتہائے کرم — کریں جس قدر شکر ہے کم سے کم
شیاطیں سے ایماں بچاتے ہیں — ہمیشہ غم و رنج کھاتے ہیں
امام زماں تک رسائی نہیں — یہ دو چار دن کی جدائی نہیں
زمانہ ہے فساق و فجار کا — زمانہ ہے حکام غدار کا
وہ ہے خلط ان سے کہ شیعہ عوام — بلا قید ہیں وقف فعل حرام
خصوصاً یہ اقلیم ہندوستاں — نہیں لائق مسکن دوستاں
جنہیں مجلسی کہتے ہیں خاص و عام — کلام ان کا بے مثل ہے لاکلام
رسالہ ہیں رجعت میں اک لکھ گئے — خرد نے کیا نظم کر تو اسے
مگر ہند کے روز مرے میں ہو — کہ دیکھیں سبق کب مضامین کو
الٰہی بحب بنی فاطمہ — اثر کا مع الخیر ہو خاتمہ

اس مثنوی میں کسی اور غیر معروف شاعر قدر نے کس طرح اصلاح کی ہے اور اس کی وجہ کیا بیان کی ہے اس کی وضاحت حسب ذیل مثالوں سے ہوگی:-

کلام اثر	اصلاح قدر	تشریح اصلاح
الا گفتگوئے دل دوستاں	سنو گفتگوئے دل دوستاں	قافیہ ندارد۔ کیونکہ اس میں
الا جستجوئے دل دوستاں	سنو رجعت پاک کا یہ بیاں	گفتگو قافیہ تھا۔ قدر۔

کریں بادشاہ آٹھ پہم خروج کئی بد کئی نیک لشکر کشاں	کریں بادشہ آٹھ پیہم خروج کئی بد کئی نیک ہوں حکمراں	یہ جمع جا ترکیب ٹکسال باہر ہے۔ قدرؔ۔
بہت پیار کرکے دعا دی اوسے کہا ہو مبارک یہ شادی تجھے	بہت پیار کرکے دُعا دی اُسے خدا راس لائے یہ شادی اُسے	تجھ اور اُس میں اصلی ضمیر ہے۔ یائے مجہولہ اواخر میں قایم مقام جار۔ حضرت ایطائے جلی دم ملا۔ آج استاد نے آتش بینگ پہ چڑھائی ہے۔ ۱۲۔ قدرؔ۔
وہ خیر ابد کیا ہے فرمایئے یہی چاہیئے بس یہی چاہیئے	وہ خیر ابد کیا ہے فرمائیے وہی دیجئے لائیے لائیے	اگر چاہ اور فرمائے کو صیغۂ امر مانو تو کھلا کھلا ایطائے جلی ہے۔ کما لایخفی علے العروض اور اگر فرمائے کو صیغۂ واحد غائب مضارع اور چاہ کو واحد حاضر امر جانو تو حرف روی تبدیل ہو جائے گا۔ بخلاف مخرج اور آنکھ بند کرکے اقوا ہو جائے گا کہ اقبح وافحش عیوب قافیہ ہے۔ پھر اس پر صاد واہ اُستاد۔ ۱۲۔ قدرؔ۔

اس طرح کی اصلاحوں اور ان کی تشریحوں سے یہ پورا مخطوطہ معمور ہے۔ اور اس کے بغور مطالعہ سے قدیم لوازم سخن گستری کی نسبت بہت سی مفید اور ضروری معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مخطوطہ ادارے کی قابل قدر کتابوں میں سے ہے۔

اثرؔ نے اس مثنوی کا سنہ تصنیف اس طرح منظوم کیا تھا ؎

سُنا لوح محفوظ سے جب یہی　　کیا فکر تاریخ میں واقعی
نہیں مثنوی میں کہیں غیر غیب　　جو وہ نام تھا ہے لقب سیر غیب

۱۲۰۳ھ

لیکن قدر نے ان دونوں بیتوں کو قلمزد کرکے یہ بیت لکھی ہے ؎

جو ہے لوحِ محفوظ یہ مثنوی
تو ہے سیرِ غیب اسکی تاریخ بھی

اس مثنوی کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

کہاں لے اثرؔ حمدِ ربِ جلیل
کہاں لے اثرؔ فکرِ عبدِ ذلیل

کجا عقلِ ناقص کجا کنہِ ذات
کہ ہے عقلِ کل محوِ کارِ صفات

تگاپو میں یا عمرِ خضر ہو تمام
یہ منزل یہ کہاں طے کئے ایک گام

جہاں کے قوی ہیکل و پیل زور
ہیں اس راہ میں ایک تحتِ پائے مور

اس کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

بحمدِ خداوندِ کون و مکاں
بشکرِ عطایا ہو رطب اللسان

جو ہے لوحِ محفوظ یہ مثنوی
تو ہے سیرِ غیب اسکی تاریخ بھی

خدایا رہیں مومنین کامیاب
یہ محزوں و مہجور بھی ہو مثاب

اس کے بعد حسب ذیل ترقیمہ درج ہے، جو خود اثرؔ کا لکھا ہوا ہے :-

"الحمد للہ کما ہو اہلہٗ کہ با ماہ مبارک ۱۲۸۳ہجری وقت صبح مثنوی تمام ہوئی کہ خلق میں عید کی دھوم دھام ہوئی کرے"

اس کے نیچے نارنجی رنگ میں قدرؔ نے یہ فارسی عبارت لکھی ہے :-

"فی الحقیقت یشمان الله اظہار تا قیامت ازیں نتائج افکار آں قدسی شعار ترقی اعتقاد و اخلاص خود خواہند دید"

اس کا سرورق اس طرح مرتب کیا گیا ہے گویا کتاب بغرض طباعت تیار کی گئی ہے۔ اس پر سب سے پہلے مثنوی لکھا ہے۔ اس کے نیچے دو دائرے بنائے ہیں۔ درمیانی دائرے میں لوحِ محفوظ اور اس کے اطراف کے دائرے میں بل ہو قرآنٌ مجیدٌ فی لکھا ہے اور ان دائروں کے نیچے ایک دائرہ بنا کر "در رجعت" لکھا ہے۔

یہ پوری مثنوی کھلے اور صاف خط نستعلیق میں ہے۔ عنوانات سرخی میں ہیں۔ اصلاح کا قلم شکستہ نستعلیق پختہ خط میں ہے۔

۱۰۹ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ - ½۱۲ × ۸ -

۶۲- حالات امام المدرسین - از محمد رفیع الدین وکیل بیدر۔ تاریخ اردو

امام المدرسین مولانا محمد حسین بیجاپوری بیدر کے مشہور مدرسہ محمود گاواں میں ۱۰ ار رمضان ۱۱۱۱ھ کی رات میں نماز تراویح میں قرآن شریف سناتے ہوئے مدرسہ پر بجلی گرنے کی وجہ سے شہید ہوئے تھے۔ وہ بیجاپور کے اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کا ذکر اسی جلد کے مخطوطات نمبر ۶۰۶-۶۰۸ میں درج ہوچکا ہے۔ حضرت صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ ان کے جد مادری تھے۔ خود محمد حسین صاحب بھی صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کی تالیفات عقاید حسینی اور کافی وغیرہ مشہور ہیں۔ مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی نے اپنی کتاب ریاض الجنان میں ان کی مدح لکھی ہے جس کا اقتباس اس مخطوطے میں بھی درج ہے۔

زیر نظر مخطوطے میں مولوی محمد حسین کے تفصیلی حالات' جدید طریقۂ حیات نگاری کے مطابق بیدر کے ایک علم دوست اور مورخ محمد رفیع الدین وکیل نے قلم بند کئے ہیں۔ ان رفیع الدین کی تاریخ دانی کے بارے میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں صدر یار جنگ شروانی نے ۱۳۴۵ھ ہجری میں بمقام بیدر اپنی ایک تقریر میں بڑی تعریف کی تھی۔ انھوں نے متعدد تاریخی کتب' کاغذات' لکھے اور قدیم فرامین وغیرہ جمع کئے تھے جو ان کی وفات کے بعد منتشر ہوگئے اور ان کے کچھ اجزا آج کل بیدر کے ایک مولف اور محقق مولوی سید محمد صاحب مدرس بیدری کے یہاں بھی محفوظ ہیں جو اسی مدرسۂ محمود گاواں کے قریب ہی رہتے ہیں۔ اور جن کے نوادر کے ذخائر جمہوریہ ہند کے صدر اور وزیر اعظم وغیرہ بھی دیکھ کر پسند کر چکے ہیں۔

اس تاریخ کے ابتدائی اوراق غایب ہیں۔ بحالت موجودہ یہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے:۔

"اس سے امام المدرسین کے خاندان ولدی و مادری کے اعزاز و مراتب کا حال بخوبی ظاہر ہے۔ اور یہ تمام واقعات مولانا شاہ حبیب اللہ نے اپنے ملفوظات میں بالتصریح تحریر فرمائے ہیں۔ شائقین ادھر رجوع کریں"

یہ نسخہ خود مصنف کا مسودہ ہے اور اس میں جگہ جگہ انھوں نے مبیضہ نویس کے لئے اشارے لکھے ہیں اور اکثر عبارتوں میں کمی وبیشی بھی کی ہے۔ صفحات کے نیچے اپنے ماخذوں کے حوالے اور تصریحات تفصیل سے لکھی ہیں اور کئی قدیم تاریخوں کے نام اور ان کے اقتباسات بھی درج کئے ہیں۔

چونکہ یہ ایک مشہور بزرگ اور مصنف کی مکمل سوانح حیات ہے اور اس میں بیدر کے

مشہور مدرسہ محمود گاواں کے بجلی گر کر انہدام کی تاریخی تفصیلات درج ہیں ۔ اور اس کا کوئی اور نسخہ کسی اور کتب خانہ میں موجود نہیں ہیں ۔ اس لیے دکن کی تاریخی کتابوں میں یہ مخطوطہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ۔

اس کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :-

"تینوں فرزندان سن تمیز کو پہونچکر علوم ظاہری و باطنی میں اعلےٰ درجہ کے کامل گذرے اور باپ کے طریقہ پر چلتے رہے ۔ اپنے فیضان کی برکت سے فائدہ عوام کے باعث ہوئے ۔"

اس کے نیچے ترقیمہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کے خاندان کا شجرہ بھی مولف نے منسلک کیا تھا ۔ مگر وہ اس میں محفوظ نہیں ہے ۔

"شجرۂ اسمائے خاندان امام صاحب منسلک ہے ۔ جس سے اولاد اجداد کی تفصیل معلوم ہوگی ۔ راقم محمد رفیع الدین وکیل ۔"

اوراق ۔ ۱۴۱ سطور فی صفحہ ۔ ۱/۲ ۸ × ۶ ۔

۶۳۹ - دیوان شہوار - از شہوار قادری شاگرد مشتاق دہلوی ۱۲۳۰ھ - کلام اردو

شہوار قادری غالباً کرنول کے رہنے والے تھے ۔ اور عہد سکندر جاہ آصفجاہ ثالث میں ملک محمود جوہر کی طرح حیدر آباد چلے آئے تھے اور حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی شاگرد خواجہ میر درد سے (جو اس دور میں ماہ لقا بائی چندا کی ڈیوڑھی میں متیم تھے) استفادہ کیا تھا ۔ انہوں نے اپنے ایک اور استاد جوہر کا بھی اپنے کلام میں ذکر کیا ہے ۔ گمان غالب ہے کہ یہ وہی غلام حسین خاں جوہر بیدری ہوں گے ۔ جنہوں نے ماہ لقا بائی کے حکم سے انہی کے یہاں رہ کر تاریخ ماہنامہ مرتب کی تھی ۔ اس دیوان میں ایک جگہ شہوار نے جوہر کی ایک فارسی نظم کی تضمین بھی کی ہے ۔ اس نظم میں کرنول کے ایک بزرگ حضرت معصوم شاہ مجذوب کے عرس کی دھوم دھام بیان کی ہے ۔ اور جوہر کے قطعہ تاریخ وفات شاہ معصوم اولیا کو بھی درمیان میں درج کر دیا ہے ۔ جس میں جوہر کو اپنا قبلہ گاہ لکھا ہے ۔ جو بالعموم والد یا استاد یا مرشد کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ چونکہ شاعر کے تخلص شہوار اور جوہر میں بھی مناسبت ہے اس لئے فی الحال یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جوہر شہوار کے والد تھے یا وہی جوہر بیدری ہیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے ۔ اس نظم کے چند بند یہ ہیں (ورق ۶۸ ب) سے

لاتے ہیں جو مراد مسند احوم وہاں سے پھرتا نہیں کوئی محروم

مرتبہ ان کا کسی کو کیا معلوم　　اولیائے مکرم و مرحوم
یعنے کرنول میں بڑی ہے دھوم
ہے بپا عرس حضرت معصوم

گیارہ سو ساٹھ دو سن ہجری ۱۱۶۲　　خاتم المرسلیں کی بھی تھی
ہوئی کرنول پر تباہی بھی　　پائی طغیانی ہیندری ندی
یعنے کرنول میں بڑی ہے دھوم

دو ہیں دروازے بہر مجرائی　　ایک چوبی دگر ہے نتھرائی
انکی تاریخ حسن سے اے بھائی　　ہے مرے قبلہ گاہ نے پائی
یعنے کرنول میں بڑی ہے دھوم

شاہ معصوم اولیا چو نہاد　　قدم خود بخلد بسم اللہ
سال رحلت شنیدہ ام چو ز　　آفتاب لقمر نگر باللہ
یعنے کرنول میں بڑی ہے دھوم

جمع وہاں خلق عام ہوتی ہے　　عرس کی دھوم دھام ہوتی ہے
جبکہ شہوار شام ہوتی ہے　　روشنائی تمام ہوتی ہے
یعنے کرنول میں بڑی ہے دھوم

شاہ معصوم اولیا کرنول میں نواب ان ست خاں کے عہد کے بہت بڑے صوفی اور صاحب خرق عادات بزرگ تھے۔ وہ شاہ علی گنج گوہر آسیری کے مرید تھے۔ تذکرۂ اولیائے دکن مرتبہ عبدالجبار خاں ملکاپوری میں ان کے حالات اور خرق عادات جلد دوم صفحہ ۹۴۹ پر درج ہیں۔ لیکن ٹھیک تاریخ وفات ان کو معلوم نہ ہوسکی تھی اس لئے اندازہ سے ۱۱۷۵ھ لکھا تھا جو اس مخطوط کی مندرجہ بالا نظم سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ شاہ معصوم دراصل ۱۱۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ اور قلعۂ کرنول کے اندر دفن کئے گئے۔ ان کی درگاہ کی تفصیلات بھی اس نظم میں محفوظ ہوگئی ہیں۔

شاہ معصوم کے خلیفہ اور جانشین شاہ میکن ولد سید محمد بخاری تھے جو اپنے وطن سمانہ سے کرنول آئے تھے۔ انہی کی دعا اور تائید سے منور خاں نواب کرنول ہوئے تھے۔ ان کی تاریخ وفات ملکاپوری نے ۱۱۸۰ھ لکھی ہے اور مدفن بیرون قلعہ کرنول بیان کیا ہے۔ (جلد دوم ص ۹۵۰۔ ص ۹۵۲)۔

شہوار قادریہ سلسلہ میں مرید تھے۔ چنانچہ ایک نظم میں اپنے عقاید کے سلسلہ میں لکھتے

ہیں۔ (ورق ۲۴ب) سے

میں فدوی ذلیل بشیر و نظیر ہوں — اور بے درم غلام جناب امیر ہوں
آلِ حسن حسین کا بندہ حقیر ہوں — اولادِ فاطمہ کا ثنا خواں فقیر ہوں

ہر چند مبتلائے گناہ کبیر ہوں
دل سے مرید حضرت پیرانِ پیر ہوں

آلِ رسول فاطمہ کے دل کے چین ہیں — اور مرتضیٰ علی کے یقیں نورِ عین ہے
پوتے حسن کے سبط حضرت حسین ہیں — دینِ نبی کے نام خدا زیب و زین ہے

میں سلسلہ میں قادریہ کے اسیر ہوں
دل سے مرید حضرت پیرانِ پیر ہوں

ہے چشتیہ گھرانے سے بس مجھکو اعتقاد — اور خاندانِ قادریہ کی ہے دل میں یاد
لوں نام دستگیر تو بر آئی ہے مراد — شہوار ہوں سخن کے جو اہر ہیں زیاد

گو فدوی مہین و فریہ و نضیر ہوں
دل سے مرید حضرت پیرانِ پیر ہوں

شہوار نے اپنے اساتذہ کا ذکر ایک غزل کے مقطع میں اس طرح کیا ہے سے

استادِ کلاں حافظ مشتاق ہیں شہوار — اور حضرت جوہر
پھر دوسرا شاعر کرے کیا چوں مرے آگے — ہوں اب میں زبردست

شہوار کے اس دیوان میں بعض نظمیں اور غزلیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد میں کچھ زیادہ کامراں اور سرخرو نہیں رہے۔ ایک نظم کے چند منتخب شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں جن سے اس دور کے حالات اور شاعر کی ذہنی کیفیات کا پتہ چلے گا سے

یہ وہ سرکار ہے یہاں لاکھوں پلے جاتے ہیں — ایک ہم ہیں سو بہ امید گلے جاتے ہیں
سایۂ بال ہما کا ہے اثر کہتے ہیں — مکہ مسجد کے جو سایہ کے تلے جاتے ہیں

کچھ عرصہ قبل تک یہ مشہور تھا کہ مکہ مسجد کے صحن میں سنگ موسیٰ کے جو تراشیدہ تخت عہد قطب شاہی سے رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک تخت کی یہ خصوصیت ہے کہ جو کوئی اس پر ایک بار بیٹھ جاتا ہے وہ پھر حیدرآباد ہی کا ہو کر رہتا ہے۔ اگر حیدرآباد سے چلا بھی جائے تو پھر ضرور واپس آئے گا لیکن شہوار کے اس شعر سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ اُن کے زمانہ میں مکہ مسجد کے سایہ میں سایۂ بال ہما کا اثر مانا جاتا تھا۔ یعنے جو اس کے سایہ میں آگیا اس کو شادمانی و کامرانی نصیب ہو گئی۔ اسی سلسلہ میں شہوار اپنا کچھ اور حال

لکھتے ہیں ؎

طلب خاص پہ ہم حاضر دربار ہوئے محض ناکار تھے پر کار سے باکار ہوئے
ہیں بیک وضع پہ سرکار میں ہم بار ہوئے واہ کیا دو ہی ملاقات میں بیزار ہوئے
لیجے آداب کہ ہم آپ چلے جاتے ہیں

ست نغموں کو ہوا جیسے ہے دربار میں بار بیتے سرگوش ہیں جیوں زلف سیہ رو ہر بار
صاحب فضل کا رہنا نہیں ہوتا ہے بکار گرچہ خوش خلق ہیں جیوں گل پہ سدا صورت خار
یاں کے لوگوں کے ہم آنکھوں میں کھلے جاتے ہیں

آخری مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حیدر آباد نے شہوار کی خاطر خواہ قدر و منزلت نہیں کی ایک اور نظم میں اپنے حالات کے سلسلہ میں زمانہ کی ناقدری اور اپنے بے وسیلہ و بے زر ہونے کی نسبت لکھتے ہیں (ورق ۹۵ ب) ؎

کجی کرے ہے اگر مجھ سے پیر چرخ کہن ہے تس پہ دردیشی کی روش پہ دور زمن
تمام اہل جہاں بھی اگرچہ ہیں دشمن بہ فکر دل ہوں گرفتار درد رنج و محن
مدد پہ اپنی جو شہوار ہیں گے پانچوں تن
محمدؐ است و علی فاطمہ حسین و حسن

نہیں زمانے میں مجھکو کسی امیر سے کام نہ بادشاہ سے مطلب نہ کچھ وزیر سے کام
مشائخوں سے نہ مقصد کسی فقیر سے کام مدد جوان سے چاہتا ہوں اور نہ پیر سے کام
مدد پہ اپنی جو شہوار ہیں گے پانچوں تن
محمدؐ است و علی فاطمہ حسین و حسن

نہ کیونکہ شہرۂ عالم رہو اپنی بے دہنی ہے باوجود سخن گوئی ہم کو بے سخنی
اگرچہ فکر ہے مجھکو وطن میں بے وطنی . . . . منعموں کے دل ہے غنی
مدد پہ اپنی جو شہوار ہیں گے پانچوں تن
محمدؐ است و علی فاطمہ حسین و حسن

میں بحر فکر میں غرقاب گو ہوں اے شہوار کہ بے وسیلہ ہوں بے سیم و زر ہوں اے شہوار

اس میں شبہ نہیں ہے کہ شہوار ایک فطری شاعر تھے۔ ان کے کلام میں بڑی روانی ہے اور وہ غزل اور نظم دونوں میں قادر الکلام ہیں۔ ان کے اس دیوان میں اکثر غزلیں مستزاد اور بڑی خشک زمینوں میں بھی ہیں مثلاً ایک غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے ؎

کیا عشق بھٹ تم نے مجھے میل کے غٹ میں اے سائیں جی جھٹ پٹ

کیا خوب پلٹ داؤ ہے عشقوں کے اولٹ میں اے سائیں جی جھٹ پٹ۔
جو گھمٹ میں وہی گھٹ میں وہی پٹ میں وہی ہے اپ دیکھ لے ہشوار۔
کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہو اوسے مرقد و مٹ میں اے سائیں جی جھٹ پٹ۔

ہشوار نے اپنی اکثر غزلوں اور نظموں میں کسی سائیں جی سے مخاطبت کی ہے۔ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ سائیں جی ان کے مرشد تھے یا وہ خود کو سائیں جی کہتے تھے ایسے چند شعر یہ ہیں۔

اے سائیں جی یہ گنبد گردوں مرے آگے	آتا ہے نظر پست
اب لاؤ نہ جام سے اُگل گوں مرے آگے	سرشار ہوں اور مست

اے سائیں جی نبی کا نواسہ لب فرات	تھا خشک لب کھڑا
یعنے علی کے دل کا دلاسا لب فرات	تھا خشک لب کھڑا

اس عشق کے گن کیا کہوں اے سائیں جی باشا	ہے زور بتاشا
ہے جام جہاں میں کہیں شیشہ کہیں پاشا	ہے زور تماشا

سائیں جی نظر آتے ہو گفتار میں گستاخ	گفتار میں گستاخ
تم سا نہ فقیروں کے ہے دربار میں گستاخ	دربار میں گستاخ

ہشوار نے غزلوں سے زیادہ مخمس، مسدس اور دیگر ترکیب بند لکھے ہیں جن میں سودا، ظفر اور ناسخ کی غزلوں کی تضمینیں بھی کی ہیں۔ زیادہ تر کلام آلِ نبی کی منقبت، نوحوں اور مرثیوں سے متعلق ہے۔

اس دیوان میں فارسی اور ہندی نظمیں بھی شامل ہیں اور یہ پورا مجموعہ خود ہشوار ہی نے قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ بعض نظموں پر "لمحررہ" لکھا ہوا ہے۔ چونکہ اس کا کوئی اور نسخہ کہیں اور کتب خانہ میں موجود نہیں ہے اس لئے یہ مخطوطہ بہت زیادہ اہم اور قابلِ قدر ہے۔ خط نستعلیق شکستہ میں بطور بیاض لکھا گیا ہے اور جگہ جگہ الفاظ اور مصرعے بدلے گئے ہیں۔ کاغذ باریک انگریزی ہے اور اکثر جگہ بودا ہو گیا ہے۔

یہ دیوان ردیف وار مرتب کیا گیا ہے۔ ابتدا باب الالف سے کی ہے اور اس باب کی پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:-

اے سائیں جی اس میل سے ہر بار ہمارا — ہے عشق صدا را
اور سرگروا ذلی کو شناہ بجو خدارا — ہے عشق صدارا

آخری حصہ ناقص ہے۔ اوراق نیچے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ آخری شعر یہ ہے ؎

ہیں فدا معشوق ظاہر پر شاباش عشق ہے
جو کہ پابند مجازی ہیں انہیں کب عشق ہے

۱۰۰ ورق۔ فی صفحہ کہیں ۹ اور کہیں کم زیادہ شعر ہیں۔ ۸" × ۶"۔

۶۴۰۔ مرثیہ دبیر و شہر آشوب احسان وغیرہ۔ مکتوبہ ۱۲۲۳ھ و ۱۲۸۷ھ۔ کلام اردو

اس مخطوطے میں مرزا سلامت علی دبیر کے مرثیے دکن کے ایک مشہور مورخ میر احمد علی موسوی مولف جدول شکیات نماز و مسیح و مرتب گلزار آصفی نے ۱۲۸۷ھ میں نقل کیے ہیں اور اس مخطوطے کی اہمیت اس کے کاتب ہی کی وجہ سے ہے۔ پہلے مرثیہ کا پہلا بند یہ ہے ؎

بانو پکاری اصغر میرا ہچکی لے لے روتا ہے — دودھ کی خاطر میرا بچہ تڑپ تڑپ جی کھوتا ہے
گھڑیوں تھپکی پہروں سلائی پھر بھی نہ دودم سوتا ہے — دیکھیں میری قسمت کا اب کے لکھا کیا ہوتا ہے
ننھے تیرے اس مکھڑے کی جانی بلائیں لیتی ہوں
سو رہے بچے سو رہے ننھے کب سے لوری دیتی ہوں

آخری مرثیہ کا آخری بند یہ ہے ؎

وا ری میری زینب کو گے سونپ کے آئے — بیٹا میری بیٹی کہیں بندی میں نہ جائے
بولا تن بے سر کہ خدا اوس کو بچائے — کیا حال بہن کا ہمیں شبیر سنائے
بلوے میں ید اللہ کی پیاری گئی اماں
چادر سرِ زینب سے اتاری گئی اماں

ترقیمہ یہ ہے:-

"تمت المرثیہ من تصنیف دبیر۔ بخط خام عاصی میر احمد علی موسوی ۱۲۸۷ھ"

میر احمد علی موسوی حیدر آباد کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جن کو علم و فضل کے علاوہ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا۔ چنانچہ ان کی ایک تالیف جدول شکیات نماز مع مسائل متعلقہ ۱۳۰۰ھ کے قریب چھپ چکی تھی اور جنہوں نے ۱۳۰۸ھ میں خان زماں خاں خواجہ غلام حسین خاں کی تاریخ گلزار آصفیہ کو بعد تصحیح و تنقیح حیدر آباد کے مطبع محمدی سے شایع کرایا تھا۔ میر احمد علی حیدر آباد کے مشہور دیوان میر ابوالقاسم میر عالم کے ہم جد

تھے۔ چنانچہ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

میر احمد علی ابن میر ابو القاسم ابن میر حسن ابن سید عبد المہدی ابن سید عبد اللہ ابن نور اللہ ابن شوستری ابن سید نعمت اللہ جزائری۔

نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی نواسی منور النساء بنت شہزادی ریاض النساء بیگم میر احمد علی کی دادی یعنی میر حسن کی بیوی تھیں۔ اس طرح ان کا تعلق آصفی خاندان سے بھی تھا۔ اور ان کا مکان پرانی حویلی کے عقب میں کمان ایلچی بیگ سے متصل واقع تھا۔ انہوں نے اور بھی کتابیں لکھی تھیں۔ جیسا کہ اس مخطوطے کے خط سے ظاہر ہوتا ہے وہ اعلےٰ پایہ کے خطاط بھی تھے۔

یہ مخطوطہ دیوان شہوار ہی کے ساتھ ایک ہی جلد میں منسلک ہے۔

اس مخطوطے کی ابتدا میں نواب بہرام جنگ کے فرزند حیدر آباد کے مشہور شاعر میر عباس علی خاں احسان (متوفی ۱۲۳۰ھ) کا حسب ذیل شہر آشوب درج ہے جس کی پیشانی پر کسی نے لکھا ہے کہ "شروع کے چار بند بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے" اور اس مخطوطہ میں صرف یہی چار بند موجود ہیں۔

احسان اس دور کے ایک زبردست ہجو گو شاعر تھے۔ ان کی اکثر ہجویں بہت مشہور ہیں۔ (دیکھو داستان ادب حیدر آباد مؤلفہ۔ ص۹۵) اس ہجو میں نواب سکندر جاہ اور ان کے دیوان میر عالم کی ہجو لکھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مخطوطے میں صرف ابتدائی چار بند ہی محفوظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی طویل نظم تھی۔ موجودہ بند یہ ہیں:-

عجب طرح کی ریاست ہے اور عجب ایام — نشان نظم کا کچھ ہے نہ کچھ نسق کا نام
نہ ملک سے ہے غرض کس کو نا سپاہ کا کام — رئیس کے تئیں ٹھہرے ہے علت سرسام
وزیر ہے سو گرفتار ہے بمرض جذام
کہاں بتاؤں دکانیں اور کدھر حمام

ہے میر عالم دیوان کا تم سنو احوال — پڑے ہی رہتے ہیں مسند پہ اپنی ہو کے ڈھل
نہ فکر مال کی ان کو نہ ملک کا ہے خیال — اسی ہی پیچ میں کٹتے ہیں ان کے تئیں مہ و سال

حساب کا تو نہیں فہم ان کے تئیں زنہار — معاملے سے بھی مطلق کبھی نہیں سروکار
تو قلعہ والی کے تئیں لکھے اک تف ہے نار — ہوا ہے ان کو تو صورت پہچاننا دشوار
وہ آنکھیں پھیر کے دیکھیں کریں جو کوئی سلام
جنازہ سمجھے ہیں ہیں کو ان کے خاص و عام

سواری ان کی نکلتی ہے جب بحالِ تباہ | نہ دور باش پکارے کوئی نہ پیش نگاہ
جلو میں ان کے جو ہیں چوبدار بھر کر آہ | پکاریں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

عباس علی خاں احساں نواب ارسطو جاہ کے طرفداروں میں تھے چنانچہ انہوں نے بھی نزاکت شفیق کی ایک ہجو "ارسطو جاہ" کا جواب اسی ہجو میں اشعار کا اضافہ کر کے دیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ میر عالم کی نظر میں معتوب رہے ہوں۔

بہرحال اس نظم سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نظام علی خاں، آصف جاہ ثانی اپنے آخری ایام میں ارسطو جاہ کے زیر اقتدار آ گئے تھے۔ اور اپنی علالت کے باعث ڈیوڑھی سے باہر کم ہی نکلتے تھے اکبر علی خاں آصف جاہ ثالث بھی آخری زمانہ میں علت سرسام کیا گرفتار تھے۔ اور ان کے دیوان میر عالم جذام میں مبتلا تھے۔ اور ریاست کا کاروبار درہم برہم ہو رہا تھا۔ اس قسم کی باتیں مورخوں کے قلم سے نہیں نکل سکتیں۔ شاعروں اور ادیبوں کی تحریریں ہی میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ سلطنت آصفیہ کے قیام تک اس سلسلہ کے بادشاہوں اور ان کے وزرائے اعظم کی ہجو و مذمت غداری کے مترادف تھی اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قسم کی باتیں لکھیں لیکن احساں نے عین عروج سلطنت کے زمانہ ہی میں بادشاہ اور دیوان وقت کی یہ کیفیت سپرد قلم کر دی تھی۔

اس ہجو کے بعد اس مخطوطے میں کسی اور دکنی شاعر فوق کا کلام درج ہے جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان کی ایک غزل کا مطلع ہے۔

حشر کے دن یکم قریب خسرو عالم ہیں
فوق کو حاشا نہیں مولا دکن کی آرزو

اس کے نیچے ۱۲۲۲ھ درج ہے جس سے غالباً ان اوراق کا سنہ کتابت ظاہر کیا گیا ہے۔

بعض اوراق کے نچلے حصے ضایع ہو گئے ہیں۔

۱۷ ورق۔ ۶ اشعار فی صفحہ۔ ۸" × ۶"۔

۱۴۶۔ تفسیر سورۂ یوسف۔ از معین الدین۔ قبل ۱۲۵۲ھ۔ نظم و نثر فارسی

اس مختصر سے رسالہ میں سورۂ یوسف کی تفسیر مختلف فارسی کتابوں اور احادیث کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ اس کے مرتب کوئی معین الدین ہیں جنہوں نے تفسیر حدایق الحقایق کی بھی تصحیح کی تھی۔

اس کا آغاز بعد حمد و نعت اس طرح سے کیا ہے ۔

" حافظ شیراز قدس سرہ

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

حکایت آوردہ اند کہ ابراہیم ابن شیبان ہمراہ استاد خویش شیخ عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہما بصحرا بیروں شدند "

آخری عبارت یہ ہے :۔

" جبرئیل علیہ السلام منع نمی فرمود کہ ہنوز اہل ہود منقضی نگشتہ وہنگام ازکشاف کروب از ضمیر منیر یعقوب علیہ السلام نرسیدہ و بازاں صحیفہ در خزینہ محزوں می ساختم و بہم و اندوہ و فراق می پرداختم ۔ "

اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے البتہ پہلے ورق کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے ۔

" از تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام چند مقامات نوشتہ شد نام مولف ایں معین الدین است کہ ہم از ایشاں صحت تفسیر حدایق الحقایق ۱۲ "

شکستہ آمیز نستعلیق میں لکھا گیا ہے ۔ عنوانات اور آیات قرآنی سرخ روشنائی میں ہیں ۔ ۱۶ ورق ۔ سطور فی صفحہ ۱۶ ۔ ۱۲" × $\frac{1}{2}$ ۶" ۔

۶۴۲ ۔ انتخاب منطق الطیر و فواید صلوٰۃ تہجد ۔ مثنوی فارسی و اردو

تفسیر سورۂ یوسف ہی کے کاتب نے مثنوی منطق الطیر سے تقریباً ۱۰۰ ابیات نقل کی ہیں " پوست پوشیدن مجنوں و باگلہ بہ قبیلۂ لیلےٰ رفتن " کے عنوان سے شروع ہوتی ہیں ۔

اہل لیلےٰ نیز مجنوں را دمے ۔۔۔ در قبیلہ رہ ندادندے ہمے

داشت چوپانے دراں صحرا و دشت ۔۔۔ پوستی بستد از و مجنونِ مست

آخری ابیات یہ ہیں ۔

چوں بدید ابلیس موسیٰ را براہ ۔۔۔ گشت از ابلیس موسیٰ عذرخواہ

گفت دایم یاد دار ایں یک سخن ۔۔۔ من مگوتا تو نگردی ہمچو من

اس کے بعد دوسرے صفحے سے اردو نثر میں فواید صلوٰۃ تہجد درج کیے ہیں ۔ جو آیات قرآنی و احادیث کی تشریح کے طور پر قلمبند ہوئے ہیں ۔

ابتدا اس طرح ہوتی ہے :۔

" حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی سے منقول ہے کہ بعضے لوگوں نے بعد ان کی وفات

کے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے ۔"

آخری عبارت یہ ہے :۔

"وبس ہے مجھ کو سوال کرنے سے آگاہی اس کی میرے حال پر یعنے میرا حال اس پر ایسا روشن ہے کہ کچھ کہنے کی احتیاج نہیں ہے ۔"

۵ ورق ۔ ۱۷ سطور فی صفحہ ۔ ۱۲" × ۷ ۱/۲" ۔

۶۴۳ ۔ ریاض العارفین ۔ اسحٰق بیجاپوری ۔ ۱۲۰۶ھ ۔ مثنوی اُردو

اسحٰق بیجاپور کے رہنے والے ایک شاعر تھے جو ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۲ سال کی عمر میں بمقام مدرا (مدورا قریب ترچناپلی) یہ مثنوی لکھی ہے ۔ اس میں تقریباً چھ ہزار ابیات ہیں اس طرح یہ دکن کی آخری طویل مثنویوں میں سے ہے ۔ اس کے اور دو نسخے ادارے میں ہیں اور ان کی تفصیلات تذکرۂ مخطوطات جلد دوم کے صفحات نمبر ۲۱۴ و ۲۱۵ پر موجود ہیں ۔ اور ان کی تفصیلات تذکرۂ مخطوطات جلد دوم کے صفحات ۷۰ ۔ ۷۶ پر شایع ہو چکی ہیں ۔ زیر نظر مخطوطہ مچھلی بندر میں ۱۲۵۹ھ میں نقل کیا گیا ہے ۔ ادارے کے مذکورہ دونوں نسخوں میں سنہ کتابت درج نہیں ہے لیکن وہ دونوں بھی جنوبی ہند ہی میں نقل کیے گئے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰق کی یہ مثنوی عرصہ تک میسور اور کرناٹک کے علاقوں میں مقبول رہی تھی ۔

اس کا آغاز اور اختتام انہی ابیات پر مشتمل ہے جو نسخہ ۲۱۴ کے بیان میں درج کی گئی ہیں ۔ ترقیمہ مکمل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد درویش حسینی نے قاضی محمد حمیدالدین کی فرمایش پر بمقام مچھلی بندر نقل کیا ہے ۔

"واختتم الکتاب ریاض العارفین در ۱۲۵۹ ہجری نبوی ..... حسب الفرمایش جناب معلےٰ القاب سپہر رکاب مولانا مولوی قاضی محمد حمیدالدین صاحب وقبلہ در شہر بندر مچھلی پٹن شروع بروز جمعہ بعد از نماز ظہر و اتمام ہم ،بروز جمعہ بعد از نماز ظہر از دست فقیر حقیر عاجز کیش محمد درویش الحسینی ..... باتمام رسید ۔"

اس مثنوی کے آغاز سے قبل ایک صفحہ پر اس کی ۱۱ فصلوں کی فہرست مع صفحات دی گئی ہے اور پہلے ورق کے حاشیہ پر ایک عمدہ مستطیل مہر ثبت ہے جس پر نقش ونگار کے درمیان محمد حمیدالدین ۱۲۵۴ کندہ ہے ۔ اس کے نیچے حسب ذیل عبارتیں درج ہیں ۔

۱ ۔ "الملک الحقیقی ہو اللہ سبحانہٗ والمجازی محمد حمیدالدین عفی عنہٗ وعن اسلافہٗ ۔"

۲ ۔ "ریاض العارفین از ملک والد مرحوم بہ نصیب من رسیدہ است محمد سعیدالدین ۔"

۳۔ "از والد مرحوم بحق محمد اصحاب الدین رسید۔ فقط محمد اصحاب الدین"۔
گویا مالک کتاب کے خاندان کی تین نسلوں کے دستخط اسی سرورق پر محفوظ ہیں۔ سید الدین اور حمید الدین سے متعلق کئی اور کتابیں بھی ادارے میں موجود ہیں۔
اس مثنوی کے بعد دوسرے چار صفحات پر مختلف شعرا کا اردو کلام درج ہے جس کی تفصیل یہ ہے:
۱۔ شاہ بابو کی ایک نظم جس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:—

پہلا شعر:—
ہوشیار ہو تیار ہو جانا تجھے بہت دور ہے
تیرا وطن در خاک میں بندہ خدا ہوشیار ہو

آخری شعر:—
بابو شہا بولے بچن کھلاتے پیے خوش رہو انند
ایمان اپنا رکھ بتن بندہ خدا ہوشیار ہو

۲۔ مثنوی جعفر زٹلی جس کی ابتدائی اور آخری بیت یہ ہے:—

سنو اے طوطی روحانی من — کہ پر الفت بہ رنگیں پنجرۂ تن
بیا جعفر توکل پر قدم رکھ — خدا کا یاد دل میں دم بدم رکھ

۳۔ مثنوی جس میں دین و دنیا کو حقیقی بہنیں قرار دیا ہے اور ان دونوں کو ایک ساتھ حاصل نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کی پہلی اور آخری بیت یہ ہے:—

اس طرح فرمایا ہے رب البشر — جمع دو بہنوں کے تیئں ہرگز نہ کر
یہ مثل مشہور ہے در خلق و عام — دو بہن یک مرد پر ہوتے حرام

اس مخطوطہ کا کاغذ اور خط بہت عمدہ ہے۔ اہتمام سے نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ متن کے علاوہ حاشیہ پر بھی قدیم کتابوں کی طرح ابیات لکھی گئی ہیں۔
مخطوطات نمبر ۶۴۱ تا ۶۴۳ ایک ہی جلد میں شامل ہیں۔
۹۰ ورق۔ متن میں ۱۷ سطور فی صفحہ۔ "۱۲ × "۶ ½۔

۶۴۴۔ مراثی۔ ضمیر۔ دبیر و مشیر۔ کلام اردو

اس مخطوطہ میں لکھنؤ کے مشہور مرثیہ نگاروں ضمیر اور دبیر کے مراثی درج ہیں جو اواخر ۱۲۴۴ھ و اوائل ۱۲۴۵ھ میں نقل کیے گئے ہیں۔ پہلا مرثیہ ضمیر کا ہے جو مسدس کے ۷۰ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے:—

عباس نکلے خیمے سے روتے بصد ملال — میداں میں جا کھڑے ہوئے پیش صف قتال
حضرت کی رزم و جنگ کا کیونکر لکھوں میں حال — اب تجھ سے یہ دعا ہے کرلے رب ذوالجلال

قبر ضمیر روضۂ شہ سے قریب ہو
دیدار کربلائے معلا نصیب ہو

اس مرثیہ کی کتابت ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ میں تکمیل کو پہنچی ہے۔ اس کے ابتدائی بند کے چاروں مصرعوں کے ابتدائی الفاظ ناقص جلد سازی کی وجہ سے جلد کے اندر چلے گئے ہیں اس سے پورا بند صحیح نہیں پڑھا جاتا۔

دوسرا مرثیہ دبیر کا ہے جس کی کتابت ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کو تمام ہوئی۔ اس کا پہلا بند یہ ہے:

جب محفل عالم میں شہ دین کا سر آیا ... سر آیا کہ خورشید فلک سے اتر آیا
جبریل بھی بالائے ہوا نوحہ گر آیا ... سایہ کئے شبیر کا سر شاہ پر آیا
نے تاج نہ عمامہ نہ مندیل تھی سر پر
صدقے سر و سامان شہ جن و بشر پر

اس مرثیہ میں کل ۴۷ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے:

زینب کی فغاں سے ہوا اک حشر کا ساماں ... خاموش دبیر اب نہیں تقریر کا امکاں
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے سید ذیشاں ... سو جان سے میں تیرے تصدق ترے قرباں
اس مرثیہ پر صاد کرو اے مرے آقا
اور جلد مجھے یاد کرو اے مرے آقا

اس کے بعد ایک طویل مرثیہ شروع کیا ہے جو ناقص الآخر ہے لیکن بحالت موجودہ بھی اس میں ۱۱۱ بند ہیں۔ پہلا بند یہ ہے:

خورشید فلک عکس دُر تاج علی ہے ... کرسی سے فزوں پایۂ معراج علی ہے
مریم سے سوا رتبۂ ازواج علی ہے ... خالق کے سوا جو ہے وہ محتاج علی ہے
یہ قاسم رزق ملک و جن و بشر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

اس مخطوط کا آخری مرثیہ مشیر کا ہے جو ناقص الاول ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے:

زینب کے اس کلام سے محشر ہوا بپا ... ماتم سبھوں نے گرد سر شاہ دیں کیا
بس اے مشیر مانگ خدا سے یہ اب دعا ... ابن علی میں رکھو مجھے اب رب دوسرا
صحت کی کب امید تھی مجھ خاکسار کو
کیا خوار کر دیا ہے علی نے بخار کو

مشیر غالباً اسی سلسلۂ ضمیر کے مرثیہ گو تھے۔ تذکرہ بے نظراں میں ایک شاعر عنایت حسین خاں مشیر شاگرد اسیر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس مرثیہ کے نیچے تاریخ کتابت "بجریدہ ہشتم شہر صفر المظفر ۱۲۳۵ ہجری" لکھا ہے کاتب نے نہ اپنا نام لکھا ہے نہ مقام کتابت۔ خط شکستہ آمیز نستعلیق کاغذ ناقص اور باریک ہے۔

۲۲ صفحات۔ فی صفحہ ۶ بند۔ ۸ × ۶۔

۶۴۵۔ فقہ اعظم۔ از افضل ۱۲۷۳ھ۔ مثنوی اردو

یہ تقریباً دو سو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں ایک شاعر افضل نے مشہور فارسی مثنوی "نام حق" کے مضامین کو اردو میں نظم کیا ہے۔ وہ اس کے سبب تالیف میں لکھتے ہیں ؎

عرض کرتا ہے افضل بے مغز	کہ ہے دربیش اک اہم نغز
اس زمانے میں جو ہیں کم مایہ	ہیں جو نافہیموں سے ہم پایہ
طبع ان کی نہیں ہے جو حاضر	عربی فارسی میں ہیں قاصر
کچھ سمجھتے بھی ہیں تو وہ اردو	اور علموں میں ہیں وہ بے قابو
کب وہ ماہیت خدا جانیں	حال صوم و صلوٰۃ کیا جانیں
عربی فارسی میں ہیں یہ بیاں	ہیں انہی دونوں میں جو کچھ ہیں نشاں
اس لئے یہ فقیر ہیچ مداں	کھولتا ہے بس اب زبان بیاں
مسئلے سب زبان اردو میں	نظم کرتا ہوں وقت نیکو میں

اِن ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ افضل کو زبان اور بیان پر قابو حاصل تھا۔ انہوں نے نہایت رواں اور سلیس مثنوی لکھی ہے۔ ابتدا قدیم مثنویوں کی طرح حمد و نعت وغیرہ سے کی ہے۔ دیگر عنوانات یہ ہیں:۔

طہارۃ۔ فرض وضو۔ سنت ہائے وضو۔ مستحبات وضو۔ مکروہات وضو۔ نواقض وضو۔ غسل۔ سنت غسل۔ مقدار آب وضو و غسل۔ موجبات غسل۔ تیمم۔ فرایض نماز۔ واجبات نماز۔ سجدۂ سہو۔ سنہائے نماز۔ تعداد رکعات فرض شبا روزی۔ سنہائے شبا روزی۔ روزہ۔ خاتمۃ۔ خاتمۃ کے حصہ میں لکھا ہے کہ ؎

ایک دن "نام حق" پڑھتا تھا	جی میں یہ بار بار آتا تھا
مسئلے سب اسی کے اردو میں	طبع صافی سے نظم ہو جائیں
تھا اسی فکر میں کہ چند احباب	اہل علم و فضیلت و القاب

مجھ سے درخواست یوں لگے کرنے | کہ لکھے ہیں مسائل اکثر نے
ہیں مگر فارسی میں وہ منظوم | نہیں ہوتے عوام کو معلوم
آپ اردو میں اس کو نظم کریں | زینت طبع اہل بزم کریں
میں نے ان کے لئے قبول کلام | نظم کرکے یہ کی کتاب تمام
عرض افضل ہے یا خدائے کریم | زیر ہو جائے مجھ سے نفس لئیم وغیرہ۔

اس مثنوی کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

نام حق ہے عجب پیارا نام | دل سے جو لے بر آئیں اس کے کام
صانع ہے جوارح و آلات | جس کی بے چون و بے چگون ہے ذات

آخری ابیات یہ ہیں جن میں کتاب کا نام اور سنہ تاریخ درج ہے ؎

اور ہو خاتمہ بخیر میرا | اے خداوند عرش و ارض و سما
بعد انجام نسخۂ نورس | نام تاریخ کی ہوئی جو ہوس
غیب سے یہ ہوا مجھے ارشاد | نام رکھ نعمت اعظم عباد

۱۲۷۳

اس حصۂ مثنوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افضل کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ ان کا گھر خالی نہ رہے۔ اور قرضداری سے نجات حاصل ہو۔

یہ نسخہ قدیم دیسی کاغذ پر انگریزی بلو بلاک روشنائی سے شکستہ خط نستعلیق میں تیرہویں صدی کے اواخر میں نقل کیا گیا ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۱۵ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - $\frac{1}{2}$۱۰" × $\frac{1}{2}$۶"

۶۴۶ - مجموعۂ واسوخت - رادھے لال مضموں، آباد، جولال، فراق، امانت وغیرہ قبل ۱۸۶۷ء - کلام اردو

رادھے لال مضموں نے اس مخطوطے میں اردو کے مشہور واسوختوں میں سے اپنی پسند کے آٹھ نو واسوختوں کو نقل کرنے کے بعد خود اپنا واسوخت بھی بعنوان "نامہ از طرف عاشق بہ معشوق" درج کیا ہے اور اس کے بعد جوگل کشور ساکن اٹاوہ کی ایک ہندی نظم بھی اردو رسم الخط میں نقل کی ہے۔

رادھے لال مضموں ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ ان کے حالات کسی تذکرے میں نظر سے نہیں گذرے۔ انہوں نے یہ مخطوطہ ۱۸۶۷ء یعنی جد وجہد آزادی ہند کے صرف دس سال بعد نقل کیا ہے۔ ان کا واسوخت عام واسوختوں کی شکل میں نہیں ہے بلکہ یہ "نامۂ شوق"

انہوں نے بشکل مثنوی قلمبند کیا ہے۔ اس کی ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

دم باز جہان جاں سلامت — اغیار کے ہے بہار سلامت
اطلاق کا تیرے دل میں ہے شوق — اور دید کا ہے زیادہ تر ذوق
بعد اس کے ہے یہ دعا شب و روز — شاداں رہو مثل روز نوروز
لیکن یہ گلہ ہے ماہ تجھ سے — وعدے گئے سب گئے جو مجھ سے

آخری ابیات یہ ہیں ؎

بے جا ہے ترا یہ عشوہ و ناز — مل جائے گا کوئی اور دمساز
مضموں سے اب قلم سکی لا — منقوں نہ رہے گا یاں اکیلا
مادام رہو بشادمانی — کٹ جائے گی میری زندگانی

یہ مثنوی واسوختوں کے خاتمہ کے بعد نئے صفحہ سے اس عنوان سے شروع کی ہے۔

"نامہ از طرف عاشق بمعشوق طبع زاد رادھے لال مغرور کاتب"

اس مخطوطے میں جو واسوخت درج ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ **واسوخت مرزا مہدی حسین خاں آباد۔** جو مرزا جعفر خاں لکھنوی کے فرزند اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک اور واسوخت بھی ادارے میں موجود ہے (دیکھو جلد اول ص ۳۳۵)۔ آباد کے تفصیلی حالات بھی وہیں درج ہیں۔ اس مخطوطہ کے واسوخت کا آخری بند یہ ہے ؎

کچھ نہیں اب بھی گیا آن کے مل جائیں آپ — بعد آباد کے ایسا نہ ہو پچھتائیں آپ
غیروں سے ملنے کی اے جان قسم کھائیں آپ — اوسکو آنکھوں سے بجالائیں جو فرمائیں آپ
آرزو ہے کہ تمہارا رخ زیبا دیکھیں
آنکھیں پھوٹیں جو کسی حور کا چہرا دیکھیں

۲۔ **واسوخت شیخ قلندر بخش جرأت۔** (متوفی ۱۸۱۰ء) جو اردو کے مشہور شاعر تھے ان کے واسوخت کا آخری بند یہ ہے ؎

دل سے سب بھول گئے تو نے جو تھے قول و قرار — بھولے اے عہد شکن تجھکو وہ سب داد و مدار
اب نہیں تیری بھی نظروں میں مرا وہ وقار — تو غم و درد جدائی سے ہو گو زار و نزار
نہ رکھوں پھر نہ رکھوں تجھ سے محبت میں بھی
تو ہے مغرور تو ہوں نام کا جرات میں بھی

۳۔ واسوخت قیصر۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اس واسوخت کا آخری بند یہ ہے۔

اب بھی ان باتوں سے تم اپنی اگر ہاتھ اٹھاؤ — نام اغیار حقیقت میں اگر دل سے بھلاؤ
بھول کے بھی کبھی دروازوں پہ تم ان کے نہ جاؤ — دل سے تم عہد کرو ہاتھوں سے قرآں اٹھاؤ
تب تو قیصر سے صنم ویسی ہی پھر الفت ہے
پھر وہی عشق و محبت ہے وہی صحبت ہے

۴۔ واسوخت شوق۔ اس تخلص کے متعدد شاعر گزرے ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ جواہر بیگ لکھنوی شاگرد مصحفی کا واسوخت ہے۔ ان کا آخری بند یہ ہے۔

خفگی سے بھی اگر لوں کسی معشوق کا نام — سر بازار اسے دیجئے لاکھوں دشنام
شوق واللہ دل و جان سے ہے تیرا غلام — نام پر تیرے یہ واسوخت کو کرتا ہے تمام
کب کسی کی بھی مجھے جلوہ گری سے مطلب
حور سے مجھ کو غرض ہے نہ پری سے مطلب

۵۔ واسوخت فراق۔ اس تخلص کے دو شاعر مشہور ہیں۔ ثناء اللہ دہلوی اور میر مرتضیٰ قلی۔ ممکن ہے کہ یہ موخر الذکر کا واسوخت ہو۔ اس کا آخری بند ہے۔

ہم پہ اے یار رکھو اپنی نگاہ اشفاق — ایک دم غم میں تمہارے ہمیں جینا ہے شاق
گلے لگ جاؤ برائی رکھو بالائے طاق — وہی معشوق ہو تم اور وہی عاشق ہے فراق
پھر اسی طرح سے اس چشم کے بیمار ہیں ہم
پھر اسی زلف پریشاں کے گرفتار ہیں ہم (ورق ۱۲)

۶۔ واسوخت شیدا۔ اس تخلص کے کئی شاعر اردو کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کا واسوخت ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے۔

غیر سے آپ کی شیریں سخنی ہے اب تو — دل پہ اس غم سے مرے آن بنی ہے اب تو
کرتا برباد مجھے چشم دلی ہے اب تو — بہ خدا بات یہی دل پہ ٹھنی ہے اب تو
می روم اندر تو باز بہ تو رو نہ کنم
گر درت قبلہ شود سجدہ بہ آں سو نہ کنم (۴۲ ب)

۷۔ واسوخت جولاںؔ۔ شمالی ہند میں اس تخلص کے دو شاعروں میر رمضان علی اور بہار علی شاہ کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے لیکن پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون جولاںؔ ہیں۔ اس واسوخت کا آخری بند یہ ہے ؎

ہوش میں آ تو کدھر دھیان ہے جولاںؔ تیرا ایک ہی ٹھ کے یہ پتلے ہیں سبھی بت بخدا
نہیں ان خانہ براندازوں سے ملنا اچھا دور اس قوم فسوں گر سے ہے لازم رہنا
دل نہ تو ان سے کہا مان لے ناداں باز آ
باز آ ان کی ملاقات سے جولاںؔ باز آ

۸۔ واسوخت امانتؔ۔ جو لکھنؤ کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کا واسوخت ناقص الآخر ہے۔ اس لیے ابتدائی بند درج کیا جاتا ہے ؎

عشق کے حال سے یارب کوئی آگاہ نہ ہو پاؤں اس راہ میں رکھ کر کبھی گمراہ نہ ہو
غرق بحر غم و اندوہ میں دل آہ نہ ہو حسن یوسف بھی نظر آئے تو بہ چاہ نہ ہو
مثل ہاروت نہ اس پر چہ بابل ہوئے
دل مگر زہرہ جبینوں پہ نہ مائل ہوئے

جلد ساز نے ان تمام واسوختوں کے اوراق آگے پیچھے بلا ترتیب سی دیئے ہیں جن کی وجہ سے تسلسل باقی نہیں رہا ہے۔ اس کے ورق ۱۳ کی پیشانی پر لکھا ہے "رادھا کشن این کتاب بہاری لعل است۔ اگر کسے شخص دعوی کند"۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں اس کے کاتب رادھے لال ممنون ہی کے خاندان کے افراد ہوں۔

۲۶ ورق۔ ۱۰ سطور فی صفحہ۔ ۹½ × ۵½۔

۶۴۷۔ رسالۂ وجودیہ۔ از حضرت بدیع الدین زندہ شاہ مدار۔ تصوف فارسی

قدیم تصوف کی دنیا میں زندہ شاہ مدار کی ایک عجیب و غریب ہستی گذری ہے۔ اور ان کی بابت قسم قسم کے قصے لکھے گئے ہیں۔ لیکن اسی مخطوطے میں رسالہ وجودیہ کے سلسلہ میں حضرت میراں سید اشرف جہانگیر کچھوچھہ کا ایک فارسی رسالہ ان کے حالات میں نقل کیا گیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ سراج الملت بدیع الدین شاہ مدار کے سات نام مشہور ہیں۔ ۱۔ زین اللہ۔ ۲۔ نجم اللہ۔ ۳۔ جمع اللہ۔ ۴۔ فتح اللہ۔ ۵۔ صفت اللہ۔ ۶۔ بدیع اللہ۔ ۷۔ مدار اللہ۔

ان کے والد کا نام شیخ علی جلبی اور والدہ کا نام بی بی فاطمہ شاہی تھا اور دونوں کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

شاہ بدیع الدین شاہ مدار ابن ابو محمد بدرالدین شیخ علی جلبی ابن یلیفور ابن شاہ کافور ابن قطب الدین ابن اسمٰعیل ابن محمد ابن حسن ابن بدرالحق ابن قطب الدین ابن عماد الدین ابن عبدالحافظ ابن شہاب الدین ابن طاہر ابن مظہر ابن عبدالرحمٰن ابن ابوہریرہ صحابی رسول اللہ۔

نسب نامہ مادری یہ لکھا ہے :۔

شاہ بدیع الدین شاہ مدار ابن بی بی فاطمہ شاہی بنت حامد ابن محمود ابن عبداللہ ابن احمد ابن آدم ابن محمد ابن عمر ابن یلیفور ابن محمود ابن قیام الدین ابن شمس الدین ابن سراج الدین ابن عبدالرحمٰن ابن تیمور ابن عبدالرشید ابن عبدالحامد ابن عبدالرحمٰن ابن شمس الدین ابن عبدالمجید ابن عبدالرحمٰن ابن عبدالباقی۔

شاہ مدار کے منسوبہ اس رسالہ کی زبان فارسی ہے۔ تصوف کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ حمد ونعت کے بعد آغاز اس طرح ہوتا ہے :۔

"اگر ترا پرسند کہ اے درویش پیغمبران شریعت و طریقت وحقیقت و معرفت کرامی گویند۔ جواب بگو شریعت محمد رسول اللہ۔ طریقت خواجہ فخرالدین حقیقت ابراہیم خلیل اللہ۔ معرفت آدم صفی اللہ"

یہ رسالہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی آخری عبارت یہ ہے :۔

"اگر ترا پرسند کہ اے درویش چہار تکبیراں شما کرامی گویند۔ بگو کہ اے درویش اول تکبیر دین اسلام بانگ صلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ دویم تکبیر سنت جمعہ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ سیوم تکبیر منزل مقام کوہ قاف اہل اسلام۔ چہارم ......"

اس کے آخر میں یہ ترقیمہ لکھا ہے :۔

"تمت تمام ایں خط بدستخط محمد امین نوشتہ شد"

یہ مخطوطہ قدیم کاغذ پر خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ کاغذ آب زدہ ہوگیا ہے اور پھٹ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دکنی زبان کے اور رسالے درج ہیں جن کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔ یہ سب رسالے ۱۱۹۲ھ سے قبل نقل کئے گئے ہیں۔

۶ ورق۔ ۱۱ سطوری صفحہ۔ ۸" × ½۵"۔

۶۴۸۔ ذکر نامہ ۔ مرید شاہ برہان الدین جانم ۔ قبل ۱۱۹۴ھ ۔ نثر دکنی

تصوف کے متعلق قدیم دکنی زبان میں یہ رسالہ شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری کے سلسلے کے کسی بزرگ نے لکھا ہے اور اس کے تین نام ابتدا ہی میں بیان کر دیے ہیں ۔ حمد و نعت کے بغیر ہی شروع کر دیا ہے ۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے :۔

"مرید اے ارشاد یاد رکھنا عارف ہوا تو پچھانیگا اس کتاب کا معنا دکھنی باتاں میں ۔ اس کتاب کے تین نام ہیں ۔ اول نام ذکر نامہ دوسرا نام وجود نامہ تیسرا نام وصل نامہ ۔ حدیث نبوت من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہ اوس کا معنا یہ ہیں خدا کوں پچھاننا ہور خدا کوں ملنا ہور خدا کوں دیکھنا سو اس کا بیان بولتے ہیں کہ عارف کوں اس آیت حدیث کی خبر سوں باہر خدا کو ڈھونڈنا ۔"

یہ دکنی رسالہ بھی ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے لیکن عبارت نئی قلم میں شکستہ نستعلیق میں گھما کر لکھی گئی ہے ۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ کاتب وہی محمد امین ہیں جنھوں نے زندہ شاہ مدار کا رسالہ وجودیہ (۶۴۷) نقل کیا ہے ۔ یہ سب مخطوطے ۱۱۹۴ھ سے قبل نقل کیے گئے ہیں جیسا کہ اسی سلسلے کے ایک مخطوطہ کے ترقیمہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔

اس مخطوطے کی آخری عبارت یہ ہے :۔

"تن میں کروڑ بال ہیں ۔ تین ہات انتڑی ہے ۔ دس ہات میں کھانا بھرتا دس ہات میں پانی بھرتا دس ہات میں انتڑی خالی اچھتی جو برابر ہر نفس اندام میں ہے ۔ تل برابر ہر آنگ میں ہے ۔ انسان سمجھنا برکت پیر کامل و مرشد واصل سوں معلوم ہوے گا ۔"

۶ ورق ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ ۔ ۸" × ۱/۲ ۵"

۶۴۹۔ رسالۂ تصوف دکنی ۔ مصنف نامعلوم ۔ قبل ۱۱۹۴ھ ۔ فارسی و دکنی نثر

مخطوطات نمبر ۶۴۷ و ۶۴۸ کے سلسلے میں یکسہ ہی جلد کے اندر متعدد قدیم اردو اور فارسی کے رسالہ جات تصوف شامل ہیں ۔ ان میں زیر نظر رسالہ دکنی نثر میں ہے جس کے مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :۔

"بدان کہ ظاہر کا تن واجب ۔ اوس کی دیگ روح جاری ۔ اوس کا شاہد من نور ۔ یو تینوں مل بندہ ہوا ۔ باطن کا تن ممکن اوس کی دیگ روح مقیم ۔ اوس کا شاہد انا نور ۔ یو تینوں مل محمد کا مرتبہ ذات کا ۔ وجود میں وجود اوس کا ۔ اوس کی دیگ عین دیگ

اوس کا شاہد - یو تینو مل ذات کا مرتبہ ہوا -

دیگر منگتا سو نفس - جانتا سو دل - دیکھتا سو روح - روح سوچہ جیو - جیو سوچہ بندہ - بندہ سوچہ انگ - اوس پر شاہد اللہ -

دیگر پھرتا سو نفس - کھڑا سو دل - بیٹھا سو روح - سوتا سو نور - جاگتا سو ذات شاہد اللہ "

عجیب بات یہ ہے کہ دکنی میں لکھتے لکھتے چار سخنوں کے بعد فارسی میں لکھنا شروع کر دیا ہے -

آخری عبارت یہ ہے :-

" سخن اول اے نفس من ! طاعت خداے تعالےٰ بکن وگر نہ روزیٔ او مخور - سخن دوئم اے نفس من انچہ خداے تعالےٰ منع کردہ است از آں باز آئے وگر نہ از ملک او بیروں شو - سخن سیوم اے نفس بر ارادۂ مقدار راضی باش وگر نہ خداے دیگر طلب کن تا ترا بیش تر دہد - سخن چہارم اے نفس من اگر قصد گناہ خواہی کرد - اول جائے پیدا کن کہ خداے تعالےٰ انجانہ بیند والا مکن - خدائے تعالےٰ توفیق دہد "

ابتدا میں خط نسخ میں لکھا ہے اور پھر خط نستعلیق میں -

۶ ورق - ۱۰ سطور فی صفحہ - ۸" × ۵ ½" -

۶۵۰ - رسالۂ درویشی و رسالہ چہار پیر وغیرہ - قبل ۱۱۹۴ھ - فارسی و اردو

یہ مختلف چھوٹے چھوٹے فارسی و اردو کے رسالے بھی مخطوطات ۶۴ ، و ۶۲۹ کے سلسلہ میں درج ہیں - ان کی تفصیل یہ ہے :-

۱ - رسالۂ درویشی - فارسی میں ہے - عربی میں حمد و نعت لکھی ہے - مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا -

ابتدائی فارسی عبارت یہ ہے :-

" ایں رسالہ ایست از درویشاں - اول فقیری بر پنجتن نازل شدہ - حدیث فقیری اینست - حدیث نبوی الفقر فخری والفقر منی "

آخری عبارت یہ ہے :-

" طریق مقراض کردن از جبرئیل علیہ السلام و بعضے می گویند کہ از شیث علیہ السلام جاری شدہ - و آیت او این است - قولہ تعالےٰ محلقین رؤسکم ..... الی آخرہ "

اس کے بعد ایک مربع مہر ثبت ہے جس پر عبدنا سعد اللہ ۱۱۹۲ھ کندہ ہے - اس کے برابر

تاریخ کتابت ششم محرم الحرام ۱۱۹۴ھ درج ہے۔

۲۔ رسالۂ سید اشرف جہانگیر کچھوچھہ۔ یہ بھی فارسی میں ہے اور اس میں بدیع الدین زندہ شاہ مدار کے حالات اور نسب نامے لکھے گئے ہیں۔ (دیکھو مخطوطہ نمبر ۶۴۸)

۳۔ رسالۂ چہار پیر و چودا خانوادہ۔ یہ قدیم دکنی نثر میں ایک رسالہ ہے جس کا آغاز عربی حمد و نعت سے کیا گیا ہے۔ مصنف کا نام اور سنہ تصنیف ظاہر نہ ہو سکا۔ دکنی عبارت کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"پیغمبر علیہ السلام کہے جو کوئی مجھ پر درود بھیجے گا انو پر میں ستر بار رحمت بھیجونگا۔ اے درویش اگر تجے کوئی پوچھے گا تو شریعت کے چہار پیر، ہور چودہ خانوادہ کنے ہیں تو تو بول اول پیر امام حسن رضی اللہ عنہ۔ دوم پیر امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ۔ سوم پیر کمیل بن زیاد۔ چہارم پیر خواجہ حسن بصری۔"

اس رسالہ میں انہی چار پیروں اور ۱۴ خانوادوں کا ذکر ہے جن کا بیان مخطوطہ نمبر ۶۰۶ میں بشکل مثنوی کیا گیا ہے۔

اس مخطوطہ کی آخری عبارت یہ ہے:۔

"اس چہار گودڑی کے چہار ناؤں ہے۔ اول گودڑی کا ناؤں واجب الوجود۔ دوسری گودڑی کا ناؤں ممکن الوجود۔ تیسری گودڑی کا ناؤں ممتنع الوجود۔ چوتھی گودڑی کا ناؤں عارف الوجود۔"

اس کے بعد کاتب نے جو نسخہ کا مالک بھی ہے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:۔

"تمام شد۔ مالک شیخ عبد القادر است۔"

۲۸ ورق۔ ۱۰ سطور فی صفحہ۔ "۸ × ۶½"۔

۱۵۱ ۔ وصیت نامۂ حضرت سلطان محی الدین ۔ عبد الملک بھروچی ۔ قریب ۱۰۰۹ھ ۔ مثنوی اردو

عبد الملک بھروچی کی نظم مولود نامہ (۱۰۰۹ھ) اور نامۂ حضرت سلطان کا بیان تذکرۂ مخطوطات جلد اول صفحات ۲۲ و ۱۴۳ پر گذر چکا ہے۔ اس مخطوطہ کے سرورق پر اس مثنوی کا نام نامۂ حضرت سلطان اور اندر وہ پورا نام لکھا ہے جو عنوان میں درج ہے۔

اس کے پہلے ورق پر سید میراں کی مثنوی کی جو ابیات درج ہیں وہ جلد اول میں غلط

چھپ گئی ہیں اس لیے یہاں دوبارہ نقل کیا جاتا ہے ؎

چیلے راول یک تن ہو کر دک سکہ کریو سارا

میں علی شہ سمی حبیب ہو پکھر راول لیائے — کریم اُنو کے تابع مریداں گھر گھر راول کیے
سید میراں توں جوگی ہونا تو ہی راول خدا — ذکر فکر سوں محبت لانا سٹ دے گورک دھندا

اصل مثنوی میں شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کی مدح لکھی گئی ہے۔ ابتدا اس بیت سے کی ہے ؎

محی الدیں سلطاں قادر اہے — جگوئی جساں کرے یاد حاضر ہے

آخری ابیات اور ترجمہ کے لیے دیکھو جلد اوّل ص ۱۴۴۔ یہ مثنوی خود شاعر عبدالملک نے خطِ ثلث میں لکھی ہے۔ تقریباً چار سو سال قبل کی کتابت ہے۔

۲ ورق۔ ۹ سطور فی صفحہ۔ ۸″ × ۴″۔

۶۵۲۔ مدح شاہ میراں جی و غزلیات حافظ دکھنی۔ قبل سنہ ۱۱۰۰ھ۔ مثنوی اردو

بیجاپور کے ایک مشہور صوفی خاندان کے بانی اور اردو کے ایک قدیمی شاعر شاہ میراں جی شمس العشاق (م ۹۰۲ھ۔ سنہ ۹۰۲ھ) کی مدح میں یہ ترکیب بند انہی کے یا ان کے خاندان کے مرید کریم نے اوائل گیارہویں صدی ہجری میں لکھا ہے۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۴۴ پر درج ہو چکی ہیں۔ اس کے ہر بند میں پانچ یا چھ مصرعے ہیں۔ آخری بند یہ ہے ؎

پیر شہ میراں جی آن ملے — منج پریموں اپنے لائے گلے
سب تن من جیو کے پھول کھلے — اس خوشبوئی سوں بیو پھلے
یو سب میں دیکھے ویلے ویلے — سب رُخ کریا ہے یو ملے

ارے طالب ہونا طلب خدا
ہے حق نے آیا یہی ندا

اس نظم کے بعد دکن کے ایک اور قدیم شاعر حافظ کی دو غزلیں لکھی گئی ہیں۔ ان کا اور بھی کلام ادارے کے دوسرے مخطوطوں میں موجود ہے۔ اور اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئندہ درج ہوگا۔ ان کے حالات کا اب تک کوئی پتہ نہیں چلا ہے۔ ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اچھے غزل گو تھے اور حافظ شیرازی کے رنگ میں لکھتے تھے۔ اس مخطوطے میں ان کی جو دو غزلیں ہیں ان کے مقطعے یہ ہیں ؎

۱۔ کر گل بدن حافظ کوں یوں مہر سوں کیم تھے — دیتا دماغ تازہ کر گئے ہیں گل نہالی

۲۔ مشتاق جدے ہوئے حافظ تے دہیں تھے کئی لک برس جو تل تیرے اوپر گذر گئے

ان غزلیات کے بعد اس مخطوطے میں سورۂ فاتحہ کی اردو تفسیر لکھی گئی ہے جس کا آغاز اس طرح کیا ہے:۔

"و جمیع جمال و کمال صفت ثابت ہے اللہ تعالےٰ تیئں ، ہور پالن ہار ہے تمام عالماں کا۔ ایسا مہربان ہے رزق دیتا ہے مسلمان کے تیئں ہور کافراں تیں"

لیکن افسوس ہے کہ یہ ناقص الآخر ہے اور اس کے صرف دو صفحے اس مخطوطے میں محفوظ ہیں۔ اس کی کتابت اور کاغذ اور نہج خط بہت ہی قدیم ہے۔

۲ ورق ۔ ۸ سطور فی صفحہ ۔ ۸" x ۴"۔

۶۵۳۔ توصیف نامۂ میراں محی الدین ۔ ملا فیروز بیدری ۔ قبل ۹۵۲ھ۔ مثنوی اردو

ملا فیروز عہد ابراہیم قطب شاہ (۹۵۵ھ۔ ۹۸۸ھ) کا مشہور استاد سخن تھا جس کی شاعری اور استادی کا ڈنکہ گولکنڈہ میں زوال سلطنت تک بجتا رہا۔ اس کے بارے میں تذکرہ جلد اول کے صفحات ۱۴۴۔ ۱۴۷ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ عہد محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ۔ ۱۰۲۰ھ) کے ملک الشعرا وجہی اور عہد عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ۔ ۱۰۸۳ھ) کے مشہور شاعر ابن نشاطی نے بھی اس کی استادی کا اعتراف کیا ہے۔ فیروز بیدر کا رہنے والا اور وہاں کے ایک مرشد اور صاحب تصانیف بزرگ مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کا مرید تھا۔ بعد کو گولکنڈہ چلا آیا۔ لیکن یہ مثنوی اس نے غالباً بیدر ہی میں لکھی تھی چنانچہ اس میں مخدوم جی کی ایک طویل مدح بھی درج ہے جو ابراہیم قطب شاہ کے اصرار کے باوجود بیدر چھوڑ کر گولکنڈہ نہیں آئے۔

اس مثنوی میں حضرت عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی کے حالات اور مناقب بیان کئے گئے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ ناقص الآخر ہے۔ اس کے باوجود اس میں سو سے زیادہ ابیات ہیں اور اپنی قدامت کی وجہ سے ادارے کے اہم ترین مخطوطات میں شامل ہے۔

۸ ورق ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ ۔ ۸" x ۴"۔

۶۵۴- فقر نامہ - از کامل مرید رحمت اللہ نائب رسول اللہ - قبل ۱۱۹۰ھ - مثنوی اُردو

اِس مثنوی میں حضرت شاہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (متوفی ۱۱۹۰ھ) کے ملفوظات ان کے مرید اور صوفی شاعر کامل نے قلمبند کئے ہیں - جن میں فقیری و درویشی کے اسرار ولوازم اور قواعد و ضوابط بیان کئے گئے ہیں - اس مخطوطہ کی تفصیلات تذکرہ جلد اول صفحات ۱۴۷ - ۱۴۸ پر درج ہو چکی ہیں اور اسی سلسلہ میں حضرت رحمت اللہ اور ان کے مُرید کامل کا حال بھی شامل ہے -

یہ مثنوی مکمل ہے اور سلیس اور سادہ زبان میں ارکاٹ کے علاقہ میں لکھی گئی ہے - اِس میں ۱۲۵ ابیات ہیں - آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے ؎

کہوں حمد اللہ کوں دل شاد کر خزاین رکھیا جس نے آباد کر
وو قادر ہے قدرت کا پروردگار کہا کن - ہوا سب جہاں آشکار

اختتام :-

جو کوئی پڑھے اس فقر نامہ کوں مجھے یاد کر خیر انجام سوں
ہوا فقر نامہ یو کامل تمام بحق محمد علیہ السلام

کوئی ترقیمہ نہیں ہے - کاغذ اور روشنائی بہت قدیم ہے - خط شکستہ آمیز نستعلیق ہے -
۴ ورق - ۱۶ سطور فی صفحہ - ½۴" × ½۶" -

۶۵۵- گنج مخفی - از منعم بیجاپوری - قبل ۱۱۰۰ھ - مثنوی اُردو -

شاہ امین الدین اعلےٰ بیجاپور کے مادر زاد ولی اور شاہ میراں جی شمس العشاق کے نبیرے اور شاہ برہان الدین جانم کے فرزند تھے - ان تینوں بزرگوں نے اپنے تصوف و عرفان اور تصنیف و تالیف سے دکن اور جنوبی ہند کی علمی و ادبی دنیا پر صدیوں قبضہ جمائے رکھا تھا اور ان کی تقریباً جملہ تالیفات اِدارے میں محفوظ ہیں -

زیر نظر مخطوطے میں انہی کے ایک مرید منعم نے ان کے ملفوظات اُسی طرح جمع کئے ہیں جس طرح شاہ کمال الدین کے ملفوظات شیخ خوب محمد چشتی نے خوب ترنگ میں اور رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے ملفوظات ان کے مرید کامل نے فقر نامہ میں منظوم کردیے ہیں -

منعم اس عہد کا ایک مشہور شاعر ہے جس کی کتابیں اور کلام رفتہ رفتہ منظر عام پر آرہے ہیں - چنانچہ شجرۂ اتقیا اور گنج مخفی کے نسخوں کا ذکر نصیر الدین ہاشمی صاحب نے دکن میں

اُردو (مـ۱۱۶۴ھ) میں کیا ہے اور سخاوت مرزا صاحب کو بھی اس کا کچھ کلام ملا ہے۔ ادارے میں بھی اس کا کچھ اور کلام موجود ہے جس کا ذکر اپنی جگہ پر آئندہ درج ہوگا۔

اس مخطوطہ کی تفصیلات تذکرہ جلد اول صفحات ۱۴۰ - ۱۴۹ پر درج ہو چکی ہیں۔ یہ ناقص الاول ہے۔ مگر بحالت موجودہ بھی اس میں سو کے قریب ابیات ہیں۔ آخری بیت یہ ہے ؎

معظم نے تب آکے سجدہ کیا　　سدا ان کی نعلین سر پر لیا

۴ ورق - ۱۳ سطور فی صفحہ - ۱/۲، ۵ x ۱/۲ ۴۔

۶۵۶- وصیت نامہ - از شیخ مصطفیٰ ابن شیخ محمود - قریب ۱۲۰۴ھ　　مثنوی اُردو

یہ اُردو مثنوی کسی عربی رسالہ کا ترجمہ ہے جس میں شیخ حمزہ کے خواب میں آکر حضور سرور کائنات نے اپنی امت کے لئے جو نصیحتیں بیان فرمائیں ان کو منظوم کیا گیا ہے۔ مصنف اور کتاب کی تفصیلات جلد اول میں صـ۱۴۹ - صـ۱۵۰ پر درج ہیں۔ یہ مثنوی ۱۵۰ ابیات پر مشتمل ہے اور قدیم کاغذ پر شکستہ آمیز نستعلیق میں محمد حسین عطار نے سنہ ۱۲۰۰ھ کے قریب نقل کی ہے۔

ابتدا اس طرح ہوتی ہے ؎

الٰہی تہیں پاک ہے پروردگار　　بچن کوں زباں تے کیا آشکار
خداوند توں ہے بڑا جو سرباں　　توں پیدا کیا ہے یو جگ جہاں

اختتام ان ابیات پر ہوتا ہے ؎

خداوند یو مصطفےٰ کے اوپر　　کرم سوں نظر کر کرم کی نظر
ہوں فرزند میں شیخ محمود کا　　جو دم مرتا ہوں امید محمود کا

۶ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ - ۱/۲ ۴ x ۵۔

۶۵۷- چکی نامہ - فاروقی - قریب سنہ ۱۱۰۰ھ　　مثنوی اُردو

شاہ میراں جی خدا نما حیدرآبادی خلیفہ شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے ایک مرید فاروقی نے اپنے مرشد اور خواجہ بندہ نواز کے چکی نامہ کے طور پر خود بھی یہ چکی نامہ منظوم کیا ہے۔ ان سب کی تفصیلات کے لئے دیکھو ادارے کے مخطوطات نمبر ۳۸ و ۴۲ کا ذکر جلد اول صفحات ۶۴ - ۶۸ - ۱۵۰۔

زیر نظر چکی نامہ میں ۱۶ بند ہیں اور ہر بند میں پانچ مصرعے۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

بسم اللہ ذاتی ناداں　　قرآن پر کیا ہٹاؤں

مل شہ یو اُس کی چھاؤں دیکھو سلطان بھان
ہمیں نانوں پو ہیں قربان

آخری بند یہ ہے ؎

نسکر کرنا وتی لیائے سب ہما گنیاں پائے
شاہ کا جلوہ دل دل گائے دیکھو سلطان بھان
ہمیں نانوں پو ہیں قربان

۲ ورق - سطور فی صفحہ ۱۲ - ۱/۲ ۶" × ۴"

۶۵۸ - مدح میراں - از شاہ میر راچوتی - قریب ۱۲۰۰ھ - مثنوی اُردو

راچوتی کے مشہور بزرگ شاہ میر کی اس نظم کا ذکر تذکرہ جلد اول میں صفحات ۱۵۰ و ۱۵۱ پر در
ہو چکا ہے - اس کا آخری بند یہ ہے ؎

محی الدین ولی ہے پیار کا معشوق ہے کرتار کا
عاشق ہے حق دیدار کا یا قادری میراں مدد
تقوی منجے بوئے دھیر کاتب مدح لکھوں میں پر کا
سچ پیر توں شہ میر کا یا قادری میراں مدد

شہ میر کا ذکر ان کے بھائی شاہ کمال الدین کے دیوان مخطوط نمبر ۶۰۰ کے بیان میں اسی جلد
کے صفحات ۲۰۷ - ۲۰۸ پر بھی گذر چکا ہے -

اس نظم کے ساتھ ہی چند اور دکنی شعرا کا کلام بطور بیاض درج ہے جس کا ذکر درج ذیل

۶۵۹ - بیاض دکنی - محمود - جعفر - محرتی وغیرہ قریب ۱۱۰۰ھ - کلام اُردو

اس بیاض میں حسب ذیل مختلف شعرا کی نظمیں درج ہیں - ان کا تفصیلی بیان جلد ا
کے صفحات ۱۵۱ - ۱۵۲ پر درج ہو چکا ہے -

۱ - کلام شیخ محمود - یہ غالباً شیخ مصطفےٰ مولف مخطوط نمبر ۶۵۶ کے والد تھے - اس مخطو
اُن کی دو مثنویاں شریک ہیں - پہلی میں روح اور تن کا مکالمہ درج ہے اور دوسری بطور
لکھی گئی ہے -

۲ - غزل جعفر - یہ کوئی غیر معروف دکنی شاعر ہیں - ان کی غزل کا مقطع یہ ہے ؎

رہو تل سکی خدا سوں مل نکو باندو کسوں بل
کرو جعفر سوں یوں حاصل ہمیں کچھ کام آتا ہے

۳- غزل محرمی :- یہ بھی غیر معروف دکنی شاعر ہیں - ان کی غزل کا مقطع یہ ہے -

اول تو محرمی ہو اپنے وجود سیتی
بعد از خبر جو ہووے بجھ اس ہو جن کا

۴- غزل میراں :- غالباً شاہ میراں جی خداوند خدا نما کی غزل ہے جن کے چکی نامہ وغیرہ کا ذکر ابھی مخطوطہ ۶۵۷ کے سلسلہ میں گذر چکا ہے -

۶ ورق - ۱۶ سطور فی صفحہ - ۷½" × ۴"

۶۶۰- کفایت الاسلام - مصنف نامعلوم - قریب ۱۲۰۰ھ - مثنوی اردو

رسائل مفتاح الاحکام - توشۂ عاقبت - فقہ و عقاید (مخطوطات نمبر ۶۱۵ - ۵۰۵ و ۶۲۰) کی طرح یہ بھی ارکان و احکام اسلام کے موضوع پر ایک منظوم رسالہ ہے اور اس میں بھی سبب تالیف کے عنوان کے تحت اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جو اسی موضوع سے متعلق دوسری کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ آجکل کے لوگ عربی و فارسی سے نابلد ہو گئے ہیں اس لئے اردو یا ہندی یا دکنی میں ان معلومات کو منتقل کرنا ضروری ہے چنانچہ اس کا مولف جو کوئی معمولی درجہ کا غیر معروف شاعر ہے لکھتا ہے کہ -

نہیں جس عربی علم فارسی ہے دکھنیاں کوں دکھنی زباں آکی
یو مسلیاں کوں دکھنی کیا اس سبب سمجھ بیگ ہووے رکھے یاد سب

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰۰ھ کے قریب دکن کے مختلف مقامات کے شاعروں اور عالموں کو اس قسم کے مسائل کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی تھی کہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کے زوال کے بعد اور انگریزوں کی آمد اور حصول اقتدار کی کوششوں کے وقت مسلمان دانشور اور عالم و صوفی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ عام مسلمانوں میں دین سے بے توجہی اور ناواقفیت بڑھتی جا رہی ہے - اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے بنیادی مسائل کی طرف ان کو توجہ دلائی جائے - اس سے پہلے کی صدی میں انہوں نے ان کو تصوف و عرفاں کی طرف متوجہ کیا تھا - اور اب وہ مبادی و مسائل فقہ کی طرف توجہ دینے لگے تھے - ۱۱۰۰ھ اور اس کے پچاس سال بعد تک دکن میں تصوف و عرفاں سے متعلق سینکڑوں رسائل اور کتابیں لکھی گئیں اور ۱۲۰۰ھ کے قریب ان کی تالیفات اور شعر و سخن کے موضوع بدل گئے -

اس مخطوطے میں ۲۰۰ ابیات ہیں - قدیم مثنویوں کی طرح حمد و نعت و سبب تالیف سے شروع کی گئی ہے اور پھر اصل موضوع احکام - ارکان و شرائط ایمان ' اور احکام و لوازم شریعت

وضو، تیمم، غسل، نماز وغیرہ پر معلومات منظوم کی ہیں۔ مثنوی ناقص الآخر ہے۔ مصنف اور کاتب کا نام اور سنہ و مقام کتابت کا بھی علم نہ ہو سکا۔ شکستہ آمیز نستعلیق میں لکھی گئی ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاغذ قدیم دیسی ہے۔ مزید تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳ پر درج ہیں۔

۶۶۱ - رسالہ احوال میت - از قاضی شمس الدین اودگیری سنہ ۱۲۰۰ھ۔ نثر اردو

محمد شمس الدین ولد قاضی عظیم الدین خاں قاضی اودگیر کے خاندانی حالات مشاہیر قندہار دکن (صفحات ۱۵۰ - ۱۶۱) مرتبہ مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب یم اے میں درج ہیں۔ وہ فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے۔ متعدد اصلاحی نظمیں اور کتابیں لکھی تھیں۔ زیر نظر مخطوطہ میں بھی عام مسلمانوں کی معلومات کے لئے بیمار کی عیادت، تجہیز و تکفین، نمازِ جنازہ وغیرہ کے شرعی مسائل عام فہم اور سلیس اردو نثر میں قلمبند کئے ہیں اور آخر میں ۲۵ اشعار کی اردو اور ۱۰ اشعار کی فارسی نظمیں بھی بطورِ مناجات و خاتمہ لکھی ہیں۔ اس مخطوطہ کی تفصیلات جلد اول صفحات ۱۵۹ و ۱۶۰ پر درج ہیں۔

یہ مخطوطہ قدیم دیسی کاغذ پر بہت ہی خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کرم خوردہ ہو رہا ہے۔ اس کو شیخ احمد عرف کالے خاں نے ۱۲۵۶ھ میں غالباً اپنے وطن گلشن آباد میدک میں نقل کیا ہے۔ خود مصنف نے اس کے آخر میں تاریخ تکمیل تالیف ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۰۰ ہجری درج کی ہے۔

کاتب نے اس اردو رسالہ کے آخر میں اصل کتاب کے موضوع سے متعلق فارسی میں بھی ایک صفحہ کی عبارت لکھی ہے۔

۱۵ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - $\frac{1}{2}$۸ x $\frac{1}{2}$۵ -

۶۶۲ الف - ترتیب النکاح / ۶۶۲ ب - ترتیب نماز } محمد شمس الدین شمس اودگیری سنہ ۱۲۵۰ھ نثر اردو

رسالۂ احوال میت (نمبر ۶۶۱) کے مصنف ہی کے دو اور رسالے ترتیب النکاح و ترتیب نماز اس مخطوطے میں شامل ہیں۔ یہ دونوں بھی اردو نثر میں ہیں اور رسالۂ احوال میت کی تصنیف کے پچاس سال بعد مولف نے ان کو قلمبند کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی شمس الدین نے بڑی عمر پائی تھی اور وہ پچاس سال تک برابر تصنیف و تالیف میں

منہمک رہے۔

شیخ احمد عرف کالے خاں ساکن میدک ہی نے ان دو رسالوں کو ۱۲۵۸ھ میں یعنی رسالۂ احوالِ میت کے دو سال بعد نقل کیا ہے۔ کاغذ، روشنائی اور کتابت بالکل ایک ہی طرح کی ہے۔

ان دونوں کتابوں کی تفصیلات تذکرۂ مخطوطات جلد اول صفحہ ۱۹۸ پر درج ہو چکی ہیں۔

اس مخطوطہ کے آخر میں بھی مصنف نے مثنوی کی شکل میں ایک مناجات اور تاریخ تالیف بھی لکھ دی ہے۔ زبان سلیس اور سادہ دکنی ہے۔

۱۲ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۵" × ۸"۔

۶۶۳- تنبیہ النساء - خواجہ رحمت اللہ - قبل ۱۱۹۵ھ - مثنوی اُردو

خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (متوفی ۱۱۹۵ھ) کا ذکر اس کتاب کی جملہ جلدوں میں متعدد مخطوطوں کے سلسلہ میں درج ہو چکا ہے۔ اور تینوں جلدوں کے اشاریوں سے اُن صفحات کا علم ہوگا جن پر ان کا ذکر آیا ہے۔ یہ بنگلور کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے کرنول آئے اور کرنول سے اودگیر جہاں ۲۶ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی اور رحمت آباد میں دفن کیے گئے جہاں ان کی درگاہ اب بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ان کے سلسلہ کے خلفاء اور مریدین دکن میں آج تک تصوف، عرفاں اور علم و فضل کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ خاص کر مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری، مولانا حافظ شجاع الدین اور مولانا عبد القدیر حسرت صدیقی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد خود بھی بہت بڑے صوفی مصنف اور شاعر ہیں۔ اور اس سلسلہ کے مصنفوں کی بیسیوں کتابیں قلمی اور مطبوعہ ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو بیان مخطوطات نمبر ۱۰۱ تا ۱۲۶، ۶۵۴ وغیرہ۔

زیر نظر مخطوطہ تنبیہ النساء کے قلمی نسخے ادارے میں نمبر ۸۶ - ۱۳۰ - ۱۹۱ ب - ۵۰۶ - ۶۶۴ پر موجود ہیں۔ اس کتاب کے موضوع، خصوصیات اور عنوانات اور زیر نظر مخطوطہ کا حال تذکرہ جلد اول صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۲ پر تفصیل سے درج ہے۔ اس میں عورتوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے ضروری امور بیان کیے گئے ہیں۔ اس مخطوطے کو بھی شیخ احمد عرف کالے خاں میدکی (کاتب مخطوطات نمبر ۶۶۱ - ۶۶۲) نے حیدرآباد میں ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ کو نقل کیا ہے۔

پاکیزہ خط نستعلیق میں قدیم کاغذ پر لکھا گیا ہے۔

۲۷ ورق - ۱۳ سطور فی صفحہ - ۵½" × ۸½"۔

۶۶۴- تنبیہ النساء - خواجہ رحمت اللہ - قبل ۱۱۹۵ھ - مثنوی اردو

مخطوطہ نمبر ۶۶۳ کا ایک اور نسخہ ہے جس کو ہندوستان کے باہر بمقام پلانگ شیخ احمد سپاہی لائٹ کمپنی ۲۴ رجمنٹ کی فرمایش پر مرزا دوست محمد نے ۱۲۵۰ھ کے قریبی زمانہ میں دوسری اور کتابوں قیامت نامہ، ہدایت المومنین وغیرہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔
اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۶۳ پر درج ہو چکی ہیں۔
۲۶ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۴/۱ ۸" × ۴/۳ ۵"۔

۶۶۵- نصیحت المسلمین - از خرم علی - ۱۲۳۸ھ - نثر اردو

خرم علی کی یہ کتاب ہندوستانی مسلمانوں کی شرک مشربی کے خلاف اسلامی تحریک کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اور ہندوستان کے باہر پلانگ میں لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی شیخ احمد کی فرمایش پر مرزا دوست محمد نے نقل کی ہے۔ یہ یوں معیاری اردو نثر میں سادہ اور شگفتہ انداز بیان میں لکھی گئی ہے لیکن ابتدا اور اختتام مثنوی کی شکل میں کی ہے۔ اس مخطوطے کی تفصیلات جلد اول کے صفحات ۱۷۷-۱۸۰ پر درج ہیں۔
۲۰ ورق - ۱۳ سطور فی صفحہ - ۴/۱ ۸" × ۴/۳ ۵"۔

۶۶۶- قیامت نامہ - محمد عبداللہ - ۱۲۳۹ھ - نثر اردو۔

مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی کے فارسی قیامت نامہ کا محمد عبداللہ نے ۱۲۳۹ھ میں اردو نثر میں ترجمہ کیا تھا اردو کا نام انہوں نے "ریختۂ ہندی" لکھا ہے۔ ایک اور مولف عبداللہ نے ۱۲۵۰ھ کے قریب ایک رسالہ رد شرک بھی لکھا تھا (مخطوطہ نمبر ۶۳۲) ممکن ہے کہ یہ وہی عبداللہ ہوں۔ شاہ رفیع الدین کے اس قیامت نامہ کا ایک اور مولف نے بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا تھا۔ جس کا مخطوطہ ادارے میں نمبر ۵۷ پر موجود ہے اور اس کا بیان جلد اول کے صفحات ۱۰۵-۱۰۶ پر درج ہے۔
اس قیامت نامہ کو بھی بمقام پلانگ مرزا دوست محمد نے ایک ہندوستانی سپاہی شیخ احمد کی فرمایش پر اردو میں نقل کیا تھا۔ اس کی تفصیلات جلد اول کے صفحات ۱۷۸ و ۱۷۹ پر درج ہیں۔ اس کا خط صاف پاک نستعلیق ہے۔ انگریزی کاغذ پر نقل کیا گیا ہے۔
۲۶ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۴/۱ ۸" × ۴/۳ ۵"۔

٦٦٧- ہدایت المومنین - از حسن قنوجی - ۱۲۴۳ھ　نثر اردو

اس کتاب میں بھی اس دور کی جملہ کتابوں کی طرح مسلم قوم کی جدوجہد بیداری کی ترجمانی کی گئی ہے۔ جو بدعتیں اور مشرکانہ رسمیں اس مذہب کے ماننے والوں میں رائج ہوگئی تھیں ان کو دور کرنے اور اسلام کے صحیح اصولوں پر چلانے کی طرف اس زمانے کی اکثر و بیشتر مصنفوں نے کوشش کی ہے۔

اس کے مصنف حسن قنوجی نے سبب تالیف کے بارے میں لکھا ہے:-

"جب مسلمانوں کو اس بلا میں گرفتار دیکھا تو بندۂ خیرخواہ حسن قنوجی نے اللہ اوس کو من حسین کے طریقہ اور محبت میں رکھے۔ چاہا کہ اپنے ملنے والوں کو، اور جس کو خدا توفیق دے، برائی ان رسموں کی سمجھا دیے......

اس لیے اس وقت میں کہ ۱۲۴۳ ہجری ہے یہ رسالہ ہندی زبان میں لکھتا تا ہر کوئی اپنی بولی میں سمجھ کر بلا تکلف بوجھ لے اور سوجھ پکڑے اور سنت پوجا کے بیان میں رسالۂ نصیحت المسلمین لکھ پایا اس واسطے اس رسالہ میں فقط رائی، تعزیہ کی صاف صاف بیان کی۔"

اس کتاب میں جگہ جگہ اشعار اور ابیات سے بھی مدد لی گئی ہے اور یہ سب حسن قنوجی ہی کی تالیف ہیں۔

اس مخطوطے کا کاتب بھی مرزا دوست محمد ہے جس نے اس سے پہلے کے دوسرے اصلاحی رسالوں کے ساتھ اس کو بھی بمقام پلانگ نقل کیا ہے۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۷۹ - ۱۸۰ پر درج ہیں۔

۳۰ ورق - ۱۳ سطورفی صفحہ - ۳/۴ ۵ × ۱/۲ ۸ -

٦٦٨- رسالۂ اعمال بد - مولف نامعلوم - قریب ۱۲۵۰ھ -　اردو نثر

مرزا دوست محمد نے تنبیہ النساء، نصیحت المسلمین، قیامت نامہ، ہدایت المومنین کے آخر میں یہ رسالہ بھی پلانگ میں لکھا ہے۔ اس کا موضوع بھی اصلاح سے متعلق ہے۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ ممکن ہے کہ دوست محمد ہی نے مذکورہ بالا رسالوں کی طرز میں یہ رسالہ قلمبند کیا ہو۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۱۸۰ - ۱۸۱ پر درج ہیں۔

۶۶۹- کتاب ہدیٰ - از مشتاق - قریب سنہ ۱۲۵۰ھ - مثنوی اردو

کتاب تنبیہ النساء تصنیف خواجہ رحمت اللہ کی طرح اس مثنوی میں بھی عورتوں کی اصلاح وہدایت کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے مصنف کوئی غیر معروف دکنی شاعر مشتاق ہیں جو غالباً حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی کے ہم عصر ہی ہوں گے۔ ان کے حالات اور مثنوی کا سنہ تصنیف معلوم نہ ہوسکا۔ اس مخطوطہ میں ایک ہزار چھ سو ابیات ہیں مگر یہ ناقص الطرفین ہے۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحات ۱۸۲ - ۱۸۳ پر درج ہیں۔
۵۷ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ - ۶"×۹"۔

۶۷۰- حقیقت الصلواۃ - سید احمد و عبدالحی - قریب سنہ ۱۲۳۰ھ - نثر اردو

سید احمد شہید بریلوی کے ایک رسالہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا بیان اسی جلد میں (مخطوطہ نمبر ۶۳۱) گذر چکا ہے۔ یہ بھی انہی کی ایک کتاب ہے۔ تحریک اصلاح مسلمانان کے سلسلہ میں انہوں نے اور اُن کے رفقانے اس زمانہ میں جو کتابیں لکھی تھیں ان میں سے اکثر کے قلمی نسخے ادارے میں محفوظ ہیں۔ ان سے متاثر ہوکر دکن کے عالموں اور شاعروں نے جو نظم ونثر لکھی تھی اس کی تعداد بھی قابل ذکر ہے اور اس کا ذکر بھی اسی جلد میں آگے پیچھے درج ہے۔

سید احمد شہید کی تصنیف وتالیف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی زبان سے فرماتے اور مولانا عبدالحی یا مولانا محمد اسمٰعیل اس کو تختی پر لکھ لیتے اور پھر اُن کے سامنے پیش کرتے۔ وہ اس میں اصلاح وترمیم کرتے۔ اور بعض دفعہ پانچ پانچ بار اصلاح کی نوبت آتی۔ تب درج کتاب کرنے کی اجازت ملتی۔ چنانچہ تفسیر سورۂ فاتحہ اور حقیقت الصلواۃ دونوں کی ترتیب اسی طرح عمل میں آئی ہے۔

اس مخطوطہ کا تفصیلی بیان جلد اول صفحات ۲۲۰ - ۲۲۱ پر درج ہوچکا ہے۔ یہ اور اس کے ساتھ اس تحریک سے متعلق دوسری کتابیں حیدرآباد میں اس وقت نقل کی گئی تھیں جب سید محمد علی رامپوری اور ولایت علی عظیم آبادی اپنے ہادی سید احمد شہید کے حکم سے اپنے عقاید کی تبلیغ کے لئے حیدرآباد آئے تھے اور یہاں نواب مبارز الدولہ برادر ناصرالدولہ آصف جاہ رابع نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور حیدرآباد میں ہزاروں لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے تھے۔
۱۹ ورق - ۱۱ سطور فی صفحہ - ۶"×۹"۔

۶۷۱۔ رسالۂ جہاد۔ سید احمد شہید۔ قریب ۱۲۳۰ھ۔ نثر اردو

رسالۂ حقیقت الصلوٰۃ (۶۷۰) اور تقویۃ الایمان (۶۷۲) کے ساتھ ہی یہ رسالہ بھی ۱۲۴۸ھ میں حیدر آباد میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے مولف غالباً سید احمد شہید ہیں۔ انہی کی تحریک اصلاح و ترغیب جہاد سے متعلق قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کا اسلوب بیان اور ترتیب اس تحریک کے عام رسالوں کی طرح ہے۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۲۲۲ پر درج ہیں۔

۳۰ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ ۶×۹۔

۶۷۲۔ تقویۃ الایمان۔ محمد اسمٰعیل شہید۔ ۱۲۳۵ھ۔ نثر اردو

اس مخطوطہ کی تفصیلات جلد اول صفحات ۲۲۳ - ۲۲۴ پر درج ہیں۔ اسی موضوع پر ایک اور رسالہ غالباً سید عبد اللہ کا مولفہ ادارے میں نمبر ۶۳۲ پر موجود ہے اور اس کا بیان اسی جلد میں گذر چکا ہے۔

تقویۃ الایمان چھپ بھی چکی ہے اور اس کے مطبوعہ نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں اس کے جواب میں جو رسالے لکھے گئے ان کے قلمی نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں جن میں سے ایک ردوہابیہ (نمبر ۶۷۴) کا ذکر آگے درج ہے۔

یہ مخطوطہ حیدر آباد میں ۱۲۴۸ھ میں نقل کیا گیا ہے۔

۲۸ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ ۶"×۹"۔

۶۷۳۔ ہدایت المومنین۔ مصنف نامعلوم۔ قبل ۱۲۰۰ھ۔ قدیم اردو نثر

یہ قدیم دکنی نثر میں ایک مذہبی رسالہ ہے جس میں عقاید و فرائض کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی، ملفوظات صحابہ کے علاوہ مشہور علماء و صوفیا مثلاً عین القضات، غزالی، رومی، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید، شبلی، وراق، معروف کرخی، ابوسعید ابوالخیر، منصور الحسین، بوعلی سینا وغیرہ کے اقوال بطور دلیل پیش کئے گئے ہیں۔ مصنف عالم و فاضل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس مخطوطہ سے ان کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہوسکا۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۳ پر چھپ چکی ہے۔

۴۱ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ ۵½×۹"۔

۶۷۴ - ردّ وہابیہ - محمد ظہور علی - قبل ۱۲۵۰ھ - نثر اردو

اس کتاب میں سید احمد شہید، مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل شہید کی غلطیاں بیان کی گئی ہیں اور یہ دراصل تقویۃ الایمان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف ظہور علی مرید تھے مولانا فضل الرسول بدایونی کے۔ اور فضل الرسول بدایونی نے وہابی مذہب کی کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان دونوں کی غلطیاں وضاحت سے بیان کیں۔ اسی بیان کو محمد ظہور علی نے قلمبند کر لیا اور ہندستان کے مشاہیر علما اور صوفیا سے جو مراسلت کی تھی وہ بھی بعد کو شامل کر دی ہے۔

یہ مخطوطہ کرنول میں ۱۲۷۰ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ کرنول کے نواب نے بھی وہابیوں کے عقائد قبول کر لیے تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے کہ گرفتار کر لیے گئے۔ اور کرنول سے وہابی مبلغین کو بھاگنا پڑا۔ ان کی روانگی کے بعد وہاں ردّ وہابیہ جیسے رسالوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ یہ نسخہ اسی زمانہ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس کی تفصیلات جلد اول صفحات ۲۲۵ - ۲۲۶ پر درج ہیں۔

۲۴ ورق - ۱۷ سطور فی صفحہ - ½۵" × ½۹" -

۶۷۵ - دیوان اشفاق - محمد علی اشفاق - متوفی ۱۲۴۴ھ - کلام اردو

اشفاق دلی کے کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اکبر آباد میں پیدا ہوئے اور غالباً وہیں اسلام قبول کیا۔ وہاں سے اورنگ آباد آئے اور عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حیدرآباد چلے آئے۔ اکبر آباد ہی میں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا۔ رحمت اللہ مجرم تلمیذ میر محمدی بیدار سے اصلاح لی اور غالباً انہی کی صحبت کے اثر سے مسلمان ہوگئے۔ مجرم نے ترک دنیا کر کے لباس درویشی اختیار کیا تھا۔ اور ۱۲۵۰ھ تک بقید حیات تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ہی محمد علی اشفاق اکبر آباد سے نکل کر اورنگ آباد آئے تھے۔

مجرم کا ذکر تذکرۂ مینتم (مخطوطہ ادارہ نمبر ۵۶۴) میں صفحہ ۵۶۳ پر موجود ہے۔ تذکرہ قاسم و گلشن بے خزاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تلاش معاش کی خاطر دلی بھی گئے تھے۔ گلشن بے خزاں مولفہ ۱۲۵۹ھ میں لکھا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۰ھ و ۱۲۵۹ھ کے درمیان کسی سنہ میں وہ فوت ہوئے تھے۔ ان کے دیوان کا ایک مخطوطہ بھوپال میں سید عبدالجلیل صاحب مائل بی اے استاد اولاد نواب صاحب

بھوپال کے یہاں موجود ہے۔

ان کے شاگرد اشفاق کا ذکر شمالی ہند کے کسی تذکرے میں نہیں ملا۔ تذکرۂ ذکا کے حوالے سے یادگار شعرا میں صرف ایک اشفاق کا ذکر لکھا ہے جو شیخ سرفراز علی بریلوی شاگرد مرزا نوازش حسین تھے۔ مگر زیر نظر مخطوطہ کے مصنف اشفاق حیدر آباد میں تھے۔ اور دیوان کا یہ مسودہ غالباً یہیں مرتب کیا تھا۔ اور مخطوطہ تذکرہ گلشن میں ان کا مختصر ذکر بھی صفحہ ۵۳ پر موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی۔

دیوان اشفاق کا یہ مخطوطہ خود مصنف کا مسودہ ہے۔ بعض اوراق پر مصرع ہائے طرح اور اس کے قافیہ پہلے لکھ کر پھر غزلیں لکھی ہیں مثلاً ورق ۵۳ ب پر مصرع

کیا لطف سلیماں نے جو اورنگ اڑایا

لکھ کر نیچے یہ قافیے لکھے ہیں۔ چورنگ۔ سنگ۔ بیڈھنگ۔ تنگ۔ جنگ۔ نیرنگ۔ رنگ۔ پاسنگ۔ ہم سنگ۔ ارژنگ لکھے ہیں۔ ان کے نیچے غزل کے مصرعے درج ہیں۔ اسی طرح ورق ۵۴ الف پر قافیے دامن۔ روغن۔ گلشن۔ گلخن۔ مدفن۔ سوسن۔ ایمن۔ روشن۔ آہن۔ شیون۔ سوزن۔ پیراہن۔ اس کے بعد ایک غزل لکھی ہے جس میں بہت سے مصرعے کاٹ کر دوسرے بنائے ہیں۔ اس غزل کا مقطع یہ ہے ؎

پھونک دی اشفاق سوز عشق نے دل میں یہ آگ

دم ہے سینہ میں مرے یا ایک دھواں گلخن میں ہے

اسی طرح اکثر صفحات پر پنسل سے اشعار اور غزلوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ بعض جگہ پوری کی پوری غزل قلمزد کر دی ہے۔ اور بعض غزلوں پر صاد ڈال کر فارسی میں لکھا ہے کہ نوشتہ شد۔ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مبیضہ وہ تیار کر رہے تھے اور جو جو غزل اس میں اتار دیتے اس پر نوشتہ شد لکھ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے در اصل مبیضہ ہی کی خاطر اس دیوان پر نظر ثانی کی ہے اور مصرع اور لفظ بدلے ہیں۔

اس قسم کی تصحیح و اصلاح کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:۔

قبل اصلاح	بعد اصلاح
آتا ہے جو کچھ نور نظر شمع حرم کا	آتا ہے ابھی نور نظر شمع حرم کا
ہے کعبہ دل میں مرے جلوہ یہ صنم کا	واللہ یہ جلوہ ہے کسی دل میں صنم کا

بعد مرنے کے ملا میرے تئیں آرام دل	بعد مرنے کے ملا میرے تئیں آرام دل
زندگانی کا مجھے یارو برا آزار تھا	زندگی اشفاق خود مجھ کو برا آزار تھا
کیا خاک میں ملا یہ کوئی خاکسار آج	کیا خاک ہو گیا ہے کوئی خاکسار آج
کہا جو اس سے کسی نے کہ مر گیا اشفاق	کہا جو اوس سے کسی نے کہ مر گیا اشفاق
تو جوشِ غم سے لگا کہنے وہ نگار افسوس	تو سانس بھر کے لگا کہنے وہ نگار افسوس
گاہ ابرو گہہ جبیں گہہ عارض سیمیں نما	سو طرح ابرو جبیں عارض بنا پر آج کے
چاند سے اترا نہ کوئی نقشہ اس کا ہو بہو	چاند سے اترا نہ کوئی نقشہ تیرا ہو بہو
یاد ابرو میں ہوا اشفاق میں مثلِ ہلال	یاد ابرو میں ہوا اشفاق مثلِ ماہِ نو

یہ دیوان اگرچہ مکمل ہے اور اس میں جملہ حروفِ تہجی کی ردیفوں میں غزلیں شامل ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کسی غزل یا شعر میں اشفاق نے اپنی زندگی کی نسبت یا اپنے استاد، یا دوستوں اور معاش کے بارے میں کہیں کوئی اشارہ نہیں کیا۔ پورا کلام محض رسمی عشق عاشقی کے مضامین سے معمور ہے اور داخلی شہادتوں اور اشاروں سے عاری ہے۔

اس تمام دیوان کے مطالعہ کے بعد صرف چند ہی شعر ایسے ملے ہیں ؎

جی چاہتا ہے پڑھے کوئی اور بھی غزل　　اشفاق یہاں ہیں جمع سبھی دوستدار آج

اس شعر سے بھی کوئی مزید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ایک شعر میں اپنے معتقدات کا اپنا ہوا ذکر کیا ہے جو یہ ہے ؎

یا فاطمہ حسین و حسن مصطفےٰ علی　　اشفاق میرے ورد میں یہ نام شام و صبح

ایک نظم میں کسی کو عید الفطر کی مبارکباد دی ہے لیکن اپنے محسن کا نام تک نہیں لیا۔ اس نظم کے چند شعر یہ ہے ؎

صبحِ عیدِ رخِ جاناں ہو مبارک تجھ کو	شامِ زلفِ سرِ خوباں ہو مبارک تجھ کو
ساز و مطرب ہے مے و جام ہے اور ساقی ہے	عالمِ عیش کا ساماں ہو مبارک تجھ کو
طوطی و قمری و بلبل یہی گاتے ہیں ہم	روزِ عید اے گلِ خنداں ہو مبارک تجھ کو
بس دعا ہے یہی اشفاق کی ہے عید الفطر	[illegible] احساں ہو مبارک تجھ کو

اکثر اشعار میں اپنی عاشق مزاجی یا عشق پیشگی کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ؎

شاعروں میں وہ ہوں مصورِ عشق　　نقشِ معشوق میرا دیواں ہے

قسم ہے عشق کی ملت میں لعنت کے اہل ہے ہوں
اگر کافر گر مومن یہودی یا مسلماں ہوں

کیا کروں سلطنت خسرو پرویز اشفاق　　چاہیئے کوچۂ شیریں کی گدائی مجھ کو

عشق بازوں میں ہوں سجادہ نشیں لے اشفاق
سلسلہ میرا بلا واسطہ ہے مجنوں سے

اس مخطوطہ کا کاغذ نہایت بودا ہے۔ ورق اٹھانے میں پھٹ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اشفاق کا فارسی دیوان اور فارسی مکتوبات بھی شامل ہیں جن کا ذکر آگے درج ہے۔ دیوان اشفاق کے آخر میں دو ترکیب بند مخمس ہیں جن میں سے پہلے میں میر کی اور دوسرے میں حافظ کی غزلوں کی تضمین کی ہے۔ پہلے مخمس میں "ا بند" ہیں اس کے ابتدائی اور آخری بند یہ ہیں ؎

بیاں جو کرتے ہیں بھلا یا کہ برا کیا کچھ　　اس کی ملتی ہے جزا اور سزا کیا کیا کچھ
اپنی غفلت کا بیاں کیجے بھلا کیا کیا کچھ　　ہم سے گرا گئے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ
تو بھی ہم غافلوں نے آکے کیا کیا کیا کچھ

مثل اشفاق کے باہم رہے درد و غم سے　　نہ رہی گردش دوراں یہ موافق ہم سے
آہ برساتے ہوئے خوں مژہ پرنم سے　　ایک محروم چلے میر ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

۴۲ ورق۔ فی صفحہ ۱۸ اشعر۔ اور بعض میں ۱۴ سطر۔ "۱۲ × "۸۔

۶۷۶۔ دیوان اشفاق فارسی۔ محمد علی اشفاق اکبر آبادی۔ ۱۲۵۰ھ۔ کلام فارسی۔

محمد علی اشفاق فارسی کے بھی شاعر تھے۔ چنانچہ ان کے اردو دیوان (مخطوطہ ۶۷۵) سے قبل ان کا ایک مختصر سا فارسی دیوان بھی شامل ہے اور یہ بھی انہی کے قلم میں ہے۔ اس فارسی دیوان کے اشعار سے بھی خود شاعر کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ اس دیوان فارسی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

قربانِ تو بر گیر ز رخ زلف دو تارا　　بینیم ز شب قدر مگر نور خدارا
آں زندہ بخوردن کند ایں بہ کلامے　　اے آب لب لعل تو چہ قدر آب بقارا

ردیف دار غزلیں لکھی ہیں۔ لیکن صرف ردیف م تک کا کلام شامل ہے۔
اس دیوان کے سلسلہ میں ایک ترکی زبان کی عبارت معہ ترجمۂ فارسی نقل کی ہے۔ اور عبارت کے اس ترجمہ کے بعد ترکی مرکب ومفرد الفاظ لکھ کر ان کا فارسی میں مطلب لکھا ہے۔
اس فارسی دیوان سے قبل کسی کے فارسی مکتوبات شامل ہیں لیکن پتہ نہ چل سکا کہ یہ کن کے خطوط ہیں۔ چونکہ مصنف کا لیتھ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم عہد میں محکمۂ انشاء کی مہارت اس لئے ممکن ہے کہ یہ فارسی نثر بھی انہی کی ہو۔ کاغذ بہت ہی ناقص اور بودا ہوگیا ہے۔ ورق الٹانے میں پھٹ رہا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔
۵۲ ورق - ۱۵ سطورفی صفحہ - ۲ا" × ۸" -

۶۷۷- کلیات ولی - ولی محمدؒ اورنگ آبادی - ۱۱۵۲ھ - کلام اردو

کلیات و دیوان ولی کے اور متعدد قلمی نسخے ادارے میں موجود ہیں جن میں سے دو مخطوطات کا ذکر نمبر ۹۳ - ۱۱۲ پر تذکرہ جلد اول صفحات ۶۲ و ۶۳ میں درج ہوچکا ہے اور بعض اور مخطوطات کا ذکر آئندہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ یہ دو مذکورہ مخطوطات ۱۱۵۶ھ و ۱۱۹۱ھ میں بمقام حیدرآباد نقل کئے گئے تھے۔
زیر نظر مخطوطے کو اس وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ یہ ۱۱۵۲ھ میں نقل کیا گیا ہے اور اس کو اس عہد کے ایک اور اچھے شاعر بہتدیؔ نے قلمبند کیا ہے اور حاشیوں پر ولی کی متعدد غزلوں اور نظموں کا اضافہ کیا ہے۔ اور دیوان ولی کی کتابت کے بعد خود اپنا کلام بھی درج کیا ہے جس میں زیادہ تر حصہ غزلیات ولی پر بطور خمس لکھا گیا ہے۔
ولی کے اس کلیات کا پہلا ورق ضایع ہوگیا ہے۔ بحالت موجودہ یہ مخطوطہ جس غزل سے شروع ہوتا ہے اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں ؂

نہیں تو آہ ہور زاری جو سینے اور انکھیاں میں ۔۔۔ سمجھ بے شک کہ افسوں ہے سدا ان سوکے بجھا کا
موے کوں جیو بخشے آب حیواں بے گماں تا ۔۔۔ نین آنسو پنج پانی ہے سوتے دل کے جگانے کا

غزلیات کے بعد مخمسات، رباعیات، ترجیع بند، فردیات اور مستزاد وغیرہ سب نقل کئے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جب دیوان سے ابتدا میں نقل کی تھی اس میں بعض غزلیں

اور نظمیں درج نہیں تھیں یا ولی نے اس وقت تک کہی ہی نہ تھیں ۔ جب مبتدی کو بعد میں یا کسی دوسرے دیوان سے یہ غزلیں وغیرہ ملیں تو وقتاً فوقتاً حاشیے پر اضافہ کر دیا ہے ۔
ایک اہم بات اس مخطوطے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کئی جگہ ولی کا نام ولی محمد لکھا ہے ۔ اور چونکہ یہ ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر کا مکتوبہ ہے جو ولی کا معاصر تھا اس لئے اس نام کی صحت کے بارے میں مزید شہادت ملتی ہے ۔

غرض اس کلیات کی وجہ سے اس امر کا مزید ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ ولی کا نام سید ولی اللہ حسینی نہیں تھا ۔ اور مولوی عبدالحق صاحب نے ولی کی تاریخ وفات کے بارے میں جس قطعہ سے معلومات فراہم کی ہیں وہ ولی اورنگ آبادی سے متعلق نہیں ہے بلکہ کسی اور بزرگ سید ولی اللہ حسینی سے متعلق ہے ۔ ممکن ہے کہ کتاب ولی گجراتی میں جن ولی اللہ حسینی کا ذکر ہے ان سے تعلق رکھتا ہو اور وہ ولی اللہ حسینی ایک صوفی اور ولی ضرور تھے مگر شاعر نہ تھے ۔

اس کتاب میں حسب ذیل مقامات پر ولی کا نام درج ہے :-

۱۔ ورق ۱۱۴ کی پیشانی پر عنوان لکھا ہے "مخمسات ولی محمد" اور اس کے نیچے وہ مخمس لکھا ہے جس کا پہلا بند ہے ؎

عشق کر اے دل سدا تجرید کی ترک مت کر گفتگو تفرید کی
عاشقی ہے ابتدا توحید کی جس کوں لذت ہے سجن کے دید کی
اس کوں جو سوجھے ہے روز عید کی

۲۔ ورق ۱۲۰ کی پیشانی پر عنوان ہے "مثنوی ولی محمد" اور اس کے نیچے وہ مثنوی درج کی ہے جس کی پہلی ابیات یہ ہیں ؎

الٰہی عشق میں عشاق کر مجھ اپس کے شوق کا مشتاق کر مجھ
شریعت کا جہاں ہے شارع عام دو حق کا و ہانچ کر آغاز و انجام

۳۔ ورق ۱۰۰ الف کے درمیان مخمسات کے ختم پر عنوان قائم کیا ہے "ترجیع بند محمد ولی" اور اس کے نیچے

خبرے شتابی کہ بے تاب ہوں ترے ہجر میں بے خور و خواب ہوں

والا مشہور ترجیع بند نقل کیا ہے ۔

اس مخطوطہ کے آخری صفحات میں حسب ذیل دو تاریخیں درج ہیں جو دوران کتابت میں نکالی گئی تھیں ۔

"غنیم بھاگا" ۱۱۲۹ھ اور "شہید منزل خاص" ۱۱۳۷ھ۔
ان کے نیچے ۱۱۵۲ھ لکھا ہے جو غالباً اس مخطوطہ کی تکمیل کتابت کا سنہ ہے۔
کاتب مبتدی کی نسبت معلومات اس کے بعد ہی مخطوطہ نمبر ۶۷۰ کے سلسلہ میں درج ہیں۔ یہ مخطوطہ عمدہ دولت آبادی کاغذ پر شکستہ آمیز خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔
اس کلیات کے تحقیقی مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ولی کے آخری زمانہ کا کلام کونسا ہے۔
۱۲۴ ورق۔ ۱۲ سطور فی صفحہ۔ ½۶" × ½۵"۔

۶۷۸۔ کلام مبتدی۔ قبل ۱۱۵۲ھ۔ کلام اردو

مبتدی دکن کے ایک غیر معروف شاعر ہیں جن کا کلام اب تک کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ وہ ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر ہیں اور ولی کے زمانہ ہی میں موجود تھے۔ چنانچہ ۱۱۵۲ھ سے قبل ان کا دیوان نقل کیا ہے۔ جس کا ذکر ابھی مخطوطہ نمبر ۶۷۷ کے بیان میں گذر چکا ہے اور یہ مخطوطہ در اصل اسی دیوان کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ اور خود مبتدی کا مکتوبہ ہے۔ اس لئے کہ اکثر نظموں اور غزلوں کے اوپر راقمہ درج ہے اور چونکہ یہ مبتدی کا مسودہ ہے اس لئے جگہ جگہ اشعار میں بعد کو ترمیم و اصلاح بھی کی گئی ہے۔
اس مخطوطے میں ولی کے علاوہ نصرتی، یتیم اور سالک کے اشعار کی بھی تضمین کی گئی ہیں۔ ولی کی بیس سے زیادہ غزلوں کی مبتدی نے تضمین کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔
۱۔ ولی کی غزلیات کے مخمسوں میں پہلا مخمس ۵ بندوں پر مشتمل ہے اور اس کا ابتدائی اور آخری بند (دیکھو ورق ۱۱۵) یہ ہے ؎

مدت ہوئی سر جن میرا نظر نہ آیا | بھٹکیا جگت میں لیکن صاحب بندر نہ آیا
بھولیا پرت کی سد میں کوئی راہبر نہ آیا | افسوس اے عزیزاں وہ سیمبر نہ آیا
مجھ درد کی خبر سُن وہ بے خبر نہ آیا

کچھ نیں صدا نکلتی ہرنی کی بانلی سوں | شیرینی سب نکل گئی مصری کی ہر ڈلی سوں
یو مبتدی من کوں دوڑیا ہے بھوگلی سوں | کچھ نقد دل کا کھونا تحصیل نیں دلی کوں
نیں کوئی کہ تجہ گلی میں دل کوں لے نہ آیا

۲- دوسرے مخمس میں ۷ بند ہیں (ورق ۱۵ اب)۔ پہلے اور آخری بند یہ ہیں ؎

تجھ چشم میں بھریا ہے سب چھند ناز گویا
ٹکڑے کرے جگر کے تجھ غم کے کاز گویا
توں دلبروں میں جگ کے ہے یکہ باز گویا
ہے تیرا قد سراپا معنی ناز گویا
پوشیدہ دل میں میرے آتا ہے راز گویا

جب مبتدی ایس کوں لیا اس بکر جی پر
لکھ کر فصیح باتاں مصری کی ہر ڈلی پر
کہتا ہوں صاف دل کوں تجھ تنگ منزلی پر
وہ قائل ستم گر یوں آیا ہے ولی پر
جلدی سوں صید اوپر آتا ہے باز گویا

۳- ولی کی غزلوں کے تیسرے مخمس میں ۹ بند (ورق ۱۱۶) ہیں۔ ابتدائی اور آخری بند یہ ہیں ؎

برہ کے رہے پنتھ میں حال پریشاں ہوا
عقل نکل جا کہ سب شوق پشیماں ہوا
پیو کے تصور منیں صورت بے جاں ہوا
عشق سوں تیرے صنم جیو پہ طوفاں ہوا
مسکن اشک نین ساحل داماں ہوا

مبتدی کو لے ہوا شوق ترے وصف میں
خاص بھی ہور عام سب ہوئی ترے وصف میں
جن و ملک ہور پری یو بھی ترے وصف میں
تب سوں ولی کی زباں تیز ہے تجھ وصف میں

۴- چوتھے مخمس میں ۹ بند ہیں ؎

ابتدائی:- برہ کی رات جوں اماسی ہے
درد و غم اس کے بارہ ماسی ہے
دو دھیائی بڑی نراسی ہے
کوچۂ یار عین کاسی ہے
جوگی دل وہاں کا باسی ہے

آخری:- جس نے کچھ مال ابرہن پہ رکھیا
اس نے خوبی دیس کے من پہ رکھیا
مبتدی نے صندل بدن پہ رکھیا
اے ولی جو لباس تن پہ رکھیا
عاشقاں کے نزک لباسی ہے

۵- اس میں ۱۲ بند ہیں۔ پہلا بند یہ ہے ؎

عاصی کوں اس جگت میں فضل اللہ بس ہے
امید سوں نبی کے پوچل میں چاہ بس ہے
اس بندگی میں دایم گھسنا جباہ بس ہے
مجکوں شفیع محشر وہ ذی پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

۶- ۷ بند ؎

عیب پوشی میں پارسا کے تئیں
دیکھنا وہ مری منیا کے تئیں

دو دیانت ہیں سخا کے تئیں سحر پرداز ہیں بیا کے تئیں
ہوش دشمن ہیں خوش ادا کے تئیں

جوں چمن میں کھڑا ہے سرد آزاد بے ستوں میں پڑیا ہے جا فرہاد
مبتدی کے سخن کوں دیتا داد اے ولی کس انجیں کروں فریاد
ظلم کرتے ہیں بے وفا کے تئیں

۷۔ ۵ بند سے
عشق کا تب سوں مجھ سراغ ہوا عیش کا سب چمن سراغ ہوا
گل لالہ مرا ایاغ ہوا جب صنم کوں خیال باغ ہوا
طالب نشۂ فراغ ہوا
اے ولی گلبدن کوں باغ میں دیکھ دل صد چاک باغ باغ ہوا

۸۔ ۵ بند سے
عشق کا سب مدار کھوتی ہے زر کا خالص عیار کھوتی ہے
دوستی نامدار کھوتی ہے مفلسی سب بہار کھوتی ہے
حسن کا اعتبار کھوتی ہے

۹۔ ۷ بند۔ ولی کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے
اس نازنیں ادا میں اعجاز ہے سراپا خوبی میں گلرخاں کے ممتاز ہے سراپا
مجھ پر ولی ہمیشہ دلدار ہے مہرباں ہر چند حسب ظاہر طناز ہے سراپا

۱۰۔ ۶ بند سے
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں خوب رو خوب کام کرتے ہیں

۱۱۔ ۹ بند سے
باغ ارم سوں بہتر موہن تری گلی ہے ساکن تری گلی کا ہر آن میں ولی ہے

۱۲۔ ۸ بند سے
کمان ابرو پہ جیو قرباں ہوا ہے دل اس کے تیر کا پیکاں ہوا ہے

۱۳۔ آخری بند سے
مبتدی خوب رو مذاق سنے ان کی خوبی رہی نیں طاق سنے
جا چھپے ہیں سکل عراق منے مجکوں ہر دم ولی فراق منے
آہ ہے نالہ ہے پکارا ہے

مبتدی کے دیگر مخمسات ولی کی جن غزلوں کی تضمین کرتے ہیں ان کے مطلعے یہ ہیں —

۱۴- اے سرو خراماں تو نہ جا باغ میں چل کر　　مست قمری و شمشاد کے سودے میں خلل کر

۱۵- ولی دیکھیا جو اس انکھیاں سوں ساقی کے دو جام ے
ہوا ہے بے خبر عالم سوں ہور خواہاں ہے جام اس کا

۱۶- شوخ نکلیا جب قدم کوں تیز کر　　ناز کے شبدیز کوں اہمیز کر　(۱۳۲)

۱۷- یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا　　ہے وظیفہ مجھ دل بیمار کا　(۱۳۲ب)

۱۸- دیکھیا ہوں جسے وو مبتلا ہے　　خوباں کی نگاہ میں بلا ہے　(〃)

۱۹- قبلۂ اہل صفا شمشیر ہے　　ہادی مشکل کشا شمشیر ہے　(۱۳۳)

ولی کی غزلوں پر مخمس لکھنے کے علاوہ مبتدی نے ایک مخمس سالک کی غزل پر لکھا ہے
اس دور میں سید غلام حسن سالک رضائی قادری ابن سید شہاب الدین ابن سید محمد اسحاق قادری جنیری اورنگ آباد ہی میں مقیم تھے۔ سالک سنہ ۱۱۰۱ھ میں جنیر ہی میں پیدا ہوئے اور سن تمیز کو پہنچنے کے بعد گجرات جاکر حضرت شاہ علی رضا گجراتی کے مرید و خلیفہ ہوئے اور پھر اورنگ آباد آکر مقیم ہوگئے۔ ۲ر جمادی الاول ۱۱۷۶ھ کو وفات پائی اور اپنی بنائی ہوئی خانقاہ و مسجد میں دفن ہوئے۔ امیر الامرا حسین علی خاں معتمد الدولہ اور ناصر جنگ ان کے بڑے معتقد تھے۔ وہ حافظ قرآن، فصیح البیان مقرر، اور صاحب تصانیف ہونے کے علاوہ فارسی کے صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ اردو میں بھی شاعری کرتے تھے۔ چنانچہ مبتدی نے ان کی اردو غزل پر ۸ بند (ورق ۱۱۵ و) کا ایک مخمس لکھا ہے جس کا پہلا اور آخری بند یہ ہے —

برہ دل دل میں نیں رہا بس بس　　سب بدن کی اکڑ گئی نس نس
پیرہن میں اثر کیا جس جس　　توں جو مجھ سات بات کئے ہس ہس
وو خوشی مجھ جے تلک بس بس

عشق بازوں کی سرفرازی ہوئی　　درد مندوں کی دردسازی ہوئی
مبتدی کی یو جیت بازی ہوئی　　آج سالک کی روح تازی ہوئی
تیرے گُرشاں کی نادمن گھس گھس

سید غلام حسن سالک کی اس خانقاہ اورنگ آباد میں راقم الحروف نے بھی کچھ عرصہ قیام کیا ہے اور اپنی کتاب داستان ادب حیدرآباد کے کچھ اجزا وہیں قلمبند کئے گئے۔ ان کی مسجد اور خانقاہ چند سال قبل تک نہایت عمدہ حالت میں تھی۔

مبتدیؔ نے ایک مخمس یتیمؔ کی غزل پر بھی لکھا ہے ۔ اس دور میں شاہ یتیمؔ پرہیزی ایک بزرگ ہندوستان سے اورنگ آباد آئے تھے اور وہاں سے حیدرآباد کا رخ کیا جہاں ۱۱۱۷ھ میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد شاہ محی الدین ثانی قادری کی درگاہ میں مدفون ہوئے (تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم از عبدالجبار خاں ملکاپوری صفحہ ۱۱۳۰) معلوم ہوتا ہے کہ مبتدیؔ سے ان کی اورنگ آباد میں ملاقات رہی تھی ۔ اور ان کی یہ غزل پسند آئی رہی جس کی انہوں نے تضمین کی ہے ۔ اس مخمس کا آخری بند یہ ہے ؎

جنے مرشد سوں نیں اپنے لذت پیرت کی چاکھے ہے
سو وہ طالب نہیں سمجھو بخس اوپر کی ماکھے ہے
یو سن کر مبتدیؔ سے فہم داراں سوں یو آکھے ہے
یتیمؔ اللہ ملنے کی عبث امید راکھے ہے
کہاں وہ شاہ تک پہنچے خبر تجھ سے قلندر کی

مخمسوں کے علاوہ مبتدیؔ نے دوسرے مشاہیر شعرا کے ایک آدھ مصرعہ ہی سے متاثر ہوکر بھی غزلیں لکھی ہیں ۔ چنانچہ ورق ۱۲۰ ب پر "راقمہ مطلع نصرتی" کا عنوان لکھ کر ملک الشعرائے بیجاپور ملا نصرتی کے ایک مطلع کی اپنی غزل میں تضمین کی ہے یہ غزل درج ذیل ہے ؎

ہی کے نین میں مورت بھن کی نت پھری ہوے گی
جگر کی کاٹ کر عینک جنے چک پر دھری ہوے گی
پرکھیں گے شاعراں سب سن ہوس کی خوش لطافت
سعادت کی بلندی چڑہ فلکن کی مشتری ہوے گی
پڑیں گے سرسری تو اس نزاکت ہور معنی یا
تو سب شعرا نے اس کوں ابدلگ سروری ہوے گی
جو لیا حاسد حسد دل میں کہ جوں تپ میں پیا پانی
سو اس کے پیٹ میں تپ کے حد سوں بن تری ہوئے گی
ملائم قافیہ اس کا جو مضموں صاف ایچے گا تو
ہریالی کے وجوں چرہے سو جبل کوں ہری ہوئے گی
لذت اس کی سخن فہماں چکھیں گے کر کے تحسیں تھ
ہکس کے آفریں سارے سرس ہور رس بھری ہوئے گی

لکھیا ہے مبتدی نے یوں یو مطلع نصرتی کیے
غزل یو کہن کے اوپر جا افزا کی ابھری ہوے گی

معلوم ہوتا ہے کہ مبتدی ایک دقت پسند شاعر تھے۔ اور بڑی سخت زمینوں میں غزلیں اور مخمس لکھنا پسند کرتے تھے۔ ایک غزل (ورق ۱۲۴) بطور نمونہ درج ذیل ہے ؎

نمکہ بھن کرکے توں جیساں کوں گھونٹ — لاہتی ہاں خال زنگ لے بھونٹ
مت بنا توں ایس تے موں کو چھکا — جو کہے دیکھو کوئی سونگے ہے سونٹ
ٹمکہ کو شیریں کریں تو آپس تے — ایک کوڑی کو ملے ہیں کئی بونٹ
چھاؤں تل اس کے کوئی کیوں بیٹھے — کاٹ جس جھاڑ کوں کئے ہیں لٹونٹ
پھول تیرے بچن کے چننے کوں — ڈور دو لو پکڑ بندھیا ہوں اونٹ
جو بناں کے پھلاں مروڑنے کوں — ہات کی انگلیوں کو کیتا مونٹ
مبتدی اس جگت کی بازی کوں — کیوں توں جیتے گا یار کھلے رونٹ

مبتدی نے اپنا تمام کلام کلیات ولی کے بعد بطور بیاض نقل کیا ہے اور چونکہ خط شکستہ آمیز ہے اس لئے بعض جگہ صحیح پڑھنا بہت دشوار ہے۔ یہ مخطوطہ ۱۱۵۳ھ اور اس سے قبل مختلف سنین میں لکھا گیا ہے اور مصنف کا مسودہ ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہے۔

۱۰ ورق۔ ہر صفحہ میں تین کالم ہیں اور فی کالم ۱۷ اسطور۔ $\frac{1}{2}$ ۸ × ۵۔

۶۷۹۔ بازار حسن۔ از ملک خوشنود۔ قبل ۱۰۳۵ھ۔ مثنوی اردو

ملک خوشنود گولکنڈے کا ایک شاہی غلام تھا اور اس کی لیاقت اور کارگزاری اتنی پسندیدہ تھی کہ جب سلطان محمد قطب شاہ کی دختر خدیجہ سلطان کی شادی محمد عادل شاہ والی بیجاپور کے ساتھ ہوئی اور شہزادی کی پالکی، جہیز اور ساز و سامان کے ساتھ بیجاپور روانہ کی گئی تو اس کے انتظام کے لئے ملک خوشنود کو دوسرے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

بیجاپور میں ملک خوشنود نے ہر حیثیت سے بہت ترقی کی۔ وہ نہ صرف شاعر تھا بلکہ ایک اچھا منتظم اور سیاست داں بھی تھا۔ چنانچہ جب محمد عادل شاہ اپنے وزیر خواص خاں کی خود سری سے تنگ آگیا تو مجبوراً اپنی ملکہ کے بھائی عبداللہ قطب شاہ سے مدد چاہی اور اس غرض سے ملک خوشنود کو بیش تحایف دے کر گولکنڈہ روانہ کیا جہاں اس کی بڑی قدر و منزلت کی گئی۔ اس کی تفصیلات حدیقۃ السلاطین اردو شہ پارے اور سیر گولکنڈہ

میں شایع ہو چکی ہیں ۔
ملک خوشنود جو غلام کی حیثیت سے گولکنڈہ گیا تھا ۔ اب معزز سفیر کی حیثیت سے اپنے وطن کو واپس ہوا جہاں ایک عالی شان حویلی اس کے قیام کے لیے دی گئی اور دربار میں ہر باریابی کے وقت بخشش بہا تحفے دیئے گئے اور آخر کار جب بیجاپور واپس ہونے لگا تو گولکنڈے کے ملک الشعرا غواصی کو اس کے ہمراہ بیجاپور تک جانے کا حکم دیا گیا۔ ملک خوشنود نے عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں قصائد پیش کیے، اور اسی طرح محمد عادل شاہ کی مدح میں بھی لکھے ہوں گے لیکن یہ سب کلام اب تک کسی کتب خانہ میں نہیں ملا۔ البتہ محمد عادل شاہ کے حکم سے اس نے امیر خسرو کی دو مثنویوں ہشت بہشت اور یوسف زلیخا کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جن میں سے ایک یعنے ہشت بہشت برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ وہ مثنوی کل ۲۲۲۵ ابیات پر مشتمل تھی مگر برٹش میوزیم کے نسخے میں صرف ایک ہزار ابیات ہی موجود ہیں۔
اب تک یہ معلوم نہ تھا کہ ملک خوشنود نے سفر بیجاپور سے قبل بھی مثنویاں لکھی تھیں۔ زیر نظر مخطوطے سے اس کا علم ہوا ۔ اس میں جو مثنوی ایک شاعر مبتدی نے کلیات ولی کے حاشیہ پر نقل کی ہے ۔ اس میں حمد و نعت و مدح صحابہ کے بعد میر محمد مومن کی بھی مدح کی گئی ہے ۔ اور اس دور کی دوسری مثنویوں کی عام روایت کے خلاف کسی بادشاہ کی مدح درج نہیں ہے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک خوشنود نے سلطان محمد قطب شاہ کے عہد (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) میں یہ مثنوی پیشوائے سلطنت میر محمد مومن کی زندگی میں یا اُن کی وفات ۱۲ر جمادی الاول ۱۰۳۴ھ کے فوراً بعد ہی قلمبند کی تھی ۔ اور بادشاہ چونکہ ان کا بہت معتقد تھا اس لیے بادشاہ کی جگہ صرف میر محمد مومن کی مدح کافی سمجھی ہے یا یہ بات ہوگی کہ وہ میر محمد مومن کو خوش کر کے بادشاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ بہر حال یہ مثنوی گولکنڈے میں لکھی گئی ہے ۔ اور اس میں میر محمد مومن کی مدح اس طرح لکھی ہے کہ ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کسی زندہ آدمی کی مدح کر رہا ہے یا مرحوم بزرگ کی ۔
خوشنود ہی کی تقلید میں بعد کے شاعروں طبعی وغیرہ نے ابوالحسن تانا شاہ کے مرشد کی مدحیں اپنی مثنویوں میں درج کی ہیں ۔ چونکہ یہ ایک نادر مثنوی ہے اور میر محمد مومن کی مدح کسی اور اردو شاعر کے کلام میں اب تک نظر سے نہیں گذری اس لیے خوشنود کی زیر نظر مثنوی سے یہ پورا حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

در مدح میر محمد مومن

(ورق ۴)

کروں تعریف میں اہل صفا کی — وہ فرزند محمد مصطفےٰ کی
شرف میں غوث ہے سارے جہاں کا — قطب ساتوں زمیں ہور آسماں کا
محمد مومن ہے اسم شرف پاک کے — انن کے سیر کا میداں ہے افلاک
سکل شاہاں مریداں ہور وزیراں — کریں خدمت سو کل صوفی فقیراں
کریں سب مومناں کی رہنمائی — کرے ظاہر خدا کی سب خدائی
منجم مجتہد شاعر سخن میں — کہ ہے ہشیار سارے علم و فن میں
فلاطوں بو علی کی سیمیا کیا — ہنر شاگرد کرے کیمیا کا
پڑیا تھا شور سب ساتوں گگن میں — کہ نادر ہے ولی ملک دکھن میں
ریاضت سوں بھریا سب دامن اپ — ہوا ہور حرص کوں کیتا نظر دور
رکھے ہے پاک دیں اپنے خدا کا — کیے قایم شریعت مصطفےٰ کا
جتا ہے درد دکھ سارے جہاں میں — اتھا دارو انن کی سب زباں میں
کدھیں حالت ہے آوے شوق کا زور — کرے سب عشق کے دریے کوں پر شور
دعا سب مستجاب اہل یقیں کا — ولی اب مل سکل روئے زمیں کا
عجائب پیر نادر نیک سادات — شفاعت کی دکھا ہوں دور برات
نبی کی شرح کرنے میں سو سراج — لگا دل عرش ہور سجدہ ہے منہاج

خدا کا لطف سر اوپر تمام ہے
سدا خوشنود جم جیو سوں غلام ہے
اچھو مجھ اسم اس کے کفش میں اب
مجھل شاہاں نے درویش ہے جوں

اگرچہ یہ مثنوی نامکمل ہے اور اس کی صرف دو سو کے قریب ابیات اس مخطوطہ میں محفوظ ہیں لیکن موجودہ حصہ میں بھی خوشنود نے مدح میر مومن کی آخری بیت کے علاوہ حسبِ ذیل ابیات میں بھی اپنا تخلص استعمال کیا ہے ؎

نعت کے آخر میں ؎

دلا تجھ لطف کا دارو نبی پاک — بندے خوشنود کا ہے جیو دردناک

مدح صحابہ و منقبت علی علیہ السلام کے آخر میں ہے

بندے خوشنود پر رب کا نظر ہے　　مراجنت اگر کے ہیچ گھر ہے

ایک عجیب بات یہ ہے کہ میر محمد مومن جیسے بڑے مجتہد اور حیدر آباد میں مذہب اثنا عشری کے طرح انداز کی خوشنودی ایک ایسے شاعر کو بھی حاصل ہو سکتی تھی جس نے اپنی مثنوی میں اپنے عقاید کے مطابق صحابہ کی بھی مدح کی ہے۔ اس سے اس دور کی آزادیٔ معتقدات اور خود میر محمد مومن کی فراخ دلی اور بے تعصبی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ خوشنود نے صحابہ کی مدح اس طرح کی ہے۔

در مدح صحابہ

کہ چاروں یار مل ہے مصطفیٰ سوں　　صدق لیایا ہوں میں باول صفا سوں
ابا بکر و مصدق یار جانی　　عمر تھے یار دوسرے بھوت امانی
شرم دھرتے تھے تیسرے یار عثماں　　جو چوتھے یار علی شاہ سبحاں
صفت یاروں کی میں کیا کر سکونگا　　ولے ایمان میں ان پر رکھوں گا
کہاں قدرت زباں کوں اس سرنے　　زباں مجھ میں کہاں ہے اس بکھانے
خلافت ہے اول جو بوبکر کوں　　کہ بولے مصطفیٰ اپنی زباں سوں
کہ دوسرے مرتبے میں یوں عمر کوں　　دعا کیتے عمر ہے یوں عمر کوں
بزاں کرنا کہے شاہ علی کوں　　جو میرا امر ہے سو ہے اس ولی کوں

اس کے بعد حضرت علی کی ایک عمدہ اور طویل منقبت لکھی ہے۔ جس میں ۲۰ ابیات ہیں اور اس کے خاتمہ پر نئے عنوان سے مدح میر محمد مومن شروع کی ہے۔

مدح میر مومن کے بعد آغاز داستان کے عنوان سے اصل قصہ شروع کیا ہے جس کی اس مخطوطے میں صرف ۱۲ ابیات موجود ہیں۔ بعد میں کسی وجہ سے مبتدی نے کتابت ترک کر دی ہے۔ اس حصہ کی چند ابتدائی ابیات یہ ہیں ہے

جب یک بہار میں گلزار دیکھا　　پھول میں حسن کا بازار دیکھا
رنگا رنگیں کھلیں پھولاں چمن میں　　اٹھائے شور بلبل پھول چمن میں

چونکہ یہ مثنوی کلیات ولی کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے اور اس جلد میں اس کلیات کا ابتدائی ورق محفوظ نہیں ہے اس لیے اس مثنوی کی ابتدائی ابیات بھی اس کے ساتھ تلف ہو گئیں۔ بحالت موجودہ یہ حمد کی ان ابیات سے شروع ہوتی ہے ہے

جو کوئی اپنا جنوں آگر کہے گا | خدا کا معرفت وہ کیوں کرے گا
لوٹتا ہے عشق کے تلوے میں کانٹا | بزرگی دیکھ تجھ بچہ یا گوں نھاٹا
بولا توحید کا جوں اژدر آیا | خدا بن سب خدایاں کوں ودکھا
اگر چھیٹیاں پڑے دریا میں سارے | نہ ہرگز تیر کر آوے کنارے
اول توں تھانہ تھا کچھ مرغ واہی | کھپے گا سب رہے گا توں الٰہی
اتھا ہور جی رہے گا تو بچہ سرتاج | دھیرت کم کچھو نہ ہے کوئی تجھ باج

اس مثنوی میں خوشنود نے سبب تالیف کتاب کا عنوان قائم نہیں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ خاتمہ میں اس کا ذکر ہو جو اب محفوظ نہیں ہے۔ اس کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔ "بازار حسن" راقم الحروف نے آغاز داستان کی ابتدائی ابیات کے پیش نظر اس کا نام قرار دیا ہے۔ خود مصنف کے بارے میں بھی اس سے مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ البتہ حمد و مناجات کے سلسلہ میں چند بیتیں ایسی لکھی ہیں جن سے اس کی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے اس نے آخر کار عروج و عزت حاصل کی تھی۔ وہ ابیات یہ ہیں :-

ضعیفاں کوں نہ رکھ سی دردمیں تو | ہتی شر نے ملادے گرد میں تو
جسے منگتا نہیں کاڈیا وزیری | مڑ دڑیا کان اس کے لے فقیری
کریما کر کرم مجھ حال پر توں | مرے سب حال اور احوال پر تک
خودی کا خدشہ سب توں کر سوں کر دور | بھرا تس میں عبادت کا سکل نور
نبیؐ کے بلعف کا امرت پلا توں | گنہ سب دور کر پھر مجھ جلا توں

۹ ورق - فی صفحہ ۱۰ ابیات - ۶ ½ × ۵ -

۶۸- مجذوب السالکین - سید امین - قریب ۱۲۰۰ھ - اردو نثر

سید امین مہاراشٹر کے رہنے والے ایک عالم اور مصنف تھے جو عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی اور مرہٹی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنی اس کتاب میں ان زبانوں کے اقوال اور ضرب الامثال بھی درج کیے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وسیع المشرب صوفی تھے چنانچہ انہوں نے اس کتاب میں ہر دو قوم کے یعنی ہندو اور مسلمان صوفیوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ وہ شاہ میراں جی شمس العشاق کے خاندان میں مرید تھے۔ چنانچہ اپنا سلسلۂ بیعت بھی عبارت میں بیان کر دیا ہے۔

حضرت سید علی ساگڑے سلطان مشکل آسان قندھاری کا بھی اس میں ذکر کیا ہے اور دکن کے اکثر مشاہیر شعرا کے کلام سے اپنے بیان کو رنگین بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس مخطوطہ کی تفصیلات تذکرہ جلد اول صفحات ۲۱۹ - ۲۲۰ پر درج ہو چکی ہیں۔

اس کے صفحہ ۸۴ کے حاشیہ پر سوامی پرشاد کایتھ اصغر کا بھی فارسی کلام درج ہے جو ایک ہندی کبت کے فارسی ترجمے پر مشتمل ہے۔ چونکہ جلد اول میں یہ درج نہیں ہوا۔ اس لئے یہاں اصل ہندی اور فارسی ترجمہ دونوں پیش کئے جاتے ہیں۔

ہندی

نیٹ نرنجن من پر لاؤ ناتھ درپن دیکھ
تو وہ اپنے آوے گو۔
مانس جنم مانو مانس وسا بھولا تو پانس تو
ہووے مہاراج ہے کون پاوے گو۔
کھوں بھوگیانی کھوں اتیں آگیانی ہو
کھوں بہوت اجانی کھوں وتیا دکھائے گو۔
کھوں بھو پنڈت کھوں ایک میاموڑہ بھو
کھوں بھو کرتا کھوں یکتا کہاوے گو۔

فارسی

جائے شد غافل کمال شد جائے پر
غرور جائے عاجز غریب شد۔
جائے شد حافظ جائے نادان لایعقل
شد جائے کمین و کمترین جائے غیب شد۔
جائے بے آں نگار جلوہ گر بہاریں نے
از نظر دور ولے بر دم قریب شد۔
گوید اصغر واقف نشود خود نگر پنہان
و اظہر عجایب عجیب شد۔

یہ مخطوطہ صاف شکستہ آمیز نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ ۶۵ ورق - ۱۱ سطور فی صفحہ - $\frac{۳}{۴}$ ۵ × $\frac{۳}{۴}$ ۸ -

۶۸۱ - مخمس ولیؔ و رسالہ جات تعبیر نامہ و فال نامہ وغیرہ۔ فارسی و اردو

اس چھوٹی سی بیاض میں جس کو کسی شاعر فیاض نے ۱۲۱۱ھ میں لکھا ہے کئی رسالے درج ہیں۔ ان میں ولیؔ کا وہ مشہور مخمس بھی شامل ہے جو حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی کی مدح میں لکھا گیا تھا۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحہ ۶۰۲ پر شائع ہو چکی ہیں۔

مخمس ولیؔ کے علاوہ فارسی نثر میں ایک تعبیر نامۂ خواب ہے جو ناقص الاول ہے۔ اس مخطوطہ میں صرف باب سیوم سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں جملہ ۱۷ باب ہیں۔ اس کا خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے :-

"گفتہ اند از دیدن در خواب قیامت دلیل مراد مصیبت رسد یا بغم بگیرد۔

چنانچہ پریشانی پیش آید کہ ہلاک گردد نعوذ باللہ منہا۔ باید کہ زود صدقہ بدہد جامہ از تن یا ہفت نیم آثار غلہ گندم و یا نخود ۲۰ آثار و یا گوشت خام یا انچہ تواند ادا نماید ازاں آفت خدائے تعالیٰ خلاص دہد و از جملہ بلیات خدا ایش نگہدارد۔ العلم عند اللہ لا یعلم الغیب الا ہو"

اس کے نیچے یہ ترقیمہ ہے :۔

"تعبیر نامہ بتاریخ ۱۳ شہر جمادی الاول روز یکشنبہ ۱۲۱۱ ہجری بخط خلم بندہ فیاض قلمی نمود"

تعبیر نامہ کے بعد ایک نئے صفحہ سے دعائے نور لکھی گئی ہے۔ جو عربی میں ہے اور ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر مولانا جعفر حکیم کے مختلف نسخے فارسی میں درج کئے ہیں۔

اس بیاض کے صفحہ ۳۳ سے ایک فارسی مثنوی لکھی ہے جس کا عنوان ہے

"فال نامہ حضرت امیر المومنین"

اس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں ؎

ابتداء۔ امیر المومنین شاہ دو عالم — کہ باشد سوے او راہ دو عالم

آخری۔ ہر آں کس گر شک آرد اندریں فال — زبانش لال گردد ہمچوں گریال

حضرت خواجہ اویس قرنی اور غوث الاعظم دستگیر کے بتائے ہوئے عربی اور اردو وظائف اس فالنامہ کے بعد لکھے ہیں۔ اور آخری دو صفحات میں متعدد فارسی اشعار ہیں۔

۶۸ صفحات۔ ۱۵ سطور فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$۵" × $\frac{1}{2}$۳"۔

۶۸۲۔ حبیب المریدین۔ محمد حبیب علی رضوی ۱۳۰۹ھ۔ نثر اردو

محمد حبیب علی شاہ خلیفہ حافظ محمد علی شاہ خیر آبادی حیدر آباد کے مشاہیر صوفیا میں سے ہیں اور ان کی درگاہ محلہ کشل منڈی نامپلی میں زیارت گاہ خلائق ہے اور اسی کے قریب دکن کے مشہور مورخ اور مولف مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب آج کل مقیم ہیں۔ زیر نظر کتاب انہوں نے اپنے بھائی سید رضا علی رضوی کی فرمایش پر لکھی تھی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور متعدد کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب قلمبند کی ہے۔ ان سب کے نام اور حوالوں اور مختلف سلاسل صوفیا کے شجروں کی وجہ سے یہ مخطوطہ بہت اہم ہے۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحات ۲۲۶۔ ۲۲۷ پر شایع ہو چکی ہیں۔

۸۰ ورق۔ ۱۱ سطور فی صفحہ۔ $\frac{1}{2}$۸" × $\frac{1}{2}$۵"۔

۶۸۳- کشف الحاجۃ - محمد نور الدین چاٹگامی - ۱۲۶۲ھ - اردو نثر

فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں انگریزوں کی تحریک پر اُردو نثر میں جو ترجمے کئے گئے تھے ان کی وجہ سے ہندستان کے مختلف حصوں میں ترجمہ کرنے کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ زیر نظر مخطوطہ بھی اسی کا ایک ثبوت ہے۔ دکن میں بھی اس کا اثر پڑا تھا اور کئی ترجمے کئے گئے تھے۔ جن کا ذکر جلد اول صفحات ۱۶۰ و ۱۶۶ پر درج ہے۔

کشف الحاجۃ مشہور فارسی کتاب مالابدمنہ مولفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ترجمہ ہے جس کو محمد نور الدین ولد محمد اشرف چاٹگامی نے اس وقت کلکتہ میں لکھا جب وہ تحصیل علم سے فارغ ہوکر ہندستان سے چاٹگام واپس جارہے تھے۔ اور اثنائے راہ میں کلکتہ میں کچھ دن دوستوں کے یہاں قیام کیا تھا۔ اس کی تفصیلات جلد اول صفحات ۲۲۷ و ۲۲۸ پر درج ہیں۔

۳۳ ورق - ۱۳ سطر فی صفحہ - ۹" × ۵½" -

۶۸۴- مفصل المذاہب - نام مصنف نامعلوم - قبل ۱۲۷۸ھ - عقاید فارسی

یہ ایک فارسی رسالہ ہے جس میں اسلام کے ۷۲ ناری اور ایک ناجی فرقہ کی تفصیلات لکھی گئی ہیں۔ حمد و نعت کے بعد مصنف نے اپنا نام معلوم نہ ہوسکا کتاب کے موضوع کے بارے میں اس طرح لکھا ہے:-

"این چند اوراق در کیفیت و معنی حدیث نبوی کہ مروی و صحیح است کہ فرمود جناب آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم امت من ہفتاد و سہ فرقہ خواہند شد۔ یکے ازاں ناجی و جملہ ناری۔ از کتب معتبرہ کہ از مطالعۂ آں ہریک بشر محروم بود نوشتہ شدہ تاکہ خواص و عوام حسن مذہب سنت جماعت خود و قبح مذاہب دیگر فرق کہ خلاف صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین رہبری می کنند بخوبی دانند۔"

اس کے بعد جملہ فرقوں کے نام اور ان کی خصوصیات تفصیل سے لکھی ہیں۔ ابتداء:-

"اللہ تعالیٰ جمیع گم کردگان رہ را بر راہ راست آورده عمل بر معمول رسول کریم و صحابۂ کرام و ائمۂ مجتہدین نصیب گرداناد۔"

کاتب نے اپنا نام اور مقام کتابت نہیں لکھا۔ صاف مگر خفی نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں اس کے مالک رفیع الدین کے دستخط بھی درج ہیں۔

آخر میں ترقیمہ یہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفیع الدین ہی نے اپنے لئے اس کو نقل کیا ہے:-

"تمت الرسالہ المسمی بہ مفصل المذاہب بروز یکشنبہ دوم صفر ۱۲۷۸ھ"
اس کے بعد ہی ستاروں کے ناموں اور ان کے مقاموں کی تفصیلات بھی فارسی میں درج کی گئی ہیں۔ اس کے بعد دو اردو مثنویاں اور ایک فارسی رسالہ نکاح نامہ بھی شامل ہے۔ جس کا ذکر آئندہ درج ہے۔
۱۰ صفحات - فی صفحہ ۱۴ سطور - $\frac{1}{4}$۷" × $\frac{1}{4}$۴" -

۶۸۵- مثنوی محرمات شرعی و مثنوی تعزیہ - از محمدی و بحر - قریب ۱۲۵۰ھ　　مثنوی اردو

رسالۂ مفصل المذاہب کے ساتھ اسی جلد میں یہ دو اردو مثنویاں بھی شریک ہیں۔ اور اسی سنہ یعنی ۱۲۷۸ھ میں نقل کی گئی ہیں۔ ان کے کاتب بھی غالباً رفیع الدین ہی ہیں۔
ان دونوں مثنویوں کی تفصیلات جلد اول کے صفحہ ۲۲۹ پر درج ہو چکی ہیں۔ پہلی مثنوی میں حضرت امین الدین کے مرید محمدی نے ان عورتوں کی تفصیل بیان کی ہے جن سے نکاح حرام ہے۔
دوسری مثنوی میں لکھنؤ کے شاعر بحر نے تعزیہ داری کا مضحکہ فحش طریقے سے اڑایا ہے۔
۴ صفحات - ۱۴ سطور فی صفحہ - $\frac{3}{4}$۴" × $\frac{1}{4}$۷" -

۶۸۶- نکاح نامہ - مرتب نامعلوم - قبل ۱۲۷۸ھ -　　فارسی نثر

اس مختصر سے فارسی رسالہ میں جو اردو مثنویات محرمات شرعی وغیرہ (۶۸۵) کے ساتھ ہی قلمبند کیا گیا ہے۔ نکاح کے بارے میں ضروری معلومات درج کی گئی ہیں۔ پہلے یہ لکھا ہے کہ ازواج و دختران نبی محترم کے مہر کیا تھے۔ پھر یہ بیان کیا ہے کہ شادی کے وقت کن امور کو پیش نظر رکھ کر عورت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ بیوی کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ ضروری ہے وغیرہ۔ یہ سب مضامین جمال الدین محمد عرف محسن علی الہاشمی کی کتاب تحفۃ المشتاق فی بیان النکاح والصداق سے ماخوذ کی گئی ہیں۔
یہ رسالہ بغیر حمد و نعت کے شروع کر دیا گیا ہے۔ ابتدا اس طرح کی ہے:۔
"اقل مہر دہ درم شرعی ست کہ سی ویک ونیم ماشہ باشد واکثر را حدے نیست"

آخری عبارت یہ ہے :-

"در حدیث آمدہ کہ مزب کند بجیشؐ کہ اعضا را جدا نہ سازد یعنی از شکست و خرابی اعضا پرہیز دارد"

اس کے بعد عربی میں تحفۃ المشتاق حسن علی ہاشمی سے استفادہ کا ذکر کیا ہے اور کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۹ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - $\frac{3}{4}$۴" × $\frac{1}{4}$۲" -

۶۸۷- کہانی و قصہ - مودب (؟) قبل ۱۲۳۶ھ - مثنوی اُردو

دولت رام نے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں اپنے دوست لالہ گندھنا لال کی فرمایش پر بمقام بنارس یہ مثنوی لکھی ہے۔ ممکن ہے کہ مادب یا مودب ان کا تخلص ہو۔ اس مثنوی کا کوئی خاص نام نہیں رکھا بلکہ ابتدائی اور آخری ابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانی و قصہ ہی اس کا نام ہے۔ ابتدائی ابیات یہ ہیں ؎

نہ ہو خواب غفلت میں اے دل نگار   کہ بیدار ہے پاک پروردگار
کہانی و قصہ یہی ہے دروغ   مگر حرف شیریں میں کچھ ہے فروغ

اس مثنوی کی تفصیلات جلد اوّل صفحات ۲۲۹ و ۲۳۰ پر چھپ چکی ہیں خط نستعلیق میں یہ مخطوطہ لکھا گیا ہے اور بہت ہی کرم خوردہ ہے۔

۱۰ صفحات - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۹" × ۶" -

۶۸۸- عجائب و غرائب - دولت رام - قبل ۱۲۳۶ھ - فارسی نثر

مثنوی کہانی و قصہ (۶۸۷) کے ساتھ ہی دولت رام نے یہ فارسی رسالہ بھی قلمبند کیا ہے جس میں مختلف عجیب و غریب قصّے اور کہانیاں سادہ فارسی میں بیان کی گئی ہیں۔ آغاز میں کوئی حمد و نعت نہیں ہے بلکہ اس طرح شروع کر دیا ہے۔

"دو زن برائے طفلے منازعت کردند و گواہ داشتند - ہر دو پیش قاضی رفتند و انصاف خواستند"

اس طرح یکے بعد دیگرے متعدد حکایتیں اور لطیفے درج کئے ہیں۔ آخری عبارت یہ ہے :-

"حالا شمع در دست گرفتہ مرا بی جوی بہ بیں بالائے در حتم"

ترقیمہ یہ ہے :-

"تمام شد قصہ عجائب و غرایب بتاریخ بست وسیوم جمادی الاول ۱۲۳۶ھ ہجری روز سہ شنبہ بخط خام دولت رام تحریر یافت - ہر کہ خواند دعا طمع دارم زانکہ من بندۂ گنہ گارم مطابق بست ہفتم ماہ فبروری ۱۸۲۱ء عیسوی موافق بہاسی بدی دشمی سمت ۱۸۷۷"

بخط نستعلیق شکستہ لکھی گئی ہے - کاغذ بہت کرم خوردہ ہوگیا ہے -

۲۷ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۹ × ۶ -

۶۸۷- دیوان دوم پروانہ - شاہ ضیاء الدین حسینی پروانہ - ۱۱۸۶ھ - کلام اردو

شاہ ضیاء الدین پروانہ کے حالات ان کے ایک ناقص الطرفین دیوان (دیکھو مخطوطہ نمبر ۵۸۶) کے بیان میں اسی جلد کے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۳ پر درج ہو چکے ہیں - زیر نظر مخطوطے میں پروانہ کا مکمل دیوان ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل کے اوراق میں ان کا فارسی دیوان شامل تھا جس کی آخری غزل اس مخطوطے کے پہلے ورق پر درج ہے - اس کا مقطع یہ ہے ؎

ذکا فرمود با پروانہ ام از راہ دلسوزی   شبے در خانۂ خود شمع روشن کن بخانو کی

اس کے نیچے کچھ جگہ خالی چھوڑ کر بعنوان "نام و تاریخ ترتیب ردیف دیوان ہذا" حسب ذیل اردو غزل لکھی ہے ؎

ہر شمع کو اشک رقت آیا   اس خاک پر ابر رحمت آیا
الفاظ کی کثرت اوس میں معنی   ہو جلوۂ پاک وحدت آیا
پروانہ کی راکھ کا نمک ہے   یا شور دل قیامت آیا
دیوان دوم ہوا مردف   دل پیک ہوے بشارت آیا
دیوان کا نام و سال تاریخ   آتش کدۂ محبت آیا

۱۱۸۰

عجیب بات یہ ہے کہ دیوان سراج کی ترتیب کی تاریخ بھی اسی آتش کدہ محبت سے نکالی تھی - یہ دیوان خانقاہ عنایت الٰہی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور اس کا حوالہ اسی جلد کے صفحہ ۱۸۱ پر دیا گیا ہے - ممکن ہے کہ اسی سال انہوں نے اپنے استاد کا اور اپنا دونوں کلام مرتب کیے ہوں -

اس دیوان کی پہلی غزل میں آخری چند شعر قطعہ بند لکھ کر اپنے مرشد سراجؔ کا ذکر اس طرح کیا ہے ۔

یا پیر سراجؔ دو جہاں فضل و کرم ہے | والی ہے تو پروانہ کی بے بال و پری کا
شیرینی ہے دیوان تتبع میں ترا فیض | شور اس کا نمک کیجیے زخم جگری کا

ردیف الف میں تقریباً ۴۰ غزلیں ہیں ۔ ان میں ایک اور جگہ سراجؔ کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے ۔

ہو کے پروانہ جاں نثار سراجؔ | صف عشاق بیچ نام کیا

ردیف (ج) کی ایک غزل میں لکھا ہے ۔

پروانہ دردمند ہے سید سراجؔ کا | ہے اون کے پاس اس دل بے تاب کا علاج

دوسری ردیفوں میں سراجؔ کا ذکر ۔

ہے پروانہ سراج الدین کا عاشق | ہوا ہے عشق سے اوس کے خدا خوش
لطف و کرم سے حضرت سید سراجؔ کے | پروانہ ان دنوں میں ہوا نوبہار فیض
کاجل ہوا ہے چشم کا خوبان ہند کی | پروانہ سراجؔ کے ہے حسن دود میں
جلدی سے خبر لیجو یا پیر سراج الدین | آتش میں جدائی کی جلتا ہے یہ پروانہ

مخطوطہ ۵۸۶ جس شعر سے شروع ہوتا ہے وہ اس میں غلط نقل ہوا ہے ۔ زیر نظر دیوان میں یہ شعر یوں ہے ۔

لبوں اوپر ہیں محبوبوں کے مسی کی جمی دھڑیاں | کہ برگوں پہ گلوں کی پنکھڑیاں سوسن کی ابھریاں

یوں بھی یہ دیوان بہت صحیح نقل ہوا ہے ۔ وہ ہر غزل کے اوپر کاتب نے سرخ روشنائی میں اس طرح کے عنوان لکھے ہیں :۔

”منہ رفع اللہ قدرہٗ ۔ لہٗ اقرب اللہ قربتہ ۔ ایضاً اعز اللہ قدرہٗ لہٗ غفر اللہ ذنوبہ ۔ منہ ستر اللہ عیوبہ ۔ اوصلہ اللہ الی ما یتمناہ ۔ عنہ شرح اللہ صدرہٗ ۔ ارفع اللہ درجاتہ “

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب پروانہ کے شاگرد یا مرید یا عزیز تھے جو ان کو ہر غزل پر دعائیں دیتے رہے ۔

غزلیات کے خاتمہ پر ۲ رباعیاں لکھی ہیں ۔ اس کے بعد فردیات ہیں اور پھر متعدد مخمسات ۔ ایک مخمس میں حشمتؔ کے ایک مصرع کی تضمین کی ہے اور اس کا عنوان لکھا ہے ”تضمین مصرع حشمتؔ جہان آبادی کردہ“ اس کا آخری بند یہ ہے ۔

مجلس میں سُن کے موعِ حشمت کا آج حال   پروانہ شمع رو سے یتی ہم نے کیا سوال
قصہ یہ حسن و عشق کا نے سرد و نہال   کچھ تو خدا کے سامنے کہئے گا انفعال
کل معرکہ میں ہم بھی ہیں اور تم بھی واہ واہ

ایک مخمس کا عنوان ہے "ریختۂ استاد مصنف اعنی میر محمد مہدی المتخلص بہ متین بہ بیان پوری مخمس کردہ"۔ اس میں ۵ بند ہیں اور اس کا آخری بند یہ ہے ؎

یہ تصور مثل پروانہ ہے رات اور دن لگا   بھر کے لوہو کو جگر کے اپنی چشمِ زار میں
ہو قلم تیار کر ہر موئے مژگاں سے نکلیں   لے متین آہوں کی میرے رنگینی کی تحریر
کھینچ کر دل کے ورق پر راگ مالا لیجئے

اس کے بعد عنوان ہے "ریختہ میر محمد مراد کہ برادر طریق مصنف است، آں را مخمس کردہ"۔ اس میں بھی ۵ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے ؎

ہے بس کہ درمیاں جو ارادت کا احتا   مرشد کا نقش دیکھ رکھ اللہ کو دل میں لے
پروانہ صدق دل سے کہتا ہے ہوئے شاد   پہونچے وہ کیوں نہ منزلِ مقصود کو مراد
رہبر نبی ہیں جس کے علی پیشوا ہوئے

اس کے بعد ملا آذری کے ایک مشہور فارسی قطعے کی تضمین کی ہے جس کے آخری شعر یہ ہیں ؎

عمرہا باید کہ تا گردوں گرداں یک شبے   عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن
فضل حق باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود   بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

حضرت علی کی منقبت کے دو مخمسوں کے بعد ایک مسدس لکھا ہے جس کے ہر بند میں کسی ایک شعر کی تضمین کی ہے۔ آخری بند یہ ہے ؎

ہوں پروانہ سراج الدین علی کا   ہو ذرہ ہی وہ ہر انوری کا
ہوں بلبل اس گل باغ نبی کا   ہوں شاغل اس خفی کا ہو رجلی کا
محب اہل بیت مصطفیٰ ہوں
غلام خاندان مرتضیٰ ہوں

اس کے بعد وہ طویل قصیدہ ہے جس میں نعت و منقبت اہل بیت اور اپنے احباب وغیرہ کا حال لکھا ہے اور جس میں سات غزلیں شامل ہیں۔ اور ہر غزل میں ایک نہ ایک صنعت براعت استہلال بھی رکھی ہے۔ اس کا مطلع ہے ؎

نکالی تو نے بہار کی شاید نئی بانی   کہ ہے برسات سے مجھ آنسوؤں کی قطرہ افشانی

اس قصیدے میں اپنے مرشد شاہ سراج کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

سراج الدین محمدؐ سورۂ اخلاص ہے اون کی   کہ ہے توحید میں وہ مصحف علم خدادانی
کلام اوس کا سمجھنا حضرت جبرئیل کا حق ہے   بیاں واجب کا اوس میں کیونکہ سمجھیں اون کو لسانی
وہی وجانیشن دلکش ہیں بنعہ میں ہیں اون کا   میں تفسیر حسینی ترجمہ اوس کا ہوں عرفانی

اس کے نیچے بعنوان " التفات بمدح حضرت سید فخر الملت والدین مدظلہ العالی " یہ شعر لکھے ہیں ؎

جناب فخر دین وملت احمد نے بھی مجھ کو   تلطف سے کیے ہیں بیشتر اشغال ارزانی
وہ ہیں خلق عظیم دفتر قران کے ماہر   .... محبوب سبحانی

اس کے بعد عنوان ہے " التفات بمدح سیدنا و مولانا و اوستادنا سید غلام علی المتخلص بہ آزاد مدظلہ العالی " اس کے چند شعر یہ ہیں :-

میرے استاد ظاہر سید آزاد برحق ہیں   ہیں قران سیادت اون سے کی میں نے سبق خوانی
علوم ظاہری میں ان سے کیا میں نے سبق حاصل   خصوصاً فارسی کے فن کی سیکھا ہوں زباندانی
زباں میری قلم کی اب ثنا میں ان کی قاصر ہے   کریں تعریف ان کی موسی و ہارون عمرانی

آخر میں اپنے دوستوں کا ذکر اس عنوان کے تحت کیا ہے :-

" التفات بہ غزل ہفتم خاتمہ در تعریف شراء معاصرین کہ در سلسلہ سراجیہ و فخریہ و آزادیہ شاگرد و مرید اند "

اس حصہ قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں ؎

ہر ایک اون شگفتوں میں بحر امواج فصاحت کے   بلاغت اور علو کے فکر میں ہر یک فلک ثانی
ذکا و مہرباں ارشد کا ساکی مرتبہ ہیگا   سخن گوئی مرے سید متیں کی اور سخندانی
شاد و افتخار امداد اور سید مراد ان میں   وفا روشن ہے اور پروانہ سب کا دوست جانی
رضا صوفی فتوت اور ہے اللہ یار ان میں   ضیا محبوب ولکثر سید و گوہر ہے عمانی
دو لالہ ان میں یک بیجاں ہے اور صاحب بلا ہے   خدا حافظ ہے اس کا حق کرے اس کی نگہبانی

اس دیوان کا اختتام اسی قصیدے پر ہوتا ہے اور اس کا مقطع یہ ہے ؎

بیاں کی شمع کو خاموش کر پروانہ بس چپ رہ   کہاں تک سر پھرا دیگا بہوت کی تو نے لسانی

اس کے بعد فارسی نثر میں ایک عبارت ہے جو کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جاتی۔ یہ مخطوطہ ۱۱۹۹ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے کاتب محمد صالح بیگ خالق ہیں جنھوں نے اس کے بعد ہی دیوان منظفر نقل کیا ہے جس کا ذکر آئندہ درج ہے۔

خط نستعلیق ہے مگر بہت کرم خوردہ ہو گیا ہے۔ ہر صفحہ زخمی اور شکستہ ہے جس کی وجہ

ہے پورا کلام برابر پڑھا نہیں جاتا۔

یہ مخطوطہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی کا عطیہ ہے۔

۴۲ ورق۔ ۱۸ سطور فی صفحہ۔ ½۸ × ۵۔

۶۹۰- دیوان مظفر- مظفر اورنگ آبادی تلمیذ خالق- قبل ۱۱۹۹ھ- کلام اردو

دیوان پروانہ کے ساتھ ہی محمد صالح بیگ نے ایک غیر معروف شاعر مظفر کا بھی دیوان ۱۱۹۹ھ میں نقل کیا ہے۔ لیکن یہ دیوان اتنا زیادہ کرم خوردہ ہو گیا ہے کہ برابر پڑھا نہیں جاتا۔ جتنے اشعار پڑھے گئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی قدیم اورنگ آبادی شاعر تھے۔ اور کسی بزرگ خالق کے مرید تھے۔ چنانچہ اکثر مقطعوں میں ان کا احترام اور محبت سے ذکر کیا ہے۔ بطور مثال بعض غزلوں کے مقطع یہاں درج ہیں :-

کمتر بندہ مظفر خالق کی بارگاہ کا — رکھ آرزو چمن کی قدماں پو سر نوایا
جا عشق کے بازار بکا خود کوں مظفر — خالق سا تجے دا نجہ خریدار ملے گا
اے مظفر عشق کی ایگانگی میں — بھید ہے خالق کے خوش اسرار کا
مارگ بجز مظفر مرشد بجز نہ ٹٹے — پچھے عزم نہ کر زماں میں خالق کا نام لے
مظفر مت رہو مل یار کے سنگ — کہ خالق کے رازداں چوسار ہے مست

خوش صدق سوں مظفر خالق کا داس ہو تب
پاویگا فضل حق سوں دونوں جہاں میں عزت

مظفر یاد خالق برتری ہے — بسر مت سرور سالار کا یاد

مظفر خوف جاں مت کر کہ تو تجہے ہے خالق کا
دوائے دل تجے دیسے ترا دلدار ہے حافظ

بینے مظفر غم نہ کھا ہے مہرباں تیرا صنم
تجکوں ملیا از فضل رب خالق سا ولی خیفا

اب بھول مت مظفر اس اسم با مسما کوں — خالق ستی ہوا ہے ارشاد اللہ اللہ

یہ دیوان ردیف وار مرتب ہے اور اس کی ابتدا اس غزل سے ہوتی ہے :-

اللہ ہے نام ذاتی کیا بہرہ لے کر آیا — کر اس کی تک صفاتاں عالم سے خیر جتایا
سٹ کر احد کے گھر کوا ع مشتقل ہے احمد — لا میم کا نظارا سب جگ میں ظلم چھایا
لکھ میم کا معما ذات محمدی میں — سارے عناصراں کوں یک ٹھار کر لیا

نور نبی ہویدا ہونے ہنگیا خودی سوں   سارے زمیں زماں کو اُن شوق سوں بنایا

ایک ایک غزل حمد۔ نعت اور معراج میں اس طرح لکھی ہے جیسے قدیم مثنویوں میں التزام رہتا تھا۔ معراج کی غزل اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

دونوں جہاں کا مرسل خاتم نبی ہے سارا   اک آن میں کیا جا معراج کا نظارا
دیکھیا ہے سب تماشا پہنچا ہے وصل کی جا   معبود ہور عبد کا پردا ہوا کنارا

بعض جگہ حرف نے کا استعمال اورنگ آبادی شاعروں کی طرح کیا ہے۔ مثلاً ؎

کہتا ہے مظفر نے یقیں دل کے نین سوں
معمور تجے چشمۂ بینا پو دیکھیا ہوں

غزلیات کے آخر میں ایک طویل مسدس لکھا ہے جو اپنے مرشد خالق کی مدح میں ہے۔ اور جس کے ہر بند میں اس ایک ہی شعر کی تضمین کی ہے ؎

ہو فضل قادر سوں اب بار بار   ہے خالق ولی جگ منے کامیاب

مظفر ایک صوفی شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مرشد کے عشق میں مگن تھے۔ اور زیادہ تر کلام انہی کی مدح میں لکھا ہے۔ یہ مخطوطہ خالق ہی کے ایک مرید محمد صالح بیگ خالقی نے ۱۱۹۱ھ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ترقیمہ کی پوری عبارت پڑھی نہیں جاتی۔ نسخہ نہایت کرم خوردہ اور بوسیدہ ہوگیا ہے۔ افسوس ہے کہ ادارہ کو بڑی خراب اور ردی حالت میں دستیاب ہوا ہے۔ ورنہ داخلی شہادتوں سے مظفر کی نسبت مزید معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ عطیہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی رفیق ادارہ۔

۲۴ ورق۔ ۱۳ سطور فی صفحہ ۸½ × ۵ ۔

۶۹۱۔ قطب مشتری۔ ملا وجہی۔ ۱۰۱۸ھ۔   مثنوی اُردو

ملا وجہی گولکنڈہ کا وہ مشہور ملک الشعرا اور نثر نگار ہے جس نے اس سلطنت کے چار بادشاہوں کا عہد دیکھا اور اس کے انتہائی عروج کے دور میں اپنی زندگی درباری قدردانی میں امن و اطمنان کے ساتھ طویل عرصہ تک گذاری۔

وہ ابراہیم قطب شاہ (متوفی ۹۸۸ھ) کے عہد میں پیدا ہوا اور نشو و نما پائی اور غالباً فیروز بیدری (دیکھو مخطوطہ ۹۵۳) سے فیض حاصل کیا چنانچہ اس مثنوی میں احترام کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ - ۱۰۲۰) کے عہد میں شاہی تقرب کا اعزاز ملا اور بادشاہ کی داستان عشق زیر نظر کتاب قطب مشتری میں ۱۰۱۸ھ میں

لکھی ہے اور اس کے نواسے عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ - ۱۰۸۳) کے عہد میں اس کی فرمایش پر سنہ ۱۰۴۵ھ میں اردو نثر کی پہلی مکمل کتاب سب رس لکھی۔

زیر نظر مخطوطہ کی اہمیت سے سب سے پہلے راقم الحروف نے کتب خانہ انڈیا آفس میں ۱۹۲۷ء میں واقفیت حاصل کی۔ اور اس پر ایک تفصیلی مضمون لکھ کر مجلہ مکتبہ میں ۱۹۲۸ء میں شایع کیا اور بعد کو وجہی اور اس کے کارناموں کی نسبت اپنی کتاب اردو شہ پارے میں سنہ ۱۹۲۹ء میں تفصیلی معلومات اور انتخاب کلام شایع کیا اور چاہتا تھا کہ اس کتاب کو مرتب کرکے شایع کرے چنانچہ اسی خیال سے اس کو نقل کر لیا تھا۔ بعد کو مولوی عبد الحق صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کے یہاں بھی اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے۔ اس لئے اور دوسری مصروفیتوں کے باعث بھی میں نے یہ کتابت روک دی۔ مولوی صاحب نے ۱۹۳۹ء میں قطب مشتری کو اپنے مقدمہ کے ساتھ شایع کیا لیکن میرے مکتوبہ نسخے کے ساتھ اس مطبوعہ نسخے کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بہت غلط چھپا ہے اور غلط نسخے پر مبنی ہے۔

ذیل میں صرف چند صفحات کی حد تک مطبوعہ نسخے کی خامیوں کا زیر نظر مخطوطہ سے مقابلہ کیا گیا ہے:-

زیر نظر مخطوطہ	صفحہ	مطبوعہ نسخہ	صفحہ
پیاز ور تھا اُس کے یک دست سوں		....	
اُچاکر پچھاڑے اپنی مست کوں	(۲۹)	اُچاکر پچھاڑے بے ہست کوں	(۲۴)
اپی شاہ عادل کے غصے تے ڈر	(۲۴)	اپے شاہ عادل کے غصے تے ڈر	(۲۰)
پیچ پیچ لیایا دو اپے سنگات	(۲۴)	ایچ ہیچ لیایا دو اپے سنگات	(۲۰)
یو سب شاعر کہے یو سب شر نئیں	(۱۹)	یو سب شعر کہتے یو سب شر نئیں	(۱۵)
تولاسی ہور نازک کہاں ہور مہل جیسی	(۱۰)	تولاسی ہور نازک کہاں ہسو سہل جیسی	(۱۴)
اپس میں اپے لاگے لڑنے کے تئیں	(۱۳)	اپس میں اپے لاگے پڑنے کے تئیں	(۱۰)
خدا سوں ملے توں جہاں لے خلیل	(۱۰)	خدا سوں لگے توں جہاں لے خلیل	(۸)

ان لفظوں کو غور سے پڑھنے پر معلوم ہوگا کہ زیر نظر مخطوطے کے الفاظ زیادہ صحیح ہیں۔ مولوی عبد الحق صاحب کا نسخہ اتنا صحیح نہ تھا یا اس کو انہوں نے غلط پڑھا تھا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ انڈیا آفس کے نسخے کا عکس بھی منگوایا تھا اور اس سے بھی اپنے نسخے کی تصحیح کی تھی۔ اس نسخے کا ذکر انہوں نے اپنے مقدمہ

میں برٹش میوزیم کے نسخے کے نام سے کیا ہے۔ (صفحہ ۱۰) اور متن کتاب میں اسی کو انڈیا آفس کا نسخہ (صفحہ ۱۴) لکھا ہے۔ جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے لندن کا نسخہ دیکھا ہی نہیں۔ اگر وہ دیکھتے یا اس کا عکس منگاتے تو ابیات مندرجہ بالا کی غلطیوں کے علاوہ حسب ذیل امور میں بھی اختلاف باقی نہ رہتا۔

۱۔ مطبوعہ مثنوی میں صفحہ ۳ پر چوتھی بیت

غرض ایک آتے میچ سب ٹھار ہے　　اسی نور کا سب میں جھلکار ہے

کے ساتھ ہی بلا کسی فصل کے مناجات کا حصہ شروع کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انڈیا آفس کے اور ادارے کے زیر نظر مخطوطے میں اس بیت کے بعد نئے عنوان اور صفحہ سے یہ مناجات اس بیت سے شروع ہوئی ہے ؎

خدایا بڑا توں بڑائی ہے تج　　ہمیں سب بندے ہیں خدائی ہے تج

۲۔ مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۴ پر "در مناجات باری تعالےٰ" کا عنوان قایم کر کے بیت

مہربان صاحب غنی ایک توں　　کرم کی نظر سوں منجے دیک توں

لکھی ہے لیکن زیر نظر نسخے میں یہ بیت مناجات کے سلسلہ میں درج ہے جو بہت پہلے ہی شروع ہوئی ہے۔

۳۔ مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۷ پر بیت

خدایا توں منج پر دیا دشت رکھ　　ترا پیار یک دھات ہے سب اُپر

کے بعد دو ابیات زیادہ ہیں جو اس نسخے میں نہیں ہیں۔ مولوی صاحب نے یہاں نوٹ نہیں دیا کہ یہ بیتیں انڈیا آفس کے نسخے میں نہیں ہیں جس سے یہ شبہ یقین کو پہنچتا ہے کہ انہوں نے وہ نسخہ یا اس کا عکس نہیں دیکھا تھا۔

۴۔ صفحہ ۲۱ پر عنوان "صفت میزبانی" سے قبل ایک بیت دو بار بدلی ہوئی شکل میں درج ہے۔ اس طرح کہ ؎

سدا جگ میں بالک وہ جیتا اچھے　　کہ اس دھات کا دود پیتا اچھے
جو بیں پرے دود چکھ پیو کر　　عجب کیا جو مُردے انہیں جیو کر
جکوئی دود اس دھات پیتا اچھے　　سدا جگ میں وہ کیوں نہ جیتا اچھے

ادارے کے زیر نظر مخطوطے میں یہ بیت صرف ایک ہی بار درج ہے اور دوسری بار جس طرح غلط نقل ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے نسخہ میں یوں ہی ہوگا اور اگر وہ انڈیا آفس کا نسخہ دیکھتے ہوتے تو اس غلطی کو باقی نہ رکھتے۔

اسی طرح پوری مطبوعہ مثنوی میں متعدد غلطیاں اور اختلافات ہیں۔ اگر اس کا دوسرا ایڈیشن شایع ہو تو انڈیا آفس کے نسخے یا ادارے کی اس نقل سے اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

اس مخطوطے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

توں اول توں آخر توں قادر اہے — توں مالک توں باطن توں ظاہر اہے
توں معطی توں مبدی توں واحد سچا — تو تواب توں رب توں ماجد سچا

اس کی آخری ابیات یہ ہیں ؎

پریاں سندریاں سب سو دگن حور ہے — کہ باقی سو چانداں وو جیوں سور ہے
نوے چھند بور ناز تمثیل نیہالی — کہ فتنہ اہے باپ غمزہ سوہائی

اس کے بعد راقم الحروف کی ایک تحریر ہے جس میں انڈیا آفس کے قلمی نسخے سے ۱۹۳۷ء میں نقل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

مثنوی کے بعد ۹ ورق اور ہیں جن میں اس مثنوی کی زبان اور الفاظ کا لسانیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔ متعدد دکنی الفاظ کی فرہنگ لکھی گئی ہے اور ان کے ماخذ اور ارتقاء کی شکلیں دکھائی گئی ہیں۔

۱۵ ورق۔ ۲۰ سطور فی صفحہ۔ ۸" × ۶½"۔

۶۹۲۔ سوانح دکن۔ خواجہ منعم خاں، ہمدانی الاورنگ آبادی۔ سنہ ۱۲۰۰ھ۔ تاریخ فارسی

نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد کے مشہور مورخ خواجہ منعم خاں قدرت جنگ منعم الدولہ اورنگ آبادی کی یہ تاریخ ہند و دکن کی ان معتبر تاریخوں میں سے ہے جن سے خاص طور پر دکن کے چھ صوبوں کی نسبت اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

زیر نظر مخطوطہ کا ایک جدید الخط نسخہ ادارے میں نمبر ۲۲۴ پر بھی موجود ہے جو ناقص الآخر ہے اور جس کا ذکر جلد دوم صفحہ ۱۳۱ پر چھپ چکا ہے لیکن یہ نسخہ قدیم الخط ہے اور اردو کے ایک مشہور ادیب قاضی شمس الدین اودگیری (دیکھو مخطوطات نمبر ۵۵۴۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲) کا مکتوبہ ہے اور تصنیف کے قریبی زمانہ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس تاریخ کے آخر میں جو خاتمہ ہے اس میں خود مصنف نے اپنے حالات لکھے ہیں اور اپنے اجداد کی تاریخ قلمبند کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اورنگ آباد میں ۱۱۵۳ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد عبدالغنی خاں کی وفات ۱۱۸۱ھ کے بعد آصف جاہ ثانی نے ان کو خطاب خانی اور پانصدی منصب عطا کیا تھا اور ان کو فوجدار گلبرگہ مقرر

کرکے ایک ہزاری منصب، عطائے علم اور خطاب بہادری پر ترقی دی گئی۔ ۱۱۹۹ ہجری میں گلبرگہ کے قلعدار مقرر ہوئے۔ اور تلنگانہ کے بھی بعض محالات ان کے تفویض کئے گئے۔ جس وقت سوانح دکن مرتب کی (۱۲۰۰ھ) اس وقت چار ہزار منصب، دو ہزار سوار اور قدرت جنگ منعم الدولہ کے خطابات پا چکے تھے۔

خواجہ منعم خاں کے والد عبدالمغنی خاں کے دادا خواجہ عبدالغفور کابل کے نائب ناظم تھے انہوں نے ۱۱۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے فرزند خواجہ عبداللطیف (یعنے مولف سوانح دکن کے دادا) امیر الامراء سید حسین علی خاں کے ساتھ ۱۱۳۲ھ میں اورنگ آباد آئے اور وہیں رہ گئے۔ چنانچہ منعم خاں بھی وہیں پیدا ہوئے۔ بعد کو آصف جاہ ثانی کے ساتھ حیدر آباد منتقل ہوگئے اور یہیں یہ کتاب مرتب کی۔

اس تاریخ میں پہلے اس کے ماخذوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے پھر سلاطین گورگانیہ اور خانوادہ آصفیہ کے القاب لکھے ہیں۔ پھر شش صوبہ جات دکن کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ پھر علیحدہ ہر صوبہ یعنے اورنگ آباد۔ خاندیس۔ بیجاپور۔ برار۔ بیدر اور حیدرآباد کی تفصیلی سیاسی، جغرافیائی اور علمی و ادبی تاریخ لکھی ہے۔ مختلف شہروں کے مشاہیر کے حالات بھی درج کئے ہیں۔ غرض کہ یہ ایک عمدہ اور مستند تاریخ ہے۔

اس مخطوطہ میں اصل کتاب سے قبل مضامین کتاب کی مکمل فہرست مع اندراج صفحات لکھدی گئی ہیں جس سے مطالعہ میں بڑی سہولت ہوگئی ہے۔

عمدہ دیسی کاغذ پر خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ سیاہی اب تک روشن ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ آخر میں اس کے کاتب محمد شمس الدین نے ایک طویل ترقیمہ لکھا ہے جو صفحہ کے ایک جانب بالکل تلف ہوگیا ہے۔

۱۳۶ ورق - ۱۲ سطور فی صفحہ - ۸½ × ۵½ -

۶۹۳ - تاج الحقایق - ملا وجہی - قریب ۱۰۴۵ھ - اردو نثر

ملا وجہی کی سب رس اور قطب مشتری کا ذکر اسی جلد میں مخطوطات نمبر ۵۳۶ - ۶۹۱ کے بیان میں گذر چکا ہے۔ یہ ان کی ایک اور نثر کی کتاب ہے جو تصوف کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اور مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے راقم الحروف نے اس کو اشاعت کے لئے

مرتب کیا تھا۔ اور اس کا بہت بڑا حصہ چھپ بھی چکا ہے لیکن بعد کو وہ کام رک گیا۔ اور یہ کتاب اب تک شایع نہ ہو سکی۔

اس کا ایک نسخہ غالباً مولوی عبدالحق صاحب کے یہاں بھی ہے اور ایک اور عمدہ نسخہ قطب شاہی عہد کا لکھا ہوا میرے ایک شاگرد عزیز احمد مجددی کے یہاں ۵ سال قبل موجود تھا۔ مگر اب معلوم نہیں کہ وہ صاحب اور ان کا مخطوطہ کہاں ہے۔

وجہی کی اردو نثر کی دونوں کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔ چنانچہ سب رس شاہجہاں آباد دلی تک پہنچی اور وہاں کے ایک بزرگ نے اس کو نقل کیا اور ان کے سلسلۂ خلافت وبیعت کا حال ترقیمہ میں لکھا اس کی تفصیلات آئندہ درج ہوں گی۔ سب رس کی طرح تاج الحقائق کے مضامین اتنے پسند کیے گئے کہ بعد کو ایک بزرگ سید ابصار علی شاہ حسینی قادری ولد سید اکبر علی شاہ حسینی نے (دکنی زبان کے غیر معروف الفاظ بدل کر ان کی جگہ ہندی الفاظ رکھکر) پوری کتاب کی زبان میں تبدیلی کی چنانچہ زیر نظر مخطوطہ انہی کا ترمیم کردہ نسخہ ہے۔

ابصار علی شاہ اس تبدیلی کے بارے میں اس کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب نے دکھنی زبان میں تصنیف کی تھی سو اس کے کئی الفاظ دکھنی زبان کے کئی صاحبوں کی سمجھ میں برابر نہیں آتے ہیں سو اس فقیر الحقیر نے مدد سے بزرگوں کی اس رسالۂ دکھنی کو ہندی زبان میں جو محاورۂ خلق خاص وعام ہے لکھا کہ اس زبان ہند سے پڑھ کر اسے سمجھیں اور بموجب ارشاد حضرت مولانا صاحب کے عمل کریں اور بعد اس کے اس فقیر الحقیر مسکین مسمی سید ابصار علی شاہ حسینی القادری بن حضرت سید اکبر علی شاہ حسینی القادری واقف اسرار حق کو دعائے خیر سے یاد کریں ......" وغیرہ

اس کے نیچے بطور ترقیمہ یہ عبارت لکھی ہے:۔

"یہ رسالہ حسب الخواہش مغل صاحب مسمی سید محمد مظہر حسین بن سید محمد انور حسین در ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں لکھنا شروع کیا تھا۔ باعث کم فرصتی کے بتاریخ دہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں تمام ہوا بخط ناقص فقیر۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مخطوطے کے کاتب بھی خود ابصار علی شاہ حسینی ہیں اور انہوں نے وجہی کی اصلی کتاب تاج الحقائق کو سامنے رکھ کر اس کو ۱۲۹۰ھ میں اپنے قلم سے معیاری اردو میں منتقل کیا تھا۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

"اس کتاب کو تاج الحقایق رواج الحقایق سراج الحقایق معراج الحقایق کہتے ہیں کہ جس کتاب کے پڑھنے سے خدا کو جلد پاوے وہ کتاب سب کتابوں سے بہتر ہے اور پہلے جو کچھ خدا اور خدا کے رسول نے فرمایا ہے سو نماز روزہ حلال حرام حج زکوٰۃ خمس جہاد یہ سب بجالانا تو تم کو جگہ ہووے گی اور روشنائی ہوگی ا۔"

آخری عبارت یہ ہے :-

"جو کوئی خدا کا طالب ہے وہ سب کو چھوڑا ہے کہ جو سب کو چھوڑا ہے وہ غم میں کاہے کو ہے گا کہ وہ اور ایک عالم میں رہتا ہے۔ وہ مست ہے بے پروا ہے کہ وہ غم کہے سے جانتا ہی نہیں کہ کیا ہے اور اسے ہمیشہ خوشی ہے۔ کتاب تمام۔"

یہ مخطوطہ جلی نستعلیق قلم میں لکھا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ خود مرتب کا مکتوبہ ہونے اور ایک قدیم کتاب کی جدید شکل ہونے کی وجہ سے یہ مخطوطہ بہت اہم ہے۔

۱۰۶ ورق ۱۴ سطور فی صفحہ۔ ۱۱" × ۱/۲ ۶"۔

۶۹۴- سب رس- ملا وجہی- ۱۰۴۵ھ- نثر اردو

ملا وجہی کی سب رس، قطب مشتری اور تاج الحقایق کے مخطوطات کا ذکر نمبر ۵۳۶، ۶۹۱-۶۹۳ پر گزر چکا ہے۔ سب رس کا یہ مخطوطہ اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ دلی کے ایک بزرگ شاہ محب اللہ چشتی بخاری ابن سید فضل اللہ بخاری چشتی القادری الدہلوی نے ۱۱۰۳ف میں نقل کیا ہے۔ اور اس کے ترقیمے میں وجہی کے سلسلۂ بیعت کے بارے میں نئی معلومات بہم پہنچائی ہیں جن کی صحت کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"تمت الکتاب سب رس گفتار مولانا وجہی ساکن حیدرآباد۔ مولانا وجہی چشتی کے پیر شاہ علی متقی کے پیر میاں شاہ باز۔ ایں ہمہ چشتی گذراست۔ تحریر فی التاریخ بست چہارم ماہ شوال بدست ضعیف و نحیف محب اللہ چشتی ساکن شاہ جہاں آباد۔ غلام فخر اللہ و خادم حضرت عزیب اللہ شاہ ۱۱۰۳ فصلی۔"

اِس کتاب کے سرورق پر ایک بڑی مدور مہر ثبت ہے جس پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے:۔

"واُفوض امری الے اللہ عبدہ السید محب اللہ بخاری ابن السید فضل اللہ بخاری چشتی القادری الدہلوی۔ عفی اللہ عنہ"

اس مخطوطہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ مطبوعہ نسخۂ سب رس میں مدح صحابہ کی نظم کے بعد جو عبارت لکھی ہے۔ اس میں صرف حضرت علی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے:۔

"گیان دھیان کے تلم کام محمدؐ نے ابابکر کوں ہور علی کوں بلایا۔ وِلے آیا بلکہ محمدؐ نے پاتا تھا سو پایا۔ یچ محمدؐ نے پایا سو علی کوں ہور ابابکر کوں سمجایا۔ یو سمجھ علی کی تقسیم آیا۔ علی خدا کوں بھایا۔ ابابکر رسول اللہ کوں بھایا۔ یہ دونو خلیفہ ہور ولی کہلائے۔"

اسی طرح پوری کتاب کی عبارتوں میں کمی وزیادتی موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ تبدیلی محب اللہ چشتی نے خود کی ہے یا انہوں نے جس مخطوطے سے نقل کیا ہے اُسی میں یوں لکھا تھا اور مطبوعہ کتاب سب رس کسی غلط اور تحریف شدہ نسخہ پر مبنی ہے۔

شاہ محب اللہ چشتی کا خط نسخ نما نستعلیق ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ وجہی کی سب رس سے قبل کے دو اوراق میں غالباً امین الدین اعلیٰ کی ایک مثنوی کی ابیات لکھی ہیں۔ انہی کے درمیان ہندی کا یہ منتر بھی اُردو رسم الخط میں درج ہے:۔

"مہادیو کا پارا چلے اپارا　　پاربتی کوں دیکھ کر تھے پار
راجا ہوے راج کوں　　من بسنے میرے کاج کوں
کردے میرا کاج ناکردے تو گرد گورکھنات کوں آوے لاج ہفت بار بخوانند۔"

مثنوی کی ابتدائی ابیات یہ ہیں:۔

پیو پیارے میرے جیو　　سمجاؤ مجھ میں میرا پیو
دستا توں ہیں اللہ مثال　　پاک منزہ امین حال

آخری یہ ہیں:۔

سفلی باندی بیوی کوں　　پوچھے کی ہوی حیرت توں
علوی بیوی بولے بات　　سفلی باندی کے سنگات

اسی کاتب نے سب رس کے بعد اسی صفحہ سے تصوف کا ایک اور دکنی رسالہ دُر الاسرار بھی نقل کیا ہے جس کا ذکر آئندہ درج ہے۔

۸۵ ورق - ۱۴ سطور فی صفحہ - ۸" × ۶"۔

۶۹۵- دُر الاسرار - مرید سلطان - قریب سنہ ۱۱۰۰ھ - اُردو نثر

اس رسالہ کے اور دو نسخے ادارے میں نمبر ۹۵ و ۲۶۸ پر موجود ہیں اور ان کا ذکر جلد اول صفحات ۲۰۱ - ۲۰۲ اور ۲۶۱ پر چھپ چکا ہے۔ چونکہ اس میں ایک جگہ سید محمد حسینی گیسو دراز کا نام اس طرح آیا ہے گویا وہ اس کے مصنف ہیں۔ اس لیے جلد اول صفحہ ۲۰۱ پر اس کو خواجہ بندہ نواز سے منسوب کیا گیا تھا۔ لیکن مخطوطہ ۲۹۸ کے ذکر میں کسی مرید سلطان سے منسوب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال اس کے مصنف کا نام اب تک معلوم نہ ہو سکا۔ وجہی کی سب رس کے کاتب محب اللہ چشتی دہلوی نے یہ رسالہ بھی سنہ ۱۱۸۳ف میں نقل کیا ہے۔ اس کی زبان میں مذکورہ دونوں نسخوں سے زیادہ غیر معروف دکھنی الفاظ اور شکلیں نظر سے گذری ہیں۔

اس رسالہ کے اختتام پر کاتب محب اللہ چشتی نے ایک اور مختصر دکنی رسالہ زبدۃ الحقایق اور اس کے بعد فارسی رسالہ حمید جوگی در معرفت نقل کیا ہے۔ یہ بہت چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں جن میں تصوف کے مضامین لکھے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں رسالہ حق نما از شہزادہ دارا شکوہ بھی لکھا ہے جس کا بیان آئندہ درج ہے۔

۹ ورق - ۱۵ سطور فی صفحہ - ۸" × ۶"

۶۹۶- رسالہ حق نما - شہزادہ دارا شکوہ - سنہ ۱۰۵۵ھ - نثر فارسی

دارا شکوہ ولد شاہ جہاں صاحب قران ثانی کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کے قلمی نسخے ادارے میں موجود ہیں :-

۱- سفینۃ الاولیا - سنہ ۱۰۴۹ھ - نمبر ۳۱ - جلد دوم صفحہ ۸ -
۲- " " - نمبر ۲۹۹ - " " ۱۱۵ -
۳- حسنات العارفین - سنہ ۱۰۶۲ھ - نمبر ۱۹۴ - جلد دوم صفحہ ۳۶ -
۴- رسالہ حق نما - سنہ ۱۰۵۵ھ - نمبر ۳۵ - جلد دوم صفحہ ۹ -

زیر نظر مخطوطہ محب اللہ چشتی دہلوی نے سنہ ۱۱۸۰ف میں بمقام دہلی وجہی کی سب رس

اور دوسرے رسالجات تصوف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ خط نسخ و نستعلیق کی ایک درمیانی شکل ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔

اس رسالہ کے بعد ہی چند اوراق کسی اردو کتاب (غالباً سب رس) کے اس جلد میں شامل ہیں۔

سطور ۱۵ فی صفحہ - ۸" × ۶"۔

۶۹۰۔ دیوان رشک - میر علی اوسط رشک لکھنوی - قریب ۱۲۷۵ھ - کلام اردو

میر علی اوسط رشک میر سلیمان لکھنوی کے فرزند اور شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے مدت تک کانپور میں مقیم رہے۔ اور آخر عمر میں کربلائے معلیٰ چلے گئے اور وہیں ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی۔ لکھنؤ کے مشہور اساتذہ سخن میں سے ہیں۔ ان کا دیوان چھپ چکا ہے ادارے کے زیر نظر مخطوطے میں ان کی صرف ردیف الف کی غزلیں محفوظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے نقل کرتے کرتے کام ترک کردیا اور یہ دیوان نامکمل رہ گیا۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ نہ کاتب کا نام معلوم ہوسکا اور نہ سنہ کتابت۔ ۱۲۵۰ھ کے قریب کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

اِس مخطوطے کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

قاصد کا مزاج ہے فلک پر — اوس ماہ نے خط پڑھا ہمارا
یکسر ہے نگاہ حسرت آگیں — دیکھا کرو دیکھنا ہمارا
وہ بت بھولا تو ہم یہ سمجھے — بھولا ہم کو خدا ہمارا

آخری اشعار یہ ہیں ؎

اِس وادی مہیب میں لایا جنوں ہمیں — بھولے سے جس جگہ نہ کوئی خضر رہ گیا
مشکل تھی تیری وقعت و رفتار کی صفت — مجھ سے جو رہ گیا یہی مضمون رہ گیا

اِس مخطوطے میں تقریباً ۲۳۰ شعر ہیں۔ انگریزی کاغذ پر خوشخط لکھا گیا ہے۔

۲۴ صفحات - ۹ سطر فی صفحہ - ۸½" × ۶½"۔

۶۹۸۔ بیاض متین - غلام محی الدین خاں متین - ۱۲۶۱ھ - کلام اردو

نواب شمس الامرا امیر کبیر نے اپنے اطراف صاحبان علم وفضل کا جو حلقہ بنایا تھا ان میں حافظ میر شمس الدین محمد فیض، موسیو تندوی، پنڈت رتن لال، بیشن بوزہ، میر لال علی

دہلوی، مسٹر جان اور غلام محی الدین متینؔ. جیسے شاعر، سائنسداں، انجنیر اور مختلف زبانوں کے ماہر بھی شامل تھے۔

زیر نظر بیاض دراصل انہی غلام محی الدین کا کلیات اردو ہے۔ ان کا نام شمس الامراء کی چھپوائی ہوئی اردو نثر کی سائنسی کتابوں میں بحیثیت مولف، مددگار تالیف اور مترجم اب تک پیش نظر رہا ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یہی مہندس اور نثر نگار شاعر بھی تھے۔ زیر نظر بیاض ہی سے اس کا پتہ چلا۔ لحبد اللہ خاں ضیغم نے اپنے تذکرۂ ضیغم (دیکھو نمبر ۵۶۴) میں ان کا مختصر حال اور ۳ شعر درج کیے ہیں لیکن ان کی نثری تالیفات کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"متینؔ تخلص - غلام محی الدین نومسلم - حیدرآباد میں نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر کے یہاں ملازم تھے۔ فارسی میں اچھا ملکہ تھا۔ عروض وقافیہ سے خوب واقف تھے۔ حافظ محمد تاج الدین متوطن میرٹھ مقیم حیدرآباد کے شاگرد گذرے۔ ۱۲۹۰ھ سے قبل انتقال کیا"۔(ورق ۵۶۰)

انتقال کی صحیح تاریخ ۱۲۸۳ھ ہے۔ چنانچہ متینؔ کے ایک شاگرد یعقوب علی نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات لکھا تھا۔ جو ان کی بیاض (نمبر ۶۹۹) میں درج ہے :-

"تاریخ وفات رحلت حضرت غلام محی الدین خاں متینؔ"

غلام غوث محی الدین چہ بگذشت — مہندس، شاعر قابل، بدیں شد
فقط دلہائے شاگرداں نہ مغموم — ہزاروں طبع زو اندوہگیں شد
چہ تاریخ وفاتش گفت یعقوبؔ — زونیا طرف دیں جان متیں شد

۱۲۸۳

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ غلام محی الدین کا نام اسلام لانے سے قبل کیا تھا اور ان کو خطاب خانی کب ملا تھا۔ ممکن ہے کہ امیر کبیر کی سفارش کے نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع نے خطاب دیا ہو۔ ان کے کلام میں نواب آصف جاہ رابع کی مدح میں دو غزلیں موجود ہیں۔ پہلی غزل کا مطلع ہے :-

شاہ فرخندہ جہاں میں ظل سبحانی ہے تو
مصدر حق مصدر الطاف رحمانی ہے تو

دوسری غزل کے چند شعر یہ ہیں :-

مدح ناصر الدولہ آصف جاہ رابع

ناصر دولت شہ فرخندہ آصف جاہ ہے | حق رس وحق بیں وحق گو اہلِ حق آگاہ ہے
تیرا رتبہ جانتا تو ہی ہے اے حشمت پناہ | شاہ ابن شاہ ابن شاہ شاہنشاہ ہے
گر کہیں اسکندر ثانی بجا ہے واقعی | دایما اقبال دل سے چاکرِ درگاہ ہے
مدعا تجھ کو ملے گا مدعا کے واسطے | اے متینؔ مت فکر کر تو بندۂ درگاہ ہے

مقطع سے ظاہر ہے کہ ان کا تعلق دربار ناصر الدولہ سے بھی ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ عیدوں کے موقع پر اس زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق عیدیاں لکھ کر بھی پیش کرتے تھے ایسی کئی عیدیاں اس بیاض میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک رباعی درج ذیل ہے ؎

برحال تو افضال حق افزوں بادا | در حکم تو جملہ ربع مسکوں بادا
با حشمت وجاہ وصحتِ روز افزوں | عید رمضان ترا ہمایوں بادا

اس بیاض کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ چندو لال شاداں بھی متینؔ کے قدرداں تھے۔ یہ بیاض در اصل مہاراجہ کے قطعات تاریخ وفات ہی سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے فارسی میں یہ نوٹ لکھا ہے :۔

"بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاول ۱۲۶۱ھ روز شنبہ قریب مغرب راجایان راجہ مہاراجہ راجہ چندو لال بہادر دیوان دکن انتقال نمودند"

اس کے نیچے چار چار مصرعوں کے دو فارسی قطعات درج ہیں جن کے ہر مصرعے سے ۱۲۶۱ھ برآمد ہوتا ہے۔ بعد کے تین صفحات میں بھی مزید آٹھ تاریخی قطعات اور ایک رباعی قلمبند کی ہے۔ قطعات تاریخی کی اس کثرت سے ظاہر ہوتا ہے کہ متینؔ کو مہاراجہ چندو لال سے خاص تعلق خاطر تھا اور ان کے دربار سے بھی ان کو فیض پہنچا تھا۔ ایک غزل میں بھی انہوں نے مہاراجہ کا ذکر اِس طرح کیا ہے ؎

نیک تھا اچھا تھا اپنا قدرداں تھا اور شفیق
راجہ چندو لال دنیا میں مخیر ہو گیا

راجہ چندو لال کے بعد متینؔ کے قدردان اور مربی صرف امیر کبیر ہی رہ گئے تھے اور غالباً ان کے دربار سے ان کو باضابطہ طور پر تنخواہ یا منصب ملتا تھا۔ انہوں نے ہر عید یا تقریب کے موقع پر ان کی خدمت میں عیدیاں لکھ کر پیش کیں جن میں سے اکثر اس بیاض میں محفوظ ہیں۔

ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کو حیدرآباد میں بڑی دھوم دھام ہوتی تھی ۔ لوگ باغوں اور سبزہ زاروں میں التزام کے ساتھ جمع ہوتے تھے ۔ اور یہ دن بطور عید منایا جاتا تھا اس کی مبارکبادی امیر کبیر کو اس طرح دی ہے ؎

پیوستہ ایں دعاست برائے حصول کام — آگاہی ست خوب ضمیر منیر را
ایں عید چارشنبہ وصد عید ایں چنیں — یارب نصیب کن تو امیر کبیر را

عید شب برات کی مبارکباد ؎

ہر روز ہے روز عید رونق افزا — ہر شب ہے شب برات عشرت آرا
قائم رہیں دنیا میں متیںؔ حشر تلک — نواب فلک جناب شمس الامرا

عید الفطر کی مبارکباد ؎

وابستہ بندہ دامن دولت سے ہے متیںؔ — دنیا میں چاہتا ہے زیادہ ہو عمر وجاہ
اللہ کے کرم سے مبارک ہو آپ کو — عید صیام امیر کبیر جہاں پناہ

اس میں تیسرا مصرع پہلے یوں تھا ؎

عیش و نشاط دل سے مبارک ہو آپ کو

لیکن یہ بیاض خود متیںؔ کی مکتوبہ ہے ۔ انہوں نے اس کو بعد میں تلمذ کرکے اللہ کے کرم کا ذکر لانا ضرور خیال کیا ہے ۔

غرض اس قسم کی بیسیوں عیدیاں اس ضخیم بیاض میں نظر سے گذرتی ہے ۔ شمس الامرا کی سالگرہ کی تقریب میں بھی وہ تہنیت کی نظمیں لکھ کر پیش کیا کرتے تھے ۔ مثلاً ؎

حصول صحت و فرحت ہو اور عمر دراز — بعیش و عشرت و اقبال و جاہ و حشمت و مال
خدا کے فضل سے نواب کے لئے یارب — ہزار سالگرہ کے ہوں جشن سال بسال

آرزو کے تئیں ہر طور سے پیوستہ بہ حسن — ہے زمانہ میں بڑے طول کا پیدا رشتہ
اے متیںؔ کہہ تو کہ نواب کا یا رب ہووے — رشتۂ سالگرہ عمر خضر کا رشتہ

ایک قطعہ میں دیوالی کی تہنیت بھی لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دکن کے مسلم امراء کے یہاں بھی ہندو عیدیں منائی جاتی تھیں ۔ لکھتے ہیں ؎

بانی فیض و نوال و مکرمت در ملک ما — صاحب جود و عطا و بخشش و اقبال و جاہ
دو جہاں مثل چراغان دوالی دائما — شمع امید تو روشن باد از فضل الٰہ

امیر کبیر کی خدمت میں خود عیدیاں اور قطعات تہنیت سالگرہ پیش کرنے کے علاوہ

میتینؔ دوسروں کو بھی ایسی نظمیں لکھ دیا کرتے تھے چنانچہ اس بیاض میں میر ہدایت علی کے لئے جو چار قطعے لکھ دیے تھے وہ بھی درج ہیں۔

امیر کبیر کے علاوہ ان کے خاندان کے افراد کی تقریبوں کے لئے بھی قطعات اور تاریخیں لکھی ہیں۔ امیر کبیر کے نبیرے غلام محی الدین خاں خورشید جاہ کی تقریب تسمیہ کی متعدد تاریخیں شامل ہیں جو بعنوان

"تاریخ بسم اللہ خوانی غلام محی الدین خاں بہادر خلف رشید الدین خاں بہادر فرزند آئینہ محل داشتۂ نواب شمس الامرا بہادر امیر کبیر"

درج ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میتینؔ امیر کبیر کے فرزند رفیع الدین خاں منجھلے میاں کے طرفداروں میں سے تھے جو شہزادی کے بطن سے تھے۔ اسی لئے انہوں نے رفیع الدین خاں کے سوتیلے بھائی کی والدہ (داشتۂ نواب شمس الامرا) کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس تعلق کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ خورشید جاہ کی بسم اللہ خوانی ان کے دادا کی زندگی ہی میں ۱۹ رجب ۱۲۶۱ھ کو ہوئی تھی۔ اس کی تاریخ کے متعدد مادے نکالے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔

واسطۂ قال دلوال نعیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱۲۶۱ھ

اسی طرح شمس الامرا کے ایک عزیز کامیاب جنگ قطبی میاں کی تاریخ وفات ۱۲۶۱ھ اس شعر میں نکالی ہے ۔

از غمِ آہ روحِ گھانسی میاں بنالید شد کامیاب جنگ قطبی میاں زدنیا

۱۲۶۱ھ

نواب شمس الامرا کی زوجہ شہزادی بشیر النساء بیگم نے اسی سال ایک عالیشان مسجد بنائی تھی۔ غالباً یہی اب چوک کی مسجد کہلاتی ہے اور حیدرآباد کی آباد ترین مسجدوں میں سے ہے۔ اس مسجد کی تاریخیں بھی نکالی ہیں اور بطور تعارف لکھا ہے کہ

تاریخ مسجدے کہ حضرت بشیر النساء بیگم بادشاہ زادی صاحبہ قبلہ در محلۂ سوکے میر بنا فرمودند۔ مادۂ اول نفرۂ نثر۔ مسجد بشیر النساء بیگم پادشاہزادی دائم بادا۔

۱۲۶۱ھ

سوکے میر کی کمان دروازۂ دودھ باولی کے راستہ میں جو محلہ ہے اس کا نام ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسجد چوک کی جگہ پہلے محلہ سوکے میر آباد تھا۔

سوکے میر کا اصلی نام میر سید علی ولد میر جعفر علی تھا۔ وہ چندر کاپور میں محلہ شاہ علی عرب شاہ (جو عبداللہ قطب شاہ کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ اور کچھ عرصہ تک قطب شاہی وزیر

اعظم بھی رہ چکے تھے) میں قیام پذیر تھے۔ اور کمان میر اعتبار خاں میں رہتے تھے۔ قطب شاہی حیدرآباد کے محلوں کے یہ نام ۱۲۵۰ھ تک بدل گئے تھے اور محلہ سوکے میر اور کمان سوکے میر مشہور ہو گئے۔ سوکے میر نے ۱۲۳۰ھ سے قبل وفات پائی۔ ان کے متعلق دستاویزات ادائے کے تاریخی کاغذات کے مرتبع میں، ایسی صفحات ۵ و ۶ پر درج ہیں جن سے یہ سب معلومات حاصل ہوئی ہیں۔
یہ بیاض متین اور خود متین سے متعلق تاریخی معلومات تھیں۔ متین کی شاعری کے بارے میں بھی کچھ لکھنا ضروری ہے۔ وہ ایک اچھے اور پختہ مشق شاعر تھے۔ حافظ تاج الدین مشتاق شاگرد خواجہ میر درد کے شاگرد اور حیدرآباد کے بگیت استاد حضرت حافظ میر شمس الدین محمد فیض کے استاد بھائی اور ہم صحبت ہم نفس تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ محبوب الزمن میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا اور حیدرآباد میں وہ شاعر کی حیثیت سے مشہور نہیں ہوئے۔

اس بیاض میں ان کا مکمل دیوان (جملہ ردیفوں میں) ہے اور غزلوں کے علاوہ جس میں مثنویاں، رباعیاں، قطعات، مخمسات، مسدسات وغیرہ بھی محفوظ ہیں۔ متعدد نظمیں حضرت علی کی منقبت، شہدائے کربلا کے مرثیوں اور نوحوں اور حضرت محبوب سبحانی محی الدین عبدالقادر جیلانی کی مدح میں بھی موجود ہیں جن میں سے اکثر دل پر تاریخ تصنیف درج ہے۔ اکثر غزلیں ناسخ، آتش اور جرأت شعرائے لکھنو کی غزلوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں اور ان پر وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ اکثر غزلیں دو غزلہ سہ غزلہ بھی لکھی ہیں۔ اور چونکہ یہ کلام ۱۲۶۱ھ تا ۱۲۶۳ھ ہجری کے درمیانی زمانہ پر مشتمل ہے اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی کئی بیاضیں متین نے لکھی ہوں گی۔ بعض غزلیں باغ محمد علیم الدین صاحب میں ذیحجہ ۱۲۶۳ھ میں فی البدیہہ بھی لکھی گئی تھیں۔ ضرورت ہے کہ متین کی شاعری پر ایک علیحدہ مضمون لکھا جائے۔ کیونکہ جملہ اصناف سخن میں صرف اس بیاض ہی میں ان کا کافی کلام موجود ہے۔

یہ بیاض غرہ شہر جمادی الاولیٰ ۱۲۶۱ھ ہجری سے لکھنی شروع ہوئی تھی چنانچہ اس کے پہلے ورق پر اس کی وضاحت کر دی ہے اور اس کے بعد مہاراجہ چندو لال کی وفات کی تاریخ اور قطعات درج ہیں جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ بیاض شروع کرنے سے قبل ایک بہت ہی چھوٹی سی مستطیل مہر ثبت ہے جس پر "متین ۱۲۵۰ھ" کندہ ہے۔
اس بیاض کی آخری غزل درجواب غزل ناسخ لکھی گئی ہے اور اس کا مطلع اور آخری شعر یہ ہیں :-

کیا کریں کیا دیکھیں حسن روئے جاناں چھوڑ کر سیر کرنا ہے عبث ایسا گلستاں چھوڑ کر
مثل بلبل ہم نہ جاویں گے کبھی اے باغباں غنچۂ لب کا کوچہ رشک گلستاں چھوڑ کر
بھاگ جاویں دیکھ رنگا رنگیاں ہر اشک کی لعل و گوہر بحر اور کان بدخشاں چھوڑ کر

یہ بیاض جناب محمد علی مرزا صاحب بارق نبیرۂ نواب قاسم یار جنگ نے مولوی فصیح الدین صاحب اخگر، قاضی پانگاؤں کے توسط سے ۱۹۵۰ء میں ادارے میں داخل کی ہے۔ جس کے لئے ادارہ اُن کا شکر گزار ہے۔

۱۸۱ ورق۔ کسی صفحہ پر ۱۵ اور کسی پر ۱۲ شعر۔ ½۸ × ½۵ ۔

۶۹۹۔ بیاض کلام۔ یعقوب علی یعقوب شاگرد متین ۱۲۸۲ھ۔ کلام اردو

یہ بیاض غلام محی الدین خاں متین (مخطوطہ ۶۹۸) کے ایک شاگرد میر یعقوب علی یعقوب اخبار نویس نے متین کی زندگی ہی میں ۱۲۸۰ھ میں لکھنی شروع کی تھی اور تین سال تک لکھتے رہے۔ اس کے بعد یہ بیاض شاید دوسروں کے ہاتھوں میں چلی گئی اور انہوں نے بھی اس میں کافی اضافہ کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ متین اپنی وفات (۱۲۸۳ھ) سے ایک سال قبل ہی سے اس قابل نہ رہے تھے کہ اپنا کلام خود درج بیاض کریں۔ اس لئے اِن کے شاگرد یعقوب علی نے اِس میں ان کے تاریخی قطعات کے علاوہ چند غزلیں اور خمسے بھی درج کئے اور جب وہ وفات پاگئے، تو ان کی اور فیض کی وفات کی تاریخیں اور اپنا اور دوسرے شعرا کا کلام بھی درج کیا۔ یعقوب علی خود بھی شاعر تھے اور خود کو یعقوب علی ثانیِ جعفر زٹلی لکھتے تھے۔ (دیکھو ورق ۱۳۶ ب)

متین کا کلام جہاں کہیں بھی لکھا ہے۔ ان کے تخلص کے ساتھ مدظلہ، لکھا ہے۔ اس کلام میں راجہ رائے رایاں کی شادی اور غالباً ان کے فرزند کیول کشن کی پیدایش کی تاریخیں بھی لکھی ہیں جو یہ ہیں:۔

تاریخ شادی راجہ رائے رایاں تصنیف حضرت متین صاحب قبلہ دلم ظلہ

خوش بہادر راجہ ذی ہمت امانت ونت باد
کتخدا گردید و خورم گشت از فضل الٰہ
مصرعِ تاریخ شادی را متیںؔ موزوں نمود
جلوہ گر شد وصل در کوکب بہ والا دستگاہ (ورق ۵)

۱۲۸۲ھ

تاریخ تولد فرزند

شد سالِ تاریخ تولد از متینؔ خوش رقم
بالطف رب پیدا شدہ گیول گشن عالی ہمم

۱۲۸۲ھ

سید شاہ یداللہ حسینی صاحب نے حضرت خواجہ بندہ نواز کی درگاہ میں چاندی کی جالی طلائی کام کے ساتھ تیار کرائی تھی۔ اس کی تاریخ منشی صدیق صاحب نے طلب کی تھی۔ اِس قطعے کا تاریخی مصرعہ یہ ہے ؎ (ورق ۴۷ب)

"نقرۂ عالی عیاں باکارِ زر جالی و در"

۱۲۸۲ھ

اس بیاض میں متینؔ کی غزلیں بھی درج ہیں جن میں سے بعض کے مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

مطلع: میں نے معلوم کیا اس کو جب اوراں سمجھا | شدائی امر کو اللہ کا فرماں سمجھا
مقطع: اے متینؔ تونے بہت رنگ سے ہر صورت میں | معنیٔ جلوۂ حسنِ رخِ جاناں سمجھا

مطلع: خود کو بھولا ہم نے ہم قائل ہیں اپنی یاد کی | یہ سبق جس نے دیا قرباں دل اس استاد کے
مقطع: معرفت کی راہ کا ہر طور ملتا ہے پتہ | اے متینؔ چاکِ گریباں ہے دل آزاد کے

ایک منظوم عرضی امیر کبیر کے نام ہے جس میں ماہ صیام میں بعد ختم قرآن اپنا معمول (وہ رقم جو ہر سال دی جائے) طلب کیا ہے۔

نمود چرخ پہ ہے جب ہلال کہ ماہ تمام | مبارک آپ کو ختم کلام ماہ صیام
عطا ہو ختم کا معمول ہے جو مسجد کا | مرے جناب امیر کبیر عالی مقام (۱۰۲ب)

اس کے بعد کے ورق پر امیر کبیر کی رحلت ۱۲۷۹ھ کے تین فارسی قطعات تاریخی درج ہیں جو کسی شاعر رضا کے معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک قطعہ کا آخری شعر یہ ہے ؎

رضا سال رحلت چنیں گفت رضواں | مکینِ مکانِ بہشتِ نگاریں

۱۲۷۹ھ

اوراق ۱۱۹، ۱۲۰ پر متینؔ اور فیضؔ کی رحلت کے قطعات خود یعقوبؔ نے لکھے ہیں۔ فیضؔ کے بارے میں لکھا ہے ؎

فیض بخشی تھی ان سے عالم کو | شہر سے اب وہ جا چکا بس فیض
ان کی رحلت کا سنہ لکھا یعقوبؔ | حیدر آباد سے گیا بس فیض۔

۱۲۸۳ھ

سنہ تاریخ ہر دو شامل کہ ہر دو یک سال انتقال نمودہ ؎

متینؔ و فیضؔ ہم بزم ہم دم ہم جنس بُدند | دو تاریخ وفاتِ ہر دو گو یعقوبؔ یکجا
بسالِ فوت ہر دو شد جہاں تاریک بے عین | باول چوں متینؔ رفتہ پے از چندے بشد فیضؔ

۱۲۸۳ ۱۲۸۳

مختار الملک میر تراب علی خاں سالار جنگ اعظم کے وزیر اعظم حیدرآباد مقرر ہونے کے بعد اہل ملک کے جذبات و خیالات کیے تھے ان کو ایک شعر میں محفوظ کیا ہے ؎

جب سے دیوان ہوئے ہیں کے مختار الملک | حیدر آباد کی ارزانی گئی کال آیا

یعقوب علی کچھ بڑے شاعر اور لایق آدمی نہیں معلوم ہوتے ایک جگہ خمسہ لکھ کر اس کو غزل کہتے ہیں۔ چنانچہ شہر آشوب کے طور پر حافظ کی غزل پر ایک خمسہ لکھا ہے جس کا عنوان اور دو بند یہ ہیں ؎

غزل میر یعقوب علی اخبار نویس ثانی جعفر زٹلی

مرتبہ ہو گیا اشرافوں کا اس دور میں پست | دولت و مال سے بد ذات ہوئے کیا کیا مست
عاقلوں پر تو ہوا رزق کا بالکل در بست | احمقاں را ہمہ شربت زگلاب و قندست
قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم

کل بدی چھوڑ کے نیکی کو بنائے سب جن | مال و زر ڈال دے یعقوبؔ در و خوب بن
اس زمانے کے موافق یہ غزل لکھ گئے سن | پند حافظ سنو اے خواجہ برو نیکی کن
زانکہ ایں پند بہ از گنج و گہر می بینم

محررہ ۲۶ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ

اس بیاض میں میر جعفر علی زٹلی کی متعدد نظمیں اور نثر بھی جگہ جگہ نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز ہی ان کے اشعار سے ہوا ہے۔ ان کے علاوہ ظفرؔ، آتشؔ، قاسمؔ، ذکاؔ، انشاؔ، قمرؔ، آصفؔ، خسروؔ، کلیمؔ، حافظؔ، حسنؔ وغیرہ کا بھی اردو اور فارسی کلام اور بعض نوحے اور مرثیے بھی یعقوب نے نقل کیے ہیں۔ ظفرؔ کی وہ غزلیں ہیں جن کے مقطعے یہ ہیں ؎

بنایا اے ظفرؔ خالق نے کب انسان سے بہتر | ملک کو دیو کو جن کو پری کو حور و غلماں کو

ظفرؔ عالم کہوں کیا میں طبیعت کی روانی کا　ہے ایک امڈا ہوا دریا اہاہاہا اہو ہو ہو

یعقوبؔ کے علاوہ ایک اور صاحب محمدؐ عزیز خاں نے بھی اس بیاض میں کچھ کلام نقل کیا ہے چنانچہ ورق ۸۰ ب پر خسرو کی غزل کے بعد لکھا ہے۔

"رقمہ محمد عزیز خاں در ۱۲۸۲ھ بوقت شب نوشتہ شد در مکان محمد فضل علی"

آخری اوراق ۱۵۱ تا ۱۶۰ پر اس بیاض کے آخری مالک قمر علی مرزا بارقؔ صاحب نے انگریزی سیاہی سے فصاحت جنگ جلیل کی پندرہ، دل شاہ جہاں پوری، حسرت موہانی، شاد عظیم آبادی، حسرت حیدر آبادی، جوش ملیح آبادی اور عزیز یار جنگ عزیز کی غزلیں نقل کی ہیں۔ ۱۳۳۰ف تک یہ کلام نقل ہوتا رہا ہے۔

یہ بیاض قاضی فصیح الدین صاحب اخگر قاضی پانگاؤں کے توسط سے قمر علی مرزا صاحب بارقؔ نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کی ہے۔

۱۶۲ ورق۔ فی صفحہ تعداد اشعار و سطور مختلف ہے اور متعدد صفحے خالی ہیں۔ $\frac{1}{2}$۸ × $\frac{1}{2}$۴

۷۰۰۔ بیاض مراثی و سلام۔ مختلف شعرا۔ ۱۲۰۰ھ　کلام اردو

یہ ایک نہایت عمدہ اور ضخیم بیاض ہے جس میں تقریباً پچاس اردو شاعروں کے منتخب سلام، نوحے اور مرثیے خاص اہتمام اور صحت کے ساتھ خوش خط نقل کئے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ مرتب نے اپنا نام لکھا اور نہ کاتب نے مقام و سنہ کتابت ہی درج کیا ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۰۰ھ کے قریب حیدر آباد کے کسی خوش ذوق امیر کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کا کاغذ اور جلد اور روشنائی وغیرہ بہت اعلیٰ قسم کی ہے۔

اس میں اورنگ آباد، حیدر آباد، بیدر، ارکاٹ اور شمالی ہند کے ان تمام شعرا کے سلام نوحے اور مرثیے منتخب کئے گئے ہیں جو اس زمانے میں بہت مقبول اور مشہور تھے۔ اس کی تاریخ ترتیب کے تعین میں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس کے تقریباً تمام مرثیے مربع شکل میں منظوم کئے گئے ہیں۔ اس وقت تک مسدس کی شکل مقبول نہیں ہونے پائی تھی۔ جن شعرا کے مرثیے اور سلام اس میں درج ہیں ان میں سے بعض آج بالکل غیر معروف ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو مرثیہ گو کی حیثیت سے اب تک متعارف بھی نہیں ہیں۔ چونکہ اس میں بلا کسی ترتیب کے کلام درج کیا گیا ہے اس لئے پہلے پوری بیاض کے شاعروں کی فہرست بلحاظ حروف تہجی مرتب کر کے درج کی جاتی ہے۔

۳۔ اشتیاق۔
۴۔ اعتقادی۔
۵۔ اکرم ۔ خواجہ محمد اکرم دہلوی۔
۶۔ امتیاز۔
۷۔ حسن ۔ میر حسن شاہ دہلوی۔
۸۔ حسینی۔
۹۔ خاکی ۔ غلام حیدر بیگ دہلوی۔
۱۰۔ خالق ۔ شاہ خالق۔
۱۱۔ داس ۔
۱۲۔ داؤد ۔ مرزا داؤد اورنگ آبادی
۱۳۔ رحیم علی۔
۱۴۔ روشن ۔ محمد واصل بیگ اورنگ آبادی
۱۵۔ زکی ۔
۱۶۔ سری ۔
۱۷۔ سعد اللہ۔
۱۸۔ سعید۔
۱۹۔ سودا ۔ مرزا محمد رفیع۔
۲۰۔ شرف ۔
۲۱۔ شیدا ۔ نوازش علی خاں۔
۲۲۔ صابر ۔ صابر علی خاں اورنگ آبادی
۲۳۔ صارم ۔ صمصام الملک عبدالحی خاں اورنگ آبادی۔
۲۴۔ عاجز ۔ عارف الدین خاں ۔ اورنگ آبادی۔
۲۵۔ عاصمی ۔ خواجہ برہان الدین دہلوی۔
۲۶۔ عباس ۔
۲۷۔ غلامی۔
۲۸۔ غیاث ۔ غیاث الدین۔
۲۹۔ فراق ۔ کیقباد جنگ ۔
۳۰۔ فصیح الدین۔
۳۱۔ فضل
۳۲۔ قادر ۔ میر عبدالقادر حیدر آبادی۔
۳۳۔ قادری ۔ سید خلیل دکنی۔
۳۴۔ قاسم ۔ شاہ قاسم شاگرد شاہ عبدالولی عزلت۔
۳۵۔ قربان ۔ قربان علی۔
۳۶۔ قنبر۔
۳۷۔ کمال۔
۳۸۔ متین ۔ سید مہدی اورنگ آبادی۔
۳۹۔ محب ۔ میر محمد علی۔
۴۰۔ مداح۔
۴۱۔ مریدی۔
۴۲۔ مسکین ۔ میر عبداللہ۔
۴۳۔ معزز ۔ معزز خاں
۴۴۔ معتقدی۔
۴۵۔ مکھن ۔ راجہ مکھن لال۔
۴۶۔ میر عسکر۔
۴۷۔ نعمت اللہ
۴۸۔ ولی ۔
۴۹۔ ہاشم

لیکن بیاض میں شاعروں کی ترتیب کے مطابق کلام درج نہیں ہے بلکہ پہلے سلام لکھے ہیں۔ پھر نوحے اور ان کے بعد مرثیے۔ ان اصناف کا کلام نقل کرتے وقت بھی کوئی ترتیب ملحوظ

نہیں لکھی ہے ۔ ایک ہی شاعر کے سلام یا نوحے مسلسل بھی نہیں لکھے ہیں ۔ اس لئے اس کو پڑھنے اور اس کی تفصیلات مرتب کرنے میں بڑی دیدہ ریزی اور محنت کرنی پڑی اور ہر شاعر کے کلام کی تفصیلات یکجا کرنے میں بڑا وقت صرف ہوا ۔

اس میں بعض شاعروں کا بہت زیادہ کلام شامل ہے ۔ یہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر اس کو علیٰحدہ کرلیا جائے تو بجائے خود ایک مکمل مجموعہ بن سکتا ہے ۔ ایسے چند شعرا کی کلام کی تفصیلات پہلے درج کی جاتی ہیں ۔

۱ ۔ مکھن ۔ راجہ مکھن لال مکھن کا کوچہ حیدر آباد میں اب تک مشہور ہے ۔ وہ مہاراجہ چندو لال کے مقربوں میں سے تھے اور اعتصام الملک عرض بیگی کے مشورے سے مہاراجہ نے ان کو ۱۲۳۴ھ میں نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی سرکار میں غلہ داخل کرنے کی خدمت پر مقرر کیا تھا ۔ اس کے بعد سے مہاراجہ کو جو کچھ کہلوانا ہوتا آصف جاہ ثالث انہی کی توسط سے کہلواتے تھے ۔ اور ان سے اتنے خوش تھے کہ ایک روز دوشالہ بھی مرحمت فرمایا ۔ منصب اور خطاب سے سرفراز تھے ۔ شعر و سخن کا خاص ذوق تھا ۔ عمر خیام کی رباعیوں کا بھی اُردو میں ترجمہ کیا تھا ۔ اعتصام الملک کے علاوہ نواب کلاں خاں سے بھی خاص تعلقات تھے ۔ ان کے حالات گلزار آصفیہ (ص ۲۶۲) اور دکن میں اُردو (ص ۴۴۵) میں بھی درج ہیں ۔ بہت شریف ، منکسر مزاج اور دیانت دار انسان تھے ۔ اِس دور کے دیگر ہندو شاعروں کی طرح حمد و نعت و منقبت و مرثیہ ہر صنف سخن میں اِس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے ۔ اِس بیاض میں اِن کی ۱۹ نظمیں شریک ہیں ۔ جن میں سے ۶ سلام ہیں اور باقی کے نوحے اور طویل مرثیے ہیں ۔ یہ سب کلام اِن کے اوائل عمر اور مہاراجہ چندو لال اور آصف جاہ ثالث کے درباروں میں رسائی سے قبل اُس وقت کا معلوم ہوتا ہے جب کہ وہ نواب کلاں خاں کے یہاں باریاب تھے ۔ چنانچہ بعض نظموں میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ اور ان کے لئے دعا کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ مہاراجہ کے اور شاہی دربار سے تعلق ہونے کے بعد وہ اِس عہد کے درباری آداب کے خلاف شاید ایسا نہ لکھتے ۔

چونکہ مکھن کے کلام کا کوئی اور مجموعہ کہیں موجود نہیں ہے اس لئے اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں :-

۱ ۔ سلام ۔ جو مربع کی شکل میں لکھا گیا ہے ۔ اِس میں ۷ بند ہیں ۔ آخری بند یہ ہے ؎

[illegible]

مکھن مسکین بصدق دل تمہارا ہے غلام

۲- درود - ۱۰ اشعر - مطلع و مقطع یہ ہے :-

۱- حق نے نازل مصطفےٰ پر ہے درود
بعد ازاں خود مرتضیٰ پر ہے درود

۱۰- مکھنؔ اور ہفتاد و دو تن یہ میں یقیں
ان صحاب سر فدا پر ہے درود

۳- سلام - ۱۵ اشعر - مقطع یہ ہے :-

مکھنؔ مسکیں ہے از دل مدح خواں
فاطمہؑ کے دِل ربا تم پر سلام

۴- سلام - ۱۱ اشعر - مقطع یہ ہے :-

مکھنؔ مدح خواں سوں ہر ساعت
ہے تمہارے کدمن سلام علیکؑ

۵- سلام بشکل مربع جس میں ۵ بند ہیں - آخری بند یہ ہے :-

جان اور دل سوں کلاں خان ہتھارا ہے گا
یوں لکھو مکھنؔ مسکین ہمارا ہے گا

مدح کی وِرد میں مشغول بچارا ہے گا
بانیٔ طرز ہدایت پہ صبا بول سلام

۶- سلام بشکل مربع جس میں ۱۲ بند ہیں - آخری بند یہ ہے :-

مکھنؔ مسکیں سوں عرضِ بارضا
در جناب اقدس ام رضا

با ہمہ صبر و شکیب و مرحبا
صابر مخصوص یزداں السلام

۷- نوحہ - ۱۲ اشعر - مقطع یہ ہے :-

طفیل صدق ہفتاد و دو تن یا سید بر حق
کرم بر مکھنؔ مسکیں کہ یو طالب تمہارا ہے

۸- نوحہ - مربع - ۷ بند - آخری شعر :-

برہنہ پاؤں ہیں مکھن وہ سب اخیذ و اسیر
اس کے حال دکھانے بلائے ہائے علی

۹- نوحہ - مربع - ۸ بند - آخری شعر یہ ہے :-

یو مکھن بندہ اس آستاں ہے
کیا ماتم تیتس مابعتا کا

۱۰- نوحہ - مربع - ۷ بند - آخری شعر :-

سر تا قدم حسین پہ ہم لوگ بل گئے
مکھنؔ ہوا ہے غم ستی بے خان و ماں آج

۱۱- نوحہ - مربع - ۱۲ بند - آخری شعر :-

مکھن مسکین کو جن کی مدح کا سامان ہے
حیف ان عظمت فزا پر کیا قیامت ہو گئی

۱۲- نوحہ - مربع - ۷ بند - آخری شعر :-

ہلئے مکھن ساقی کوثر سو یوں پیاسے ہے
نیں روا یا رب آتا افراطِ غم ان کے اُپر

۱۳- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری شعر :-

دوستداروں پر سدا اے مکھنِ مسکیں بکام
رحمتِ اللہ افضال عمیم کردگار

۱۴- نوحہ - مربع - ۱۲ بند - آخری شعر ہے

لکھن اس دکھ سوں ہلا عرشِ مجید | کنٹرتوں سوں درد و غم باندھا کھلا

۱۵- مرثیہ - مربع - ۱۵ بند - آخری شعر یہ ہے

آلِ نبی کی مدح میں اس کوں کرم کرد | پہنچا ہے دیکھو جس شبہ اطہر کا ہائے ہائے

۱۶- مرثیہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے

منگتا سو فضل میر کلاں خاں پہ از خدا | ہے لکھن ضعیف امامین پر فدا
ماتم امام حسین کی نہضت کا ہے سدا | اس غم منے دو چشم جو بلہار زار زار

۱۷- مرثیہ - مربع - ۱۱ بند - آخری شعر یہ ہے

لکھن رضائے حق ہے شہیداں پہ آشکار | شیر خدا بحکم خدا جاں نثار ہے

۱۸- مرثیہ - مربع - ۱۵ بند - آخری شعر ہے

روتے غریب لکھن مسکیں ہو بے قرار | ہے ہائے ہائے خدا ہائے ہائے آج

۱۹- مرثیہ - مربع - ۹ بند - آخری شعر ہے

اور جو کچھ باقی یو نعمت بر حسین ہنے بہیں | ختم ہو گئی کربلا کے رن میں لکھن آہ آج

۲- محب - میر محمد علی محب شمالی ہندستان کے رہنے والے تھے - خوب چند ذکا نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ زیادہ تر مرثیے لکھتے تھے - کئی برس قبل دکن چلے گئے - (یادگار شعرا صفحہ ۱۶۵) - دکن کے کسی تذکرے یا تاریخ میں ان کا نام اور ذکر نہیں ملا - اس بیاض میں سب سے زیادہ ان ہی کا کلام شامل ہے - اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۰۰ھ کے قریبی زمانہ میں وہ حیدرآباد میں سب سے زیادہ مقبول اور مشہور مرثیہ گو سمجھے جاتے تھے - اور اس بیاض کے کاتب نے ان کی پچاس سے زیادہ نظمیں (سلام، نوحے مرثیے وغیرہ) منتخب کی ہیں - کتب خانہ سالار جنگ میں ۱۱۰۰ھ سے قبل کی ایک بیاض میں ان کے دو چار مرثیے شامل ہیں - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۰۵ھ سے قبل ہی حیدرآباد آگئے تھے - زیر نظر بیاض کا کلام بجائے خود ایک دیوان کے برابر ہے - اور اگر اس بیاض میں صرف محب ہی کا یہ کلام شریک ہوتا تو بھی اس کی کافی اہمیت ہوتی -

محب اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے - سلام کے علاوہ انہوں نے درود اور رحمت جیسے عنوانوں پر اور ان الفاظ کو ردیف قرار دے کر بھی کلام لکھا ہے - انہوں نے مربع کے علاوہ مثلث اور مسدس کی شکل میں بھی مرثیے لکھے ہیں - مسدس کی شکل اس وقت تک دکن میں عام طور پر رائج نہ تھی - ان کے ایک مرثیے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد

میں وہ قیام الملک (نواب کلیانی) کے دربار سے وابستہ تھے اور ان کی فرمایش پر ہی مرثیے لکھا کرتے تھے۔ اس کا امکان ہے کہ یہ بیاض نواب قیام الملک ہی کے لیے لکھی گئی ہوگی۔

محب کے کلام کی تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

۱- سلام - ۱۰ شعر - اس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

۱- رخِ مقتول کے گلزارِ مطرا پہ سلام — نرگس چشم و عذارِ گلِ رعنا پہ سلام
۱۰- حق سے ہر آن میں بس آیۂ رحمت ہے دلا — دل سے کہتا ہے محب جسم مزکا پہ سلام

۲- سلام - مربع - ۵ بند - آخری بند یہ ہے ؎

~~شہ کے قدم کی خاک ہے سرمہ بصر تجھے~~ — دیدہ میں بس لگا ہے وہ نورِ نظر تجھے
ہووے محب وہ راہ رضا میں گذر تجھے — توں کہہ یہی اے حیدر کرار السلام

۳- سلام - فارسی - مربع - ۷ بند - آخری بند یہ ہے ؎

سلامٌ علیٰ شافعین محب — سلامٌ علیٰ راشدین محب
سلامٌ علیٰ عارفین محب — سلامٌ علیٰ صابرین محب

۴- سلام - مربع - ۷ بند - آخری یہ ہے ؎

محب کی یہی آرزو ہے مدام — دو لوجگ میں دے آبرو یا امام
تمہارے غلاموں میں کمتر غلام — یہ کہتا ہے آلِ نبی پر سلام

۵- سلام - مربع - ۶ بند -

السلام اے نور محبوبِ خدا — السلام اے ہادیِ راہِ ہدیٰ
السلام اے دو جہاں کے مقتدا — السلام اے شہ محب کے تم رحیم

۶- سلام - ۷ شعر - مقطع یہ ہے ؎

ہے آسرا محب کوں پیمبر کی آل کا — کہتا ہے دل سے والیِ محشر طرف سلام

۷- سلام - ۷ شعر - مقطع یہ ہے ؎

محب کہ ہے شفاعت کا امیدوار — شفیعاں کے مرقد پہ ہر دم سلام

۸- سلام - مربع - ۷ بند - آخری بند یہ ہے ؎

السلام اے آلِ پیغمبر امام مقتدا — السلام اے ابنِ حیدر دلبر خیر النسا
السلام اے شیر صفدر ہے محب تم پر فدا — السلام اے شافعِ روزِ قیامت السلام

۹- سلام - ۷ شعر - آخری شعر یہ ہے ؎

امام سرورِ کونین تم رہو سبز کے — کمینہ بندہ محب بے درم سلام علیک

۱۰- سلام - مربع - ۷ بند - آخری بند یہ ہے

محب کوں مدح شہیداں کی آرزو بس ہے | زباں کی تیغ کو مبحث میں مدح کی جس ہے
مدد امام کی ہر آن میں یہ بیکس ہے | کہا ہے صدق سیں آل پیمبری پہ سلام

۱۱- سلام فارسی میں مربع کی شکل میں ہے - اس میں ۷ بند ہیں -

۱۲- سلام - ۷ بند - آخری بند یہ ہے

علم گر کم ہے محب کوں عین بخشو یا امام | تا لکھے افراد شہدا کی حقیقت کوں تمام
حق حقیقت کوں لکھے ہووے پسند خاص و عام | ہے کریم شاہ اقلیم امامت پر سلام

۱۳- سلام - ۷ بند - آخری بند یہ ہے

ہے محب ہر آن شہ کے غم میں رونے سیں تباہ | آہ سرور کوں ملا نئیں تین دن آب فرات
دو پیاسا جام کوثر پی کے پایا ہے ممات | بے کفن کربل کے مدفون آل اطہر پر سلام

۱۴- رحمت - مربع ۷ بند - آخری بند

آل نبی کے غم سیں روویں محب جو کوئی | بے شک ہی دو جہاں میں پاوے وہ آبروئی
اس واسطے سخن میں غم کی یہ جستجوئی | کہتا ہے صدق دل سے آل عبا پہ رحمت

۱۵- سلام - مربع - ۵ بند - آخری بند یہ ہے

اپنے جد کی ہے یہ امت رکھو عصیاں کے تلد | مرغ روتا وہ شہیدوں سیں ہے یوم نشور
بخشش اس خوں سیں بخشایش امت ہے ضرور | جب سیں کہتا ہے محب صاحب احساں پہ سلام

۱۶- سلام - ۷ شعر - مقطع یہ ہے

ہمارے کرم کا ہے امیدوار | محب پر کرو یک نگہ السلام

۱۷- سلام - مربع - ۵ بند - آخری بند یہ ہے

ہے یہ محب تمہارے غلاموں کا بالیقیں | تم افضل البشر کے نواسے ہو بہتریں
بس حسن اعتقاد کو اس کے رکھو متیں | کہتا ہے صدق دل سے اے حسنین السلام

۱۸- سلام - مربع - ۷ بند - آخری بند

سلام تم پہ اے مخدوم ہے محب خادم | سلام تم پہ اے مظلوم کوفی ظالم
سلام تم پہ اے مرحوم رحمت راحم | سلام تم پہ اے گریان آخر و اول

۱۹- سلام - مربع - ۷ بند - آخری بند

محب جو گل یا ہے ماتم سیں ہو گیا ہے چاک | ہے کھلا وہی دل تنگ سیں ہو بس بے باک
ہمیشہ چشم رکھے خون دل میں وہ نمناک | کہے بسر ایک وہ رنگین پیرہن پہ سلام

۲۰- سلام - مربع - ۵ بند - آخری بند یہ ہے :-

بندہ محب ہے شاہ حسینِ شہید کا   وو اہلِ بیت اطہر و امجد مجید کا
مقتول ہے وو تیغ جفائے یزید کا   مظلومِ جورِ و صابرِ تعظیم السّلام

۲۱- سلام - مربع - آخری بند یہ ہے :-

یہ محب ماتم سوں رو رو چشم کوں کرکے بھرے   رفتہ رفتہ وہ جھروں کو مثل دریا کے کرے
آرزو ہے عجز سیں سر شہ کے قدموں پر دھرے   کر توں اپنے فضل سوں چشمہ کو جیحوں السلام

۲۲- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند :-

دریائے غم کوں طوفاں لایا مہہ محرم   شہ کا محب ہے گریاں انکھیاں میں اشک ہر دم
ہے جا بجا میں ماتم شاید نے یوں ہر دم   فریاد کربلا میں ہے ہات وا حسینا

۲۳- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے :-

شہ ملیح عرب ہے ذبیح جور و جفا   محب فدا ہے وہی نام پر ز صدق و صفا
جزا کے دن غم حسین سیں ہی ہے وفا   مرے وہ عفو جرائم کے تئیں ہوا ہے کفیل

۲۴- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے :-

حشر میں لازم محب پر یک نگاہ   تاکہ پاوے رستگاری از گناہ
تم سیں بخشش ہے اے مقبول الٰہ   وہ غلام اعتباری ہے مدام

۲۵- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری شعر ہے :-

محب مقام رضا حق کے آشنا کا ہے   حسین شہ پہ قضا آسمانی لگی ہے

۲۶- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے :-

کیا محب گذار عجب کونین کے سالار پر   بعد راہ شام میں زین العبا بیمار پر
جوش طوفاں ہے بری غم سیں یہ جسم زار پر   پھر کی ہجرت سیں شب جگ میں اندھارا ہو رہا

۲۷- نوحہ - مربع - ۱۹ بند - آخری مصرعہ :- عاصیاں کوں شاہ فرمائے چھڑانا ہے مجھے
۲۸- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - " " محب نے کیا ہے رقم بارہا
۲۹- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - " " مظلوم سم جہاں سے حضرت حسن گئے ہیں
۳۰- نوحہ - مربع - ۹ بند - " " دل تو خاک ہے اور سینہ ہے جیوں مجمر سو
۳۱- نوحہ - مربع - ۱۱ بند - " " غلغلہ ماتم شہیدوں کا جہاں میں پھر ہوا
۳۲- نوحہ - مربع - ۱۰ بند - " " محب منموں ہی غم کیں سیں پھر گریاں ہوا ہے
۳۳- نوحہ - مربع - ۷ شعر - مقطع :- کم رکھے الفت جہاں سیں دین کے رستہ کا محب
طالب دنیا سیں محبت کم کرے یوں واجبی

۳۴ - نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری مصرعہ ؎ اولاد نبی کی ہے اور آل پیمبر ہے

۳۵ - نوحہ بشکل مثلث - اس میں ۹ بند ہیں - آخری بند یہ ہے ؎

دفتر غم سیں محب نے یہ لکھا تازہ بیاں   ہست لیکن مطلعش از بعض شعرائے جہاں

لالہ دارد سہ نشاں از ماتم آل رسول

۳۶ - ۱۱ شعر ہیں - آخری شعر ؎

اپنے کرم سیں فرمایک بار ابن حیدر   بخشش محب پہ لایا اس عجز کے سخن نے

۳۷ - نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے ؎

کربلا میں شاہ دیں پر ظلم جو گذرا عیاں   صبر و طاقت دل سیں کھوتا ہے محب کے بیگماں
حلق سوں آل نبی کا سن کے غربت کا بیاں   اشک لازم ہے بہاوے کوئی خدا کے واسطے

۳۸ - نوحہ - ۱۸ شعر - آخری شعر یہ ہے ؎

محب توں فکر نہ رکھ دل میں اپنے عصیاں کا   بروز حشر تجھے شاہ دیں چھڑاتے ہیں

۳۹ - نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری شعر یہ ہے ؎

رہا نہیں کہیں ثابت چمن میں گل کا نتا   کہ پاویں حشر میں ہم انتقام جا کہنا

۴۰ - نوحہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند ؎

جو محب سید شہدا کے الم سے رووے   دانۂ اشک وہی مزرع دل میں بووے
سبز اس سر کی کرامت سیں وو ہوئے ہووے   خاک میں جس کی وہی تن کا وطن آج ہوا

۴۱ - نوحہ - ۱۲ شعر - مقطع ؎

فضل سوں اپنے محب توں ترحم فرما   روز و شب چشماں سیں چشمے کیا جاریاں حسین

۴۲ - نوحہ - ۹ شعر - مقطع ؎

ہے دمبدم نثار شہدائے کربلا   دل سوں محب اونوں کے غم کا ہے مبتلا

۴۳ - نوحہ - مسدس - ۸ بند - آخری بند یہ ہے ؎

روتے ہیں محب شاہ کے سب تعزیہ داراں   نت بھر کے انکھوں سیں کریں اشک کے دھاراں
ہے آتش دوزخ کے بجھانے کا یہ باراں   فرمائے ہیں دو تشنہ لب ساقی کوثر

سر ولد سر راہ تو فدا شد چہ بجا شد
ایں بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد

۴۴ - مرثیہ - مسدس - ۷ بند - آخری بند یہ ہے ؎

ہے قیام الملک سیں فرمایش مدح املم   جس کے مطلع کو دیکے صمصام دولہ نے قیام

حسن مطلع سے محب مقطع کیا ہے اختتام — اور حرم بولے ہمیں ظالم ستاتے ہو عبث
باغ امید علی کا یک قلم پامال ہے
یا رسول اللہ تمہاری آل کا یہ حال ہے

۴۵- نوحہ- ۱۱ شعر- مقطع ہے

کہکر بیاں امام حسین شہید کا — سب اہل درد کوں بھی محب رولائے ہیں

۴۶- مرثیہ- مربع- ۱۵ بند- آخری شعر یہ ہے

بسکہ پایا ہے محب شاہ شہیداں وو لقب — حلق مظلوم کا آخر ہوا خنجر سیں قلم

۴۷- مرثیہ- مربع- ۱۱ بند- آخری بند یہ ہے:

عرض کرتا ہے محب سرور سیں از روئے ادب — وہ ملقب کوں ہوا شاہ شہیداں کا لقب
فضل اگر ہر آن فرماوے نہیں ہے یہ عجب — بس مجھے مرشد ہے وہ دو جگ کے شیخ و شاب کا

۴۸- مرثیہ- مربع- ۱۱ بند- آخری بند ہے

اے محب ذکر شہیداں میں زباں کر مولو — اور وہی ماتم سیں رو رو کر توں پیدا آبرو
گر ہے بے مقدار رکھ شہ کے کرم سیں آرزو — فضل سیں بخشش کریں وہ اپنے حب کا اجر دو

۴۹- مرثیہ- مربع- ۱۳ بند- آخری شعر یہ ہے

حکم نبی سیں زہرا بخشش کریں عجالت — حامی محب کوں تم بن یا پنجتن کہاں ہے

۵۰- مرثیہ- مربع- ۱۱ بند- آخری بند یہ ہے

اے محب حق کی رضا سیں جب نبی کی آل وہ — دم نہیں مارے ہیں کیا گذرا بلا کا حال وہ
ہے کسے طاقت کرے امت جو قیل و قال وہ — اس قدر بس تشنہ لب سو ہو سیں مر گئے ہائے ہائے

۵۱- مرثیہ- مربع- ۱۱ بند- آخری شعر ہے

مقام شام میں تاریک تھا حرم پہ جہاں — سکینہ باپ کا سر دیکھے جی دے فی الحال

۵۲- مرثیہ- مربع- ۱۱ بند- آخری شعر ہے

مدح کی قدر کو بوجھے ہیں وہی حق کے خلیل — کیا لکھوں مرثیہ سرور کی ثنا خوانی کا

۳- رحم علی- اس دور کے ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے ۷ سلام، ۶ نوحے اور ۳ مرثیے اس بیاض میں شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱- سلام- مربع- ۱۷ بند- آخری بند یہ ہے

عرض کرتا ہوں اے دو نو جگ کے شاہ — گرچہ یہ عصیاں میں ہے غرق گناہ
رکھیو رحم علی کوں دے پناہ — یاد کر در روز محشر السلام

۲۔ سلام۔ مربع۔ ۱۲ بند۔ آخری بند یہ ہے:۔

ہے رحم علی دِل سوں شہ کا غلام — مدد رہو دو جگ تم اس پہ امام
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — کیے سب اون پر سلامٌ علیک

۳۔ سلام۔ ۱۴ شعر۔ مقطع یہ ہے:۔

رحم علی کوں چھڑاؤ محشر میں — شاہ ہوکر ضماں سلام علیک

۴۔ ۱۱ شعر۔ مقطع یہ ہے:۔

نہ کر خوف محشر میں رحم علی — شفیع ہیں تجھے پنجتن السلام

۵۔ سلام۔ ۱۱ شعر۔ مقطع:۔

رحم علی کوں دو جہاں میں سرخ رو رکھو لم — فضل اپنے سوں تمیں شاہ شہیداں السلام

۶۔ سلام۔ ۱۳ شعر۔ مقطع:۔

یاد سیتی روز محشر میں اے شاہ دو جہاں — رحم علی کوں وے چھڑا کر شفاعت السلام

۷۔ سلام۔

کمینہ بندۂ درگاہ رحم علی دایم — کہا ہے از دل وجاں شاہ بوالعلا پہ سلام

۸۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۷ بند۔ آخری بند یہ ہے:۔

غم سوں شاہاں کے سدا رحم علی ہے بیقرار — اور مدد اس کوں ہے حیدر صاحب لدل سوار
ہے شفاعت سوں اماماں کی بہت امیدوار — ہائے واویلا دریغا حسرتا افسوس واہ

۹۔ نوحہ۔ مربع۔ ۹ بند۔ آخری بند یہ ہے:۔

خان خاناں ہے سدا فدوی اولادِ علی — دو جہاں میں اس پہ ہووے فضل اولاد علی
لعن کرتا ہے یزیدیاں پر وہ مغنی اور جلی — ہے ستم ہے ہے ستم ہے ہے ستم ہے ہے ستم

۱۰۔ نوحہ۔ ۱۱ شعر۔ مقطع ہے:۔

رحم علی ختم کر توں اس قصہ کوں غم کے — سنتے جتے محباں سب چشم اشک بھر گئے

۱۱۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۱ بند:۔

رکھتا ہے رحم علی دل میں اکثر — امید بخشش در روز محشر
آکر چھڑانا دو جگ کے سرور — ہائے واویلا افسوس ہزاراں

۱۲۔ نوحہ۔ ۱۱ شعر۔ مقطع یہ ہے:۔

ختم کر رحم علی اس ماجرائے غم کے تئیں — ذکر مت کر کھول کر شرح و بیاں ہے ماتمی

۱۳۔ مرثیہ۔ مربع۔ ۱۵ بند۔ آخری شعر یہ ہے:۔

یو رحم علی ہے کمینہ بجان و دل سوں غلام　　ہمیشہ خاکِ چرن پر نثار وادیلا

۱۴- نوحہ - ۳۲ شعر - مقطع یہ ہے :-

رحم علی کوں شاد کر فکروں ستی آزاد کر　　محشر کے دن کوں یاد کر دنیا چھڑا لے نامدار

۱۵- مرثیہ - مربع - ۱۷ بند - آخری بند :-

اے شہ عالی مقام ذوالکرم　　یو تمہارا رحم علی کمتر غلام

صدق سوں کہتا ہے رات اور دن مدام　　تشنہ لب وہ شاہ جوہر کیسا ہوا

۱۶- مرثیہ - مربع - ۱۷ بند - آخری شعر یہ ہے :-

کاں لک سے ٹھوکے انجھو رات دن نین　　رحم علی توں ختم کر اس کا بیان آج

۴- ولیؔ -

یہ غالباً ولی ویلوری کے مرثیے اور نوحے ہیں۔ آخری دو مرثیوں کی زبان سے قیاس ہوتا ہے کہ دلی اور نگ آبادی کے ہوں گے۔

۱- سلام - ۴ شعر - مقطع :-

السّلام اے کمتریں عاجز ولیؔ کے توں امام　　رکھ اے ایماں سلامت دے اُسے امن و اماں

۲- مرثیہ - مربع - ۱۲ بند - آخری بند یہ ہے :-

تھا ولیؔ کے دل منیں جو تفصیل کر کہنے سخن　　لکھ کو قصہ شاہ کا جو بھیج دیویں میں حوگ کن

آئی حیرت دل منے جب یاد آیا ہے سخن　　رو سکینہ یوں پکاری کاں مرے بابا ہیں آج

۳- مرثیہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند یہ ہے :-

ہے ولیؔ کوں آرزو جو شاہ دیکھیں مجھ کدھن

دیکھ پوچھیں اے ولی ہے کیا یہی تیرے سخن

اس سبب میں لکھ رکھیا ہوں مرثیے کے دو بچن

ان کی خدمت میں پہنچنے اس سوں بہتر کیا ہے اب

۴- مرثیہ - مربع - ۱۱ بند - آخری شعر یہ ہے :-

اپ نور سوں جہاں کوں سکل نور نور کر　　یا اس ولیؔ کے شاہ گئے یا گئے حسین

۵- مرثیہ - مربع - ۱۷ بند - آخری بند یہ ہے :-

الٰہی بخش رحمت سوں تمام ان کے طفیلیوں کوں

ولیؔ بھی اک طفیلی ہے کر اس پر فضل دایم سوں

توں اس کے بخت کر ایسے جو وہ سرور اٹھائے سوں

کہیں میرے ولیؔ اب تم یہ جنت کی سیر دیکھے

۶۔ مرثیہ ۔ مربع ۔ ۱۱ بند ۔ آخری بند یہ ہے ؎

ہے گریہ پُر گناہ سوں عاصی ولی کمتر — لیکن ہے پشتی اس کوں دو شاہانِ رہبر
عاصی گر اسکوں کوئی بولے بہ روزِ محشر — تب دو حسن حسین آ اسکوں ڈٹا انہیں گے

۷۔ نوحہ ۔ ۱۷ شعر ۔ مقطع یہ ہے ؎

دل و جاں سوں ولی نے محبت شہ کا — لکھیا ہے دل میں جیوں نقشِ نگینہ

۸۔ نوحہ ۔ ۱۱ شعر ۔ مقطع یہ ہے ؎

ولی ہے زار ہور غمگین دکھ اسکے دل پہ ہے نگین — محباں پادشاہِ دیں بچھڑ کر آج جاتا ہے

۹۔ نوحہ ۔ ۱۲ شعر ۔ مقطع یہ ہے ؎

ولی جب سوں سنیا یو کر نہ کہکر موہ سوں اچھے — کھڑا ہے مثل تصویراں اپس میں آپ ہو ششدر

۱۰۔ مرثیہ ۔ مربع ۔ ۱۱ بند ۔ آخری بند یہ ہے ؎

جس پہ قربان ہے ولی کمتر — ہے جو اس کا وہ والی و رہبر
کربلا کیاں وہ سختیاں سن کر — ہائے وہ کیوں نگر ہوئے حیراں

۱۱۔ نوحہ ۔ ۱۵ شعر ۔ مقطع ؎

فضل کرنا مجھ ولی پر یا امام — جیوں تری دھر آس پکڑیا ہوں قدم

۵۔ معزز۔ معزز خاں معزز۔ کتب خانہ سالار جنگ کی ایک بیاض میں بھی ان کا مرثیہ موجود ہے۔ غالباً شمالی ہند کے باشندے تھے۔ تذکرۂ بے خزاں میں تخلص دیگر لکھا ہے کہ نام اور حال معلوم نہیں (یادگار شعرا صفحہ ۱۹۱) افسوس ہے کہ اُن کی بنسبت معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ اس بیاض میں ان کی حسب ذیل ۱۱ نظمیں درج ہیں :۔

۱۔ سلام ۔ فارسی ۔ مربع ۔ ۵ بند ۔ آخری بند یہ ہے ؎

السّلام اے شہ معزز بندہ ہا حکم — السّلام اے محترم صلوٰ علےٰ ارواحکم
السّلام اے فاتح باب الجناں مفتاحکم — انکم شافع قیامت سید اعنی السّلام

۲۔ سلام ۔ مربع ۔ ۵ بند ۔ آخری بند ؎

السّلام اے خاص محبوب خدا — السّلام اے حامی یوم الجزا
السّلام اے شہ معزز کے سدا — کھول ہر دم عقد ہائے مشکلی

۳۔ سلام ۔ غزل ۔ ۷ شعر ؎

ہر دم وہ پنجتن کا معزز ہے مدح خواں — آکر بہ سجدہ گاہ کیتا ہو فدا سلام

۴۔ سلام ۔ مربع ۔ ۷ بند ۔ آخری بند ؎

شبہ کچھ اصلا نہیں ہے تم میں اور قرآن میں　　تو سلام اور ہے کلام حق تمہاری شان میں
ہو معزز کے تمیں عرصات کے دیوان میں　　السلام اے قبلۂ ارباب حاجت السلام

۵۔ سلام۔ مربع۔ ۵ بند۔ آخری بند ؎

اولاً دانۂ غم دل کی زمیں پر بویا　　بعد آنکھوں سیں انجو لخت جگر کے رویا
جب زباں شربت کوثر سیں پیاپے دھویا　　تب معزز نے کہا سید شہدا پہ سلام

۶۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۲ بند۔ آخری بند ؎

اے شہ ختم الرسل یا شاہ مردان وغا　　یا امامین الشہید اے فاطمہ خیر النسا
روز محشر میں معزز کی یہی ہے التجا　　دست گیری کر پچھاڑانا تم مروت کی قسم

۷۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۱ بند۔ آخری شعر ؎

دل بے تاب معزز کا ہوا مجمر غم　　خط جلا ہات جلا کلک گہربار جلا

۸۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۷ بند۔ آخری بند ؎

چپ گئے روتے معزز وہ حرم　　تھرتھرائے سن کے تب لوح و قلم
شام جاتے تھے یہ کہتے دم بدم　　قبر سیں اب سر اٹھاؤ یا رسول

۹۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۷ بند۔ آخری شعر ؎

یوں درد جاں گداز معزز اگر کہوں　　کاغذ جلے و کلک گہربار اشکبار

۱۰۔ نوحہ۔ ۱۷ بند۔ آخری بند یہ ہے ؎

اے معزز دل تڑپتا ہے اتنا بس کر خموش　　آگ کا دریا ابلتا ہے نین سوں مار جوش
دیکھ کاغذ حال گیا ہے اور قلم کرتا خروش　　اب بھی بہتر ہے کہ یو ترک سخندانی کرے

۱۱۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۵ بند۔ آخری شعر ؎

اے مومناں یہ درد معزز سیں تم سنو　　رو رو نبی کی آل کا افسوس کھاؤ آج

غیاث الدین غیاث۔ ان کے کلام کا ایک مجموعہ کتب خانہ سالار جنگ میں نمبر ۶۵ پر موجود ہے۔ اس بیاض میں ان کی صرف ۸ نظمیں شریک ہیں۔ تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ سلام۔ ۹ شعر۔ پہلا اور آخری شعر یہ ہے ؎

۱۔ دم بدم ہے واحد پاک سیں احمد پہ سلام　　فاطمہ اور علی صاحب مسند پہ سلام
۹۔ حشر میں پادیں نجات ان سیں محبین غیاث　　بول بارہ یو امام آل محمدؐ پہ سلام

۲۔ سلام۔ ۱۱ شعر۔ آخری شعر یہ ہے ؎

امام خاص یہ بارہ ہیں اعظم الدرجات — غیاثؔ حق ہیں یوں ہر ہر پہ ہے مدام سلام

۳۔ سلام۔ مربع۔ ۵ بند۔ آخری بند یہ ہے۔

السلام اے نور جان سرور خیر الامم — السلام اے صاحب فیاض دیں اہل حرم

السلام اے شاہ غیاث الدین پہ کر فضل و کرم — السلام اے شافع یوم القیامت السلام

۴۔ سلام۔ ۷ شعر۔ مقطع یہ ہے۔

غریب خادم ماح خاندانِ رسول — یہ ہے غیاثؔ توں مخدوم یا امام سلام

۵۔ سلام۔ ۷ شعر۔ مقطع۔

تجھ لالہ رُخ کے غم میں داغِ دلِ غیاثؔ — اے مومناں کے والی غم خوار السلام

۶۔ سلام۔ ۷ شعر۔ مقطع۔

رہے سرخ رو حشر میں لے غیاثؔ — اے خورشید تاباں سلامٌ علیک

۷۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۴ بند۔ آخری شعر۔

اب یہ غیاثؔ پر کرو یا سید الانام — رحمت نصیب فضل نصیب اور کرم نصیب

۸۔ نوحہ۔ مربع۔ ۱۰ بند۔ آخری شعر۔

درد یہ اے غیاثؔ بھاری ہے — ختم کر توں بیاں دریغ دریغ

یہ تو وہ شعرا تھے جن کے زیادہ مرثیے اور نوحے وغیرہ اِس بیاض میں نقل کیے گئے ہیں۔ اب ان شعرا کی طرف توجہ کی جاتی ہے جن کا کم کلام ہے لیکن جن کی نسبت کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔

۷۔ ابراہیم:۔ حیدر آباد کے ایک صوفی بابا شاہ ابراہیم خلیل تھے۔ جو ۱۱۰۰ھ کے قریب گذرے ہیں۔ میراں یعقوب نے ۱۰۸۰ھ کے بعد جب اِن کے مرشد فوت ہوئے تو ان کی بشارت کے مطابق شمائل الاتقیا کا اُردو نثر میں ترجمہ کیا تھا اور بابا ابراہیم کو بھی دکھایا تھا چنانچہ انھوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یہ کلام غالباً انہی ابراہیم کا ہے۔

۱۔ سلام۔ ۱۲ شعر۔ مقطع یہ ہے۔

شافع محشر ہیں ابراہیم کے — یا امامین الکرام اجمعین

۲۔ مرثیہ جو مربع کی شکل میں ہے اس میں ۷ بند ہیں۔ اس کا آخری شعر ہے۔

ہوا مجکوں یہ ابراہیم السلام — کہتا سن حق کا میں فرماں امتثا

۸۔ **احسن**۔ میر غلام علی ساکن حیدرآباد جن کا ذکر تذکرہ جات ذکا و سرور میں درج ہے اور یادگار (ص۱۹) میں انہی کے حوالہ سے ان کا ذکر لکھا ہے۔ ان کی حسب ذیل دو نظمیں اس بیاض میں شامل ہیں۔

سلام - مربع - ۵ بند جس کا آخری بند ہے ۔

جو کہے صدق و یقیں سات بہ اعجاز سلام — ہیں شفیع اس کے بلاشبہ وہ دو جگ کے امام
اس شہنشہ کے غلاماں کا ہے احسن یو غلام — اس ولی ذات مطہر پہ صبا کہہ توں سلام

نوحہ - مربع - ۱۳ بند - آخری شعر ۔

احسن سیاہ پوش ہے اس غم میں جاوداں — محشر تلک رکھا ہے یہ ماتم بدن کے تئیں

۹۔ **اکرم**۔ خواجہ محمد اکرم دہلوی قائم کے دوست تھے۔ (ی ش ص۲۹) وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں کے ندیموں میں تھے۔ تاریخ فی البدیہہ لکھتے اور ہزلیات جعفر زٹلی کی طرز پر لکھتے تھے۔ ۱۲۰۰ھ سے قبل وفات پائی۔ تذکرہ ہندی ص۶۹ ۔

سلام - ۹ بند - آخری بند یہ ہے ۔

اکرم غریب بیکس و مسکین بے نوا — پایا پناہ باب شہنشاہ کربلا
کہتا ہے صدق دل ستی وہ دم بدم صلا — اس بحر موج خیز شجاعت اوپر سلام

۱۰۔ **شاہ حسن**۔ اس نام کے دو شاعروں کا حال تذکروں میں ملتا ہے۔
۱۔ میر حسن شاہ دہلوی ولد سید محمد بخاری۔ ذکا کے دوست (ی ش ص[illegible])
۲۔ غلام حسن پٹنوی شاگرد عشقی۔ زیادہ تر مرثیے لکھتے تھے۔ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون سے حسن تھے۔ ان کا صرف ایک سلام اس بیاض میں درج ہے جو مربع کی شکل میں لکھا گیا ہے اور جس میں صرف ۵ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے ۔

السلام اے رفعت والا قدر — السلام اے شہ نشیں صاحب صدر
السلام اے شہ حسن کے تم چھتر — السلام اے معنی ناد علی

۱۱۔ **خاکی**۔ غلام حیدر بیگ دہلوی۔ ان کے بزرگ بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ دکن آکر فوج میں ملازم رہے۔ (ی ش ص۵۱)۔ ان کا صرف ایک مرثیہ ہے جو مربع کی شکل میں ہے۔ اس میں ۹ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے ۔

شاہ کے غم میں جن نے خاکی رو — اس پہ ہووے گا حق کا نازل نور
من بکا یو حدیث ہے مشہور — غم میں کرنا ہے چشم نم دیکھو

۱۲- خالق - دکن (غالباً اورنگ آباد) کے ایک مشہور صوفی اور مرشد تھے - ان کے ایک معتقد منظفر کا دیوان ادارے میں نمبر ۶۹۰ پر موجود ہے - جو انہی کے ایک مرید محمد صالح بیگ خالق کا مکتوبہ ہے - اس دیوان میں خالق ہی کو شاعر نے اپنا محبوب قرار دیا ہے - اس بیاض میں ان کا ایک نوحہ بشکل مربع موجود ہے - جس میں ۲۰ بند ہیں - اس کا آخری شعر یہ ہے ؎

کیوں بخشا حق نے تکوں دل میں سمجھو دو جہاں | حیف صد افسوس خالق ہے یو امت بے وفا

۱۳- داؤد - مرزا داؤد بیگ اورنگ آباد کے مشاہیر شعرا سے تھے اور ولی کے جانشین۔ ان کا کلام اور دیوان کے نسخے ادارے کے علاوہ دوسرے کتب خانوں میں بھی موجود ہیں - ۱۱۶۸ھ میں فوت ہوئے - اس بیاض میں ان کا صرف ایک نوحہ ہے - جس میں ۶ شعر ہیں - مقطع یہ ہے ؎

مرثیہ داؤد کا سن نغمۂ داؤد سا | اے محباں نغمۂ دل خواہ کھینچا چاہئے

۱۴- روشن - محمد واصل بیگ روشن اورنگ آبادی سراج کے شاگرد تھے - اور آخر عمر میں حیدر آباد چلے آئے - اور یہیں ۱۱۶۸ھ سے قبل رحلت کی - اس بیاض میں ان کے دو سلام درج ہیں جن کی تفصیل یہ ہے ؎

۱- سلام - ۹ شعر ہیں - مقطع یہ ہے ؎

بندۂ روشن جناب کا بیدار | شاہ بیدار بارگاہ سلام

۲- سلام - ۱۲ شعر ہیں - مقطع یہ ہے ؎

السلام روز محشر میں نظر کر لطف سوں | السلام ہے یو روشن مدح خوان کبریا

۱۵- سعید - میر محمد سعید اورنگ آبادی لچھمی نارائن شفیق کے دوستوں میں سے تھے۔ اور ۱۱۷۵ھ میں زندہ تھے - ان کا دیوان ابھی تک کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوا ہے - اس بیاض میں ان کا بہت کچھ کلام محفوظ ہے جس میں عربی وفارسی میں ایک ایک سلام اور اردو میں تین طویل مرثیے شامل ہے جن کی تفصیل یہ ہے ؎

۱- عربی سلام - ۱۰ شعر - مقطع یہ ہے ؎

اکرمو بالسعید فی الحشری | سید الصابرین سلام علیک

۲- اردو سلام - ۱۴ شعر - مقطع یہ ہے ؎

ہے سگ درگاہ تمہارا یہ سعید پر حزن | السلام اے ورۃ التاج گروہ شافعین

۳- مرثیہ - مربع - ۱۲ بند - آخری بند یہ ہے :-

تم سے رکھتا ہے امید اے شافع روز جزا — اب سعیدؔ اوپر کرو رحم و شفقت دائما
اس پہ ہووے حشر میں فضل خدا بے انتہا — لطف احمد یک طرف دیدار یزداں یک طرف

۴- مرثیہ - مربع - ۱۷ بند - آخری بند :-

مختصر کر اے سعیدؔ اب شاہ دیں کے وصف کوں — فاتحہ صلوات پر اپنا سخن کر ختم توں
دن قیامت کے وہی بخشہ کو ، ہوویں گے رہنموں — جن کتیں مصحف میں ایزد نے سراپا بخیا

۵- مرثیہ - مربع - ۱۱ بند - آخری بند :-

کب لگ بیاں کرے گا توں اے سعید پرغم — خیر النساء علی کے نورالبصر کا ماتم
رحمت سے حق کی نازل آل نبی پہ ہردم — ان کو شفیع کر تو جرم و خطا کی خاطر

۱۶- سوداؔ - مرزا محمد رفیع سودا دہلی کے مشہور شاعر جو بعد کو لکھنو چلے گئے تھے۔ ان کا صرف ایک مرثیہ درج ہے جو مربع کی شکل میں ہے۔ اس میں ۲۶ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے :-

بخون ناحق شاہ شہید تیغ ستم — الٰہی غم نہ ہو سوداؔ کوں جز حسین کا غم
نہوے چشم بھی اس کی بجز محرم نم — جو بعد مرگ ہو مدفن تو کربلائے حسین

۱۷- شرفؔ - شیخ شرف الدین حسن مرثیہ گوئی میں ماہر تھے۔ دہلی کے قریب قدیم شریف میں رہتے تھے۔ (یادگار شعراء ص ۱۱۷) یہ غالباً انہی کا مرثیہ ہے۔ جس میں ۱۱ بند ہیں۔ بشکل مربع لکھا گیا ہے۔ آخری شعر یہ ہے :-

اے شرفؔ رونے میں مت کر توں قصور — دل اوپر غم شہہ کا جم ہے یا رسول

۱۸- شیداؔ - میر نوازش علی خاں شیدا نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے میر ساماں تھے۔ اعجاز احمدی اور روضتہ الاطہار دو مثنویاں لکھی ہیں جن کے مخطوطوں کے سلسلہ میں ان کا حال درج ہو چکا ہے۔ ان کا ایک مرثیہ شریک ہے۔ جو مربع ہے۔ ۱۲ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے :-

تھا شب جمعہ کا شیداؔ جب سکینہ سو اٹھی — تلملائی ہور بلائی ماں کی خدمت میں کہی
میں چلی ہوں باپ کن مجکوں کھوں جاں دو رہی — یہ بشارت کہہ سنائے آج بابا خواب میں

۱۹- صابرؔ - صابر علی خاں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آصفجاہ اول کی بارگاہ میں داروغگی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ غالباً وہیں فوت ہوگئے۔ اس بیاض میں ان کی چار نظمیں حسب تفصیل ذیل موجود ہیں :-

۱۔ سلام۔ ۱۵ شعر۔ مطلع و مقطع یہ ہے :-

۱۔ شاہ دیں مذبوحِ خنجر السّلام غرق خوں مظلوم سرور السّلام
۱۵۔ کر گریباں چاک صابر بولتا اے گل باغ پیمبر السّلام

۲۔ سلام۔ ۹ شعر۔ مقطع یہ ہے :-

اے صابر صدق دل سے بولتا ہے میرے رہبر ہو صلی اللہ علیکم

۳۔ نوحہ بشکل مربع۔ ۱۶ بند ہیں۔ آخری شعر یہ ہے :-

ہے خدا شاہد یہ صابر دل میں کہتا روز و شب اس شہید کربلا کا جا مجاور ہو رہوں

۴۔ مرثیہ۔ اس میں ۱۷ بند ہیں اور آخری بند یہ ہے :-

کر گریباں توں چاک لے صابر ہو آنا دردناک لے صابر
اپنے سر ڈال خاک اے صابر آج وارث ہمارا بے سر ہے

۲۰۔ صارم۔ صمصام الملک عبدالحی خاں ۱۱۴۲ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ صمصام الدولہ شاہنواز خاں مولف مآثر الامرا کے فرزند تھے۔ علم و فضل اور شعر و سخن کا موروثی ذوق تھا۔ اردو اور فارسی دونوں کے شاعر تھے۔ قلوٗ کو لاس کے قریب ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ آصف جاہ کے دربار میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اس بیاض میں ان کا ایک سلام اور ایک مرثیہ حسبِ تفصیل ذیل موجود ہے :-

۱۔ سلام جو بشکل مربع لکھا ہے۔ آخری بند یہ ہے :-

جگ تری سن کر مصیبت دنگ ہے دل پہ صارم کے الم کا سنگ ہے
لک خبر لیجے کہ عرصہ تنگ ہے السّلام اے وارثِ مشکل کشا

۲۔ مرثیہ۔ یہ بھی مربع کی شکل کا ہے اور اس میں ۱۲ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے :-

لے حسین ابن علی جگ میں ترا غم ہے مدام درد ہے صارم محزوں کو سدا نام امام
گرم رکھتا ہے مصیبت میں تمہارے ہی مدام دل پہ یہ داغ جدا دیدۂ خوں بار جدا

۲۱۔ عاجز۔ عارف الدین خاں عاجز اورنگ آباد کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ ناندیڑ میں ۱۱۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے حالات اس تذکرے کی جملہ جلدوں میں درج ہیں۔ (دیکھو اشاریہ)۔

۱۔ نوحہ۔ مربع۔ ۸ بند۔ آخری بند :-

کیا ہوا وو جس کوں کہتے ہیں نبی کا نور عین کیا ہوا وو نام ہے کونین میں جس کا حسین
کیا ہوا وو جس کے ماتم سوں نہیں عاجز کو چین آہ وو محزوں شہید دشتِ غربت کیا ہوا

۲۔ نوحہ ۔ مربع ۔ ۱۳ بند ۔ آخری بند ؎

ابن علی کے غم کا پایا جو یک وسیلہ — عاجز ختم کیا سو او فتا فیہ لویلہ
یکو ہے عکس ظاہر فلیضحکو نتیلا — قادر کا فیض جس کوں رہبر ہے کربلایہ

۲۲۔ عاصمی۔ خواجہ برہان الدین دہلوی بہت سے مرثیے لکھے۔ ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ خواجہ عبداللہ احرار کی نسل سے تھے۔ (قایم۔ گردیزی۔ سرور۔ ی۔ش ۱۲۸) ان کا صرف ایک نوحہ درج ہے۔ جو بطور ترکیب بند ہے۔ ۱۰ بند ہیں۔ ہر بند میں چار مصرعے اردو، دو مصرعے فارسی اور دو مصرعے ہندی۔ اس طرح کل ۴ شعر ہیں۔ آخری بند یہ ہے ؎

یوں دیکھ شامیوں نے سبھی بی بیوں کولے — اونٹاں اوپر چڑا کے طرف شام سے چلے
رخصت کوں شہ کے تن ستی رو رو کے سب چلے — کرکے فغاں بچھڑ کے چلے دل جلے بجے
تا شام برسر ہمہ پس ظلم بیا رسید — کو تاب عاصمی کہ بگوید چہار سید
عرض را کھے عاصمی آل نبی کے پاس
دو چنتا پور کریں دین دنے کی آس

۲۳۔ فراق۔ کیقباد جنگ دکن کے شاعر تھے۔ قاسم و ذکا کے حوالہ سے یادگار شعرا میں ان کا نام لکھا ہے۔ مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ ان کا صرف ایک سلام شامل ہے۔ جس میں ۱۰ اشعر ہیں۔ مقطع یہ ہے ؎

تفرقہ مذہب کا تھا ہفتاد و دو تن کا فراق — دیدۂ بیدار مشرب کوثری اوپر سلام

۲۴۔ قاسم۔ شاہ قاسم علی برہان پور میں پیدا ہوئے اور اورنگ آباد میں شاعری کا آغاز کیا۔ ولی کے ہم عصر تھے۔ شاہ عبدالولی عزلت کے شاگرد، اور سلسلۂ چشتیہ میں مرید۔ ان کا مکمل اردو دیوان کتب خانہ آصفیہ میں نمبر ۹۹۲ پر موجود ہے۔ جس میں کہیں قاسم اور کہیں شاہ قاسم تخلص لاتے ہیں۔ اس بیاض کے مرثیہ میں انہوں نے شاہ قاسم استعمال کیا ہے۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ میں ان کا ایک مرثیہ (۲۹ بند) بشکل مسدس موجود ہے جو ۱۲۰۰ھ سے قبل کی کتابت ہے۔ اس بیاض میں ان کا صرف ایک نوحہ بشکل مربع محفوظ ہے۔ جس میں ۷ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے

کیا روم شام ایران کیا بلخ کیا بخارا — ماتم سوں شاہ دیں کے عالم ہیں سب دوارا
اس غم کا شاہ قاسم ہے عرش لگ پکارا — یہ غم عجب ہے شہ کا ہندو دکن میں ماتم

۲۵ - قربان علی قرباںؔ - میر قربان علی خاں ابن میر محمد قاسم خاں - شاگرد قدرت - پٹنے میں رہتے تھے - (یادگار شعرا ص۱۶۳) - ممکن ہے کہ حیدرآباد آئے ہوں یا ان کا کلام پہنچا ہوگا - اس لئے کہ اس بیاض میں ۳ نظمیں شامل ہیں ۔

۱ - سلام - مربع - ۹ بند - آخری بند یہ ہے ۔

جن کے قربانِ علی یو گل ورق | فقربانی کا ہر یا رنگین طبق
دارتا ہے شہ کے اوپر جیوں شفق | کہہ لزوم پنجتن اوپر سلام

۲ - نوحہ - مربع - ۱۴ بند - آخری بند ۔

قرباںؔ ہو شہاں پر یو منقبت کیا ہے | زاری یو مرثیہ سن سب شرش جہت کیا ہے
تجکوں یو فقربانی حق مرحمت کیا ہے | تعظیم سرتے کرنے سب انجمن اٹھے گی

۳ - نوحہ - ۱۱۲ شعر - مقطع ۔

ختم کر قرباں علی بولیا ہے غم کی بات سو | زار سب لوح و قلم ہے یا امیر المومنین

۲۶ - کمالؔ - میر کمال علی بہاری "چہار دہ درود" اماموں کے متعلق کتاب لکھی - ۱۲۱۵ھ میں فوت ہوئے - (یادگار شعرا ص۱۶۷) - یہ سلام جو اس بیاض میں شامل ہے - غالباً انہی کا ہے -

سلام - مربع - ۹ بند - آخری ۔

ہے کرم کے مصر کا توں یوسف روشن جمال | ظلمت عصیاں کی چاہ میں غرق ہے نس دن کمالؔ
عفو کے حبل المتیں سوں کھینچ اس باہر نکال | السلام اے دستگیر عاصیاں یوم القیام

۲۷ - نعمت اللہ - محمد حفیظ شاگرد قمر الدین منت حیدرآباد گئے اور ریختہ لکھنے لگے - (یادگار شعرا ص۲۰۹) - یہ دونوں سلام غالباً انہی کے لکھے ہوئے ہیں -

۱ - سلام - مربع - ۱۱ بند - آخری بند ۔

نعمت اللہ کی یہ چاہ دل کی آب | چاہ میں سیماب غم کوں اضطراب
حشر میں شافع مرے ہو تم شتاب | بحر امواج شفاعت پر سلام

۲ - سلام - ۱۰ بند ۔

السلام اے منبع لطف و کرم | السلام اے صاحب والا ہمم
نعمت اللہ ملزم فضل و رحم | السلام یا اشفعین الاثام

ان شعرا کے علاوہ اس بیاض میں غالباً کسی غیر مسلم شاعر داسؔ کی تین نظمیں بھی درج ہیں - جن میں دو نوحے اور ایک طویل مرثیہ (۱۶ بند کا) بھی شامل ہے - سرخی - قادری (سید خلیل

قادری)۔ مریدی اور مسکین (میر عبد اللہ) کے دو دو نوحے یا مرثیے بھی شریک ہیں اور جن شعرا کی صرف ایک ایک نظم درج ہے۔ ان میں ذکی۔ امتیاز۔ عباس۔ فصیح الدین۔ فضل (شاہ فضل علی معاصر آبرو)۔ قادر (میر عبد القادر حیدرآبادی)۔ قنبر۔ متین اور میر عسکر قابل ذکر ہیں۔ ان میں قادر تو دکن کے مشہور مرثیہ گو تھے۔ متین اورنگ آباد کے شاعر اور پروانہ کے دوست تھے۔ امتیاز غالباً کلیانی (ضلع بیدر) کے نواب کا تخلص تھا۔ ذکی کے مرثیہ میں احمد نگر کا نام ایک نادر طریقہ سے صنعت ایہام میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان کا شعر ہے ؎

روویں ساری ہی جہاں کی ہے گا ماتم پر سوگ
جنگل میں لوٹے گئے سو احمد نگر کے لوگ

اس میں باشندگان شہر احمد نگر نہیں بلکہ احمدؐ (رسول اللہ) کے گھر کے لوگوں سے مراد لیا ہے۔ اس بیاض میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔ بغیر عنوان کے کتابت شروع کی ہے۔ اور "یا امام ہمام" لکھ کر ذکی کے مرثیہ سے آغاز کیا ہے۔ اور سعد اللہ خاں کے اردو مرثیہ پر ختم کیا ہے۔ جس کے بعد ایک عربی مرثیہ بھی درج ہے۔ آخری اردو مرثیہ کے اشعار یہ ہیں ؎

سعد اللہ جان و دل سے ہے گا غلام کمتر ہو دستگیر اس کے اے دو جہاں کے رہبر
درگہ سے اپنے مایوس اب مت کرو اے سرور امید رکھ کے تم سوں مشتوں ہوا سراپا

خط نستعلیق نہایت پاکیزہ اور روشن ہے۔ ہر صفحہ پر سرخ روشنائی میں جدولیں کھینچی گئی ہیں۔ کاغذ بہت عمدہ اور نفیس ہے۔ جلد سرخ چمڑے کی ہے جس پر طلائی اور لاجوردی رنگوں میں عمدہ نقش و نگار اور بیل بوٹے کشمیری طرز پر بنائے گئے ہیں۔

۱۵۲ ورق۔ ہر صفحہ پر ۱۲ شعر ہیں۔ ۱۰" × ۶"۔

اِشاریہ

تذکرۂ اردو مخطوطات - جلد سوم

مرتبہ:- مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب ایم۔اے۔ معتمد اعزازی

کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو

(آ)

(ا)

(ب)

(خ)

(غ)

5. Copies of these books are not found in any library of of India. They are found only in the libraries of Europe.

i.	Talib-o-Mohini	....	Syed Mohd. Vala Musavi.
ii.	Qutub Mushtari	....	Mulla Vajhi.
iii.	Usul-ut tawariq	....	Ghulam Mahmood.

6. Some rare Tazkirahs are also included in this volume.

Tazkira-e-Shuara	....	Shaik Ali Hazeen.
Tariki-e-Buzurgan	....	Hasan Sibghatullahi.
Yadgar-e-Zaigham	....	Revised copy by Zaigham.
Halat-e-Imam-ul-Mudarrisin	....	Rafiuddin Bidari.

7. There are a few books by great writers on whose commentaries by other poets or writers have been written in their own hand e. g. Siraj-ul-Lughat with marginal notes by Ali Naqi Insaf.

8. There are a few manuscripts in which light has been thrown on literary and cutlural history of Hyderabad e. g.

Mahnama-e Jauhar
Shahar-ul Adab Munauver Ali
Tafseer-e-Tanzil.

S. M. Qadri Zore

Muzaffar	....	Diwan.
Yaqub	....	Bayaz.
Bahadur Awlia Husaini	....	Masnavi.
Vajid Dehlavi	....	Diwan.
Maftoon Aurangabadi	....	Diwan.
Malik Mahmood Jauhar	....	Masnavi Jauhar -e-Ishq.
Ashfaq	....	Diwan.
Mateen	....	Bayaz.
Mustaan Ali	....	Masnavi.
Khaliq	....	Elegies.

2. A few poets like Mohib, Asimi Dehlavi, Moazziz, Rahm e Ali were among those whose poetical names were found in Tazkirahs but nothing was known about their works. By chance they have been preserved in the Idara. They are being dealt with in this volume for the first time.

3. Description of a few new books and manuscripts of famous poets is also included in this volume.

Malik Khushnud	....	Bazar-e-Husn and Noor nama.
Mulla Vajhi	...	Revised copy of Tajul Haqaiq.
Shamsuddin Muhammad Faiz	....	Sharh-ul-Faiz.
Dr. Ahmad Husain Mail	....	Qasaid.
Ziauddin Parwana	....	Second Diwan.

4. In this volume are included details of some of the books of old Urdu prose which will be an addition to the history of Urdu prose e. g.

    Sharhe Irshad Nama-e-Janam
    Tafseer-e-Tanzeel e-Syed Baba
    Marifat-us Sulook Shah Valiullah.

but it is regretted to note that the budget of the Idara could not increase along with it. We have no provision to publish the detailed catalogues of all these books and manuscripts and papers.

It is a difficult task to prepare the detailed and subject-wise lists of more than 13,000 printed books and 5,000 manuscripts. For this convenient facilities and funds are needed and Idara lacks both.

This third volume could not see light if the Sahitya Akademi (National Academy of Letters, New Delhi) had not come forward to help the Idara financially in completing the work of printing and publishing it. The Idara tenders its deep felt thanks to the Sahitya Akademi and hopes that all research scholars, men of letters and well wishers of Urdu will also appreciate and admire the action taken by the Sahitya Akademi.

The undersigned in the capacity of the Honorary Secretary has been as usual writing details about all manuscripts and historical papers but the budget of the Idara can not bear the expenses of printing and publishing them in book form as the Idara has to allocate some provision or the other for its different activities.

The following are some of the characteristics of this volume:

1. It has brought into lime light certain details about the works of poets whose names were unknown to the present Urdu world. The following are few from among them.

Fidwi Aurangabadi	....	Diwan.
Bismil Madrasi	....	Bayaz:
Saif and Anwar	....	Diwan.
Shahwar	....	Diwan:

PREFACE

This is the third volume of the descriptive catelogue of manuscripts of the library of the Idara e-Adabiyat e Urdu. Its first volume was published in 1943 and the second one in 1951. The first volume is rarely available now. It contained details regarding 275 manuscripts of Urdu only. Several books and treatises were included in most of these manuscripts. The second volume was published in the period of political upheaval in Hyderabad and the idea was to include as many manuscripts as possible so 500 manuscripts of Arabic, Persian, Hindi and Urdu were cursorily reviewed in it.

In this volume most of the manuscripts are of Urdu and a few Persian manuscripts supplying information about Urdu writers and poets or written by Urdu poets and writers have been included. There are a few important historical manuscripts also. Although according to serial order of the library only two hundred manuscripts are dealt with in this valume, yet some of these manuscripts contain more than one book and works of more than one author; especially the last manuscript No. 700 contains the works of more than 50 poets.

The library of the Idara e-Adabiyat e-Urdu does not need any introduction now. Some details have already been furnished in the first two volumes of this series and the annual reports of the Idara have also been supplying necessary information about its characteristics and progress. Writers and men of letters from India and Pakistan have been utilising this library from last several years. Besides the two volumes about the manuscripts a huge classified catalogue of 5000 printed books of this library has also been published. Hundreds of these printed books are as valuable and rare as the manuscripts and a few are such that their copies are found in no other library.

The number of manuscripts, printed books and magazines and historical documents and letters is increasing day by day

TAZKIRAH-E-MAKHTUTAT

VOL. III.

CONTENTS.

TAZKIRAH-E-MAKHTUTAT

VOLUME III.

A descriptive Catalogue of manuscripts preserved in the Library of the

IDARA-E-ADABIYAT-E-URDU

HYDERABAD, (INDIA)

Compiled by

Dr. S. MOHIUDDIN QADRI ZORE

BUREU FOR PROMOTION OF URDU

Price Rs. 23-00